تاریخ انسانی کے خوش نصیب وعظیم ترین باپ سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ
والد محترم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ

ایمانِ سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

ایک تحقیقی مطالعہ

تحقیق کار
ضیاء المصطفےٰ محسن
(ایم۔فل اسلامیات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ان پاکیزہ ومقدس آباء واجداد کے نام
جن کی اصلاب نورِنبوت کی امین ٹھہریں
اور جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور بن کر
اس دنیا میں تشریف لائے اور آدمیت کا سر فخر سے بلند کر دیا

المحتویات

پہلا باب

ایمان کا معنیٰ ومفہوم

پہلی فصل

ایمان کا معنیٰ ومفہوم

ایمان ایسا نور ہے جس کی روشنی دل میں پھوٹتی ہے مگر اس کی کرنیں سارے جسم کو روشن کر دیتی ہیں۔ جسے یہ نور نصیب ہوجاتا ہے وہ دنیا میں بھی ہمیشہ اجالے میں رہتا ہے اور روز قیامت بھی اس کی روشنی میں راہ پاکر جنت میں داخل ہوگا، بالفاظ دیگر جب کسی دل میں ایمان راسخ ہوجاتا ہے تو اس کی پوری زندگی میں عمل صالح کی بہار آجاتی ہے۔ عبادات سے لے کر معاملات تک، اخلاقیات سے لے کر معیشت ومعاشرت اور سیاسیات تک اس کا ہر کام نیکی وتقویٰ کا مظہر بن جاتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو کسی بھی انسان کے لئے جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے اور حصول جنت ہی ہر مومن کا مقصد حیات ہے۔

یہ بات تو متفقہ ہے کہ ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں لیکن ایمان کا مفہوم وحقیقت کیا ہے؟ ایمان کا عمل سے کیا تعلق ہے؟ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟ ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے ؟ کتاب وسنت میں کن صفات کے حامل افراد کو ایمان والے شمار کیا گیا ہے؟ ایمان کے ارکان کیا ہیں؟ کون کون سے کام انسان کو دائرہ ایمان سے خارج کر کے حدود کفر میں داخل کر دیتے ہیں؟ یہ تمام ایسے سوالات ہیں جن کے جوابات کا ہر ایمان کے دعویدار کو علم ہونا چاہئے تاکہ وہ خود کو پرکھ سکے کہ آیا وہ محض ایماندار ہونے کا دعویٰ ہی کر رہا ہے یا اپنے ایمان میں سچا بھی ہے۔ پیش نظر مواد میں ایمان کے انہی معانی و مطالب اور حقائق کو زیر بحث لانے کی کوشش کروں گا اور اس کے بعد اہل ایمان کی صفات بیان کروں گا۔ بعد میں ان تمام صفات وتعریفات کو دیکھیں گے کہ کیا یہ نبی کریم ﷺ کے والد محترم اور آپ کے دیگر آباؤ اجداد میں موجود تھیں؟ اس کے بعد ان ہستیوں کے ایمان کے بارے میں کسی کو انشاء اللہ شک نہیں رہے گا۔

ایمان کا لغوی مفہوم

ایمان (ا۔م۔ن) سے مشتق ہے اور لفظ ایمان، اٰمن یؤمن ایماناً باب افعال سے

آتا ہے اور اس کا معنی ہے تصدیق کرنا اور نفس کا مطمئن ہونا۔(۱)

علامہ راغب لکھتے ہیں:

ایمان ''امن'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے امن میں ہونا اور خوف کا زائل ہونا۔(۲)

لغوی اعتبار سے ایمان کے دو معنی ہیں۔امن اور تصدیق

۱۔ ''**الأمن** '' یعنی امن و امان اور طمانیت عطا کرنا۔ یہ خوف کی ضد ہے۔اور **آمنته**(یعنی میں نے اسے امن دیا)**أخفته** (یعنی میں نے اسے ڈرایا) کی ضد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وآمنهم من خوف (۳)

''اور اس نے انہیں خوف میں امن عطا کر دیا۔''

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

واذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به (۴)

''اور جب ان (منافقوں) کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے پھیلانے لگتے ہیں۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ امن خوف کی ضد ہے۔

استأمن اليه یعنی وہ اس کی امان میں داخل ہو گیا۔**الأمنة** اور **الأمانة** خیانت کی ضد ہے۔لفظ امن سے اسم فاعل **آمِن** ہے یعنی جو خود امن میں ہو اور اسم مفعول **مأمون** ہے یعنی جس سے کوئی اندیشہ نہ ہو یا جس سے امن حاصل کر لیا گیا ہو۔قرآن نے یہ لفظ یوں استعمال فرمایا ہے۔

ان عذاب ربهم غير مأمون (۵)

''یقیناً ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے بے خوف ہوا جا سکے۔''

امن سے اسم ظرف **مَأمَن** ہے یعنی امن کی جگہ۔قرآن میں ہے کہ

ثم أبلغه مامنه (۶)

''جب تمہاری پناہ میں آنے والا مشرک اللہ کا کلام سن لے تو) پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔''

اسی سے لفظ **اَمِیْــــن** ہے یعنی جو خود امن میں ہو اور جس سے لوگ امن میں ہوں، اس لفظ میں اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کا مفہوم شامل ہے۔لفظ امن سے اگر باب افعال بنایا جائے تو مصدر بنے گا۔

الایمان یعنی کسی کوامن دینا۔اس باب سے اسم فاعل کا صیغہ بنتا ہے مُؤمِن یعنی امن دینے والا اور اللہ تعالیٰ کا نام (المؤمن) بھی قرآن کریم میں اسی معنی میں ذکر ہوا ہے کیونکہ اس نے اپنے بندوں کو اس بات سے امن عطا کر دیا ہے کہ وہ ان پر ظلم کرے۔معلوم ہوا کہ ایمان کا ایک بنیادی معنی امن ہے یعنی امن اسی کے لئے ہے جو اہل ایمان ہے۔قرآن نے اس مفہوم کو یوں واضح کیا ہے

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم أولئک لهم الأمن وهم مهتدون (۷)

''حقیقت میں امن انہی کے لئے اور راہ راست پر بھی وہی ہیں جو اہل ایمان ہیں اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔''

۲۔ (التصدیق) یعنی ایمان کا دوسرا معنی تصدیق ہے۔تصدیق تکذیب کی ضد ہے۔اور جب بندہ کہتا ہے کہ **آمنت بالله ربا** (یعنی میں اللہ کے رب ہونے پر ایمان لایا) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے اس بات کی تصدیق کی۔اور مومن وہ ہوتا ہے جو اپنے اندر بھی تصدیق کو اسی طرح چھپائے ہوئے ہو جیسے اسے ظاہر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

قولوا آمنا بالله (۸) ''کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

أفتطمعون أن یؤمنوا لكم (۹) ''مسلمانو! کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ بھی ایمان دار بن جائیں۔''

اور تصدیق میں امن وامان کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے، یہی باعث ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا:

وما أنت بمؤمن لنا ولو كنا صادقین . (۱۰)

''یعنی تم ہماری بات کی تصدیق نہیں کرو گے، (نہ اس پر یقین کرو گے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہو گے) گو ہم سچے ہی ہوں۔''

کسی بھی خبر دینے والے کا جواب دو ہی صورتوں میں دیا جاتا ہے، تصدیق یا تردید۔ تصدیق کر دی جائے تو امن رہتا ہے اور جھگڑا نہیں ہوتا اور اگر تردید کر دی جائے تو فوراً جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ تصدیق میں امن کا معنی بھی شامل ہے۔ لہٰذا ایمان، تصدیق کا نام ہے جس میں امن کا مفہوم بھی شامل ہے اور تصدیق ہوگی نبی کی اور نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کی۔(۱۱)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''لغوی اعتبار سے ایمان نام ہے صرف تصدیق کا اور شرعاً ایمان یہ ہے کہ رسول اپنے پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی لائے اس کی تصدیق کی جائے۔''(۱۲)

واضح رہے کہ رسول اور نبی کی لائی ہوئی تعلیمات میں مختلف امور شامل ہوتے ہیں مثلاً غیبی امور (یعنی اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان وغیرہ)، حلال وحرام کے احکام اور سابقہ امتوں کے قصص و اخبار وغیرہ۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جتنے بھی پیغمبر آئے ان کی تعلیمات میں بلحاظ علاقہ و زمانہ احکام تو مختلف ہوتے رہے ہیں (مثلاً نماز اور روزہ کی صورتیں تبدیل ہوتی رہی ہیں) مگر ایمانیات (یعنی ایمان باللہ وغیرہ) میں ابتدائے آفرینش سے آج تک ذرہ بھر بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایمانیات کا تعلق امور غیبیہ سے ہے اور غیبی امور کے متعلق تمام انبیاء ایک ہی دعوت لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما أرسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه أنه لا اله الا أنا فاعبدون (۱۳)

''(اے پیغمبر!) آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔''

اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت .(۱۴)

''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (تاکہ وہ دعوت پیش کرے) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔

پس ایمان کا مختار لغوی معنی یہ ہوا کہ ایمان قلبی اقرار کا نام ہے اور اس اقرار میں دل کا اعتقاد یعنی ''تصدیق'' اور دل کا عمل یعنی ''اوامر کے آگے جھک جانا'' بھی شامل ہے۔(۱۵)

ایمان کا اصطلاحی مفہوم

ائمہ اہل السنّت اور سلف صالحین کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی ربوبیت والوہیت اور اس کے اسماء وصفات کی پختہ تصدیق، کامل اقرار اور پورا اعتراف کیا جائے، اسی اکیلے کو عبادت کا مستحق سمجھا جائے، اس بات پر دل مکمل طور پر مطمئن ہو اور اس کا اثر انسان پر یوں ظاہر ہو کہ وہ اللہ کے حکموں پر عمل کرے اور اللہ کے منع کردہ کاموں سے بچے۔ ایمان میں یہ چیز بھی بدرجہ اتم شامل ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور خاتم النبیین سمجھا جائے، آپ ﷺ نے جو بھی دین اسلام، امور غیبیہ اور احکام شرعیہ وغیرہ کے متعلق اللہ کی طرف سے تعلیمات بیان کی ہیں انہیں من وعن قبول کیا جائے، آپ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت واتباع کے لئے جھکا جائے اور آپ ﷺ کے منع کردہ ہر کام سے بچا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان تمام ظاہری وباطنی طاعات کا نام ہے۔ باطنی اطاعت جیسے دل کی تصدیق اور اقرار، ظاہری اطاعت جیسے بدن کے تمام افعال خواہ واجبات ہوں یا مستحبات۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایمان میں قول کے ساتھ ساتھ اعضاء کا عمل بھی شامل ہے، یہ ایمان کا لازمی جز ہے اور اس کے بغیر ایمان کفایت نہیں کرتا۔ لہٰذا ائمہ سلف اور اہل السنّت کے نزدیک ایمان میں متفقہ طور پر تین امور شامل ہیں:

(۱) دل کا اعتقاد

(۲) زبان کا اقرار

(۳) اعضاء کا عمل

دوسرے لفظوں میں ان کے نزدیک ایمان ''دل اور زبان کے قول اور دل اور اعضاء کے عمل'' سے عبارت ہے۔ جو بھی ان تمام امور کو اپنائے گا اسی کا ایمان کامل ہوگا۔(۱۶)

معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ایمان ''دل کے اعتقاد، زبان کے اقرار اور اعضاء کے عمل کا نام ہے۔''

ایمان اور اسلام میں فرق

اسلام کا لغوی معنی ہے ''مطیع ہو جانا، جھک جانا، فروتنی کرنا اور تابعدار ہو جانا۔'' شرعا

اسلام کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''عقیدۂ توحید اپنا کر اور شرک سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جانا، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے جھک جانا اور اللہ کے دشمنوں یعنی مشرکوں سے عداوت رکھنا۔''(۱۷)

ایمان اور اسلام میں کوئی فرق ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ سلف کے مابین اختلاف ہے اور اس سلسلے میں دو بڑی آراء ہیں:

﴿۱﴾ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ ایمان اور اسلام میں یہ فرق ہے کہ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اعتقادات اور باطنی اعمال کا نام ہے۔ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قالت الأعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكم قولوا أسلمنا ولما يدخل الايمان فى قلوبكم.(۱۸)

''دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے ان سے کہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (یعنی مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے) حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔''

ب۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

ان المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات...... أعد الله لهم مغفرة و أجرا عظيما . (۱۹)

''بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں ۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

ج۔ حدیث جبریل میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور چند سوالات کیے۔انہوں نے اسلام اور ایمان کے متعلق بھی دریافت کیا۔آپ ﷺ نے اسلام کے متعلق فرمایا:

أن تشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله و

تقیم الصلاۃ و تؤتی الزکاۃ و تصوم رمضان و تحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا . (۲۰)

''(اسلام یہ ہے کہ) تم شہادت دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تم نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔''

پھر آپ ﷺ نے ایمان کے متعلق فرمایا:

أن تؤمن باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ و شرہ .

''(ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔''

د۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

أ ن رجلا سأل النبی ﷺ أی الاسلام خیر ؟ قال : تطعم الطعام ، و تقرأ السلام علی من عرفت و من لم تعرف . (۲۱)

''ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کہ تو (لوگوں کو) کھانا کھلائے اور جسے تو جانتا ہے اور جسے نہیں جانتا (سب کو) سلام کہے۔''

﴿۲﴾ کچھ حضرات نے یہ موقف اپنایا ہے کہ اسلام اور ایمان میں کوئی فرق نہیں۔ انہوں نے ان آیات واحادیث کو پیش نظر رکھا ہے جن میں اسلام اور ایمان دونوں ایک معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمایئے۔

ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

ان الدین عند اللہ الاسلام .(۲۲)

''بلاشبہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔''

ب۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ:

ورضیت لکم الاسلام دینا .(۲۳)

''اور میں نے تمہارے لئے بطور دین اسلام کو پسند کیا ہے۔''

ج۔ سورت آل عمران میں ہے کہ:

ومن يتبع غير الاسلام دينا فلن يقبل منه .(۲۴)

''اور جو بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

مذکورہ بالا تینوں آیات میں اسلام کو دین قرار دیا گیا ہے اور دین میں ایمان بھی شامل ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں اسلام کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر ہے اور اس میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ''یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

معلوم ہوا اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر بھی دین کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

د۔ سورۃ ذاریات میں ہے:

فأخرجنا من كان فيها من المؤمنين . فما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين.(۲۵)

''پس اس بستی میں جو بھی مومن تھا ہم نے اسے نکال لیا اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے پوری بستی میں ایک گھر کے سوا کوئی مسلم نہ پایا۔''

ھ۔ سورۃ مائدہ میں ہے :

ومن يكفر بالايمان فقد حبط عمله وهو فى الآخرة من الخاسرين . (۲۶)

''اور جو ایمان کا انکار کریں ان کے اعمال ضائع ہیں اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر عمل کا کوئی فائدہ نہیں۔

و۔ سورۃ حدید میں ہے :

آمنوا بالله ورسوله وأنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه
فالذين آمنوا منكم وأنفقوا لهم أجر كبير . وما لكم لا تؤمنون

بـالـلـه والرسول يدعوكم لتؤمنوا بربكم وقد أخذ ميثاقكم ان كنتم مؤمنين .(٢٧)

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دوسروں کا) جانشین بنایا ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے۔''

ز۔ سورۃ حجرات میں ایمان والے صرف ان کو کہا گیا ہے جو مال و جان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔(۲۸)

ح۔ سورۃ مائدہ میں ان لوگوں کو ایمان والے کہا گیا ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔(۲۹)

ط۔ سورۃ نمل میں ایمان والے ان کو کہا گیا ہے جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔(۳۰)

ان آیات میں اقامت صلاۃ اور ادائیگی زکوۃ وغیرہ کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے جبکہ پیچھے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی مذکورہ بالا اعمال کو اسلام قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے

ی۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ:

''ایمان کی ستر یا (راوی کو شک ہے) ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، ان میں سب سے افضل کلمہ (لا الہ الا اللہ) کہنا ہے اور سب سے کم تر راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''(۳۱)

ک۔ وفد عبدالقیس والی روایت میں آپ ﷺ نے اعمال اسلام کو ہی ایمان قرار دیا ہے۔ فرمایا:

''(ایمان یہ ہے) گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا

کرنا۔(۳۲)

مقالہ نگار کے نزدیک جب ایمان اور اسلام کا اکٹھا ذکر ہو تو ان میں فرق ہوتا ہے یعنی ایمان سے مراد اعتقادات اور باطنی اعمال ہوتے ہیں جبکہ اسلام سے مراد ظاہری اعمال ہوتے ہیں اور جب دونوں کا ذکر الگ الگ ہو تو پھر دونوں ہم معنی ہوتے ہیں، یعنی جب اکیلے ایمان کا ذکر ہو تو اس میں اسلام بھی شامل ہوگا کیونکہ ظاہری اعمال کے بغیر ایمان کی کچھ حیثیت نہیں اور جب اکیلے اسلام کا ذکر ہوگا تو اس میں ایمان بھی شامل ہوگا کیونکہ اعتقادات اور باطنی اعمال کے بغیر عمل بے کار ہے۔ درحقیقت ایمان اور اسلام اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں جیسے درخت کا ظاہری حصہ اور اس کی جڑ یا بدن اور روح ۔جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

دل بادشاہ ہے اور اعضاء اس کا لشکر ہیں، اگر دل صحیح ہے تو اس کا لشکر بھی صحیح ہے اور اگر دل خراب ہے تو اس کا لشکر بھی خراب ہے۔''(۳۳)

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۳۴)

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۳۵)

ایمان اور اسلام کے باہمی تعلق کے حوالے سے امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر ایمان اسلام بھی ہے لیکن ہر اسلام ایمان نہیں کیونکہ اسلام کا معنی ہے انقیاد (یعنی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے اپنے آپ کو جھکا لینا) اور ایمان کا معنی ہے تصدیق۔ اب یہ ناممکن ہے کہ تصدیق ہو اور انقیاد نہ ہو لیکن یہ ناممکن نہیں کہ انقیاد ہو اور تصدیق نہ ہو۔ ایمان اور اسلام کی باہمی نسبت کو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ہر نبی تو صالح شخص ہوتا ہے لیکن ہر صالح شخص نبی نہیں ہوتا (اسی طرح ہر مومن شخص مسلمان بھی ہوتا ہے لیکن ہر مسلمان شخص مومن نہیں ہوتا)۔(۳۶)

محمد بن عبدالرحمٰن الخمیس فرماتے ہیں:

''میری نظر میں راجح قول یہ ہے کہ ایمان اور اسلام جب الگ الگ ذکر ہوں تو دونوں کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے اور جب اکٹھے آئیں تو دونوں کے مفہوم میں فرق ہوتا ہے۔ یعنی جب دونوں اکٹھے ذکر ہوں تو اسلام سے مراد ہوں گے ظاہری اعمال اور ایمان سے مراد ہوں گے عقائد اور باطنی اعمال اور جب دونوں الگ الگ ذکر ہوں تو ایک میں دونوں کا مفہوم شامل ہوگا۔''(۳۷)

جب ایمان کو اسلام کے ساتھ ذکر کیا جائے گا تو اسلام سے مراد ظاہری عبادات ہوں گی مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور ایمان سے وہ چیز مراد ہوگی جو دل میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ، فرشتوں، نبیوں، الہامی کتابوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر یقین کامل۔ لیکن جب ایمان اور اسلام کو الگ الگ ذکر کیا جائے گا تو ہر ایک سے مکمل دین (یعنی قول وعمل اور باطنی وظاہری ہر عمل) مراد ہوگا۔(۳۸)

عبداللہ بن محمد بن احمد القنائی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۳۹)

کتاب ''اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنۃ'' میں بھی اسی رائے کو مختار قرار دیا گیا ہے۔(۴۰)

ایمان قول وعمل کا نام ہے؟

کیا عمل ایمان میں داخل ہے؟

ایمان میں عمل بھی شامل ہے اور کتاب وسنت میں اس کے بہت سے واضح دلائل موجود ہیں۔ چند ایک پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

آیات قرآنیہ

(۱) سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

انما ولیکم الله ورسوله والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاة و یؤتون الزکاة و هم راکعون . (۴۱)

''اے مسلمانو! تمہارا اولی ودوست اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں۔''

(۲) سورۂ نمل میں ہے:

طس تلک آیات القرآن و کتاب مبین . هدی و بشری للمؤمنین . الذین یقیمون الصلاة و یؤتون الزکاة و هم بالآخرة هم یوقنون . (۴۲)

''طس، یہ آیتیں ہیں قرآن کی (یعنی واضح) اور روشن کتاب کی۔ ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لئے ہے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

(۳) سورۂ انفال میں ہے:

انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم .(۴۳)

''صرف مومن وہ لوگ ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔''

(۴) سورۂ نور میں ہے:

انما المؤمنون الذین آمنوا بالله ورسوله واذا کانوا معه علی أمر جامع لم یذهبوا حتی یستاذنوه . (۴۴)

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملہ میں، جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے ، نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے۔''

سورۂ حجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المؤمنون الذین آمنوا بالله ورسوله ثم لم یرتابوا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم فی سبیل الله أولئک هم الصادقون . (۴۵)

''ایماندار صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، پھر شک وشبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔''

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف ان لوگوں کو صاحب ایمان قرار دیا ہے جو مختلف اعمال صالحہ بجالاتے ہیں۔ جبکہ آئندہ سطور میں پیش کردہ آیات میں ان لوگوں سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو خلاف ایمان اعمال اختیار کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عمل ایمان کا حصہ ہے۔ آیات ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) سورۂ بقرہ میں یہود کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

فلم تقتلون أنبياء الله من قبل ان كنتم مؤمنين. (۴۶)

''پس تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کیوں کرتے رہے اگر تم مومن ہو؟''

(۲) سورۂ توبہ میں منافقین کے حوالے سے فرمایا گیا:

لا يستاذنك الذين يؤمنون بالله واليوم الآخر أن يجاهدوا بأموالهم وأنفسهم والله عليم بالمتقين . انما يستاذنك الذين لا يؤمنون بالله واليوم الآخر وارتابت قلوبهم فهم في ريبهم يترددون. (۴۷)

''اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ۔ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے، جن کے دل میں شک پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں ۔''

(۳) لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله. (۴۸)

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے ۔''

(۴) ایک اور جگہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

ولو كانوا يؤمنون بالله والنبي وما انزل اليه ما اتخذوهم أولياء ولكن كثيرا منهم فاسقون. (۴۹)

''اگر انہیں اللہ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قتل انبیاء، جہاد سے فرار اور کفار سے دوستی کو ایمان کے منافی

اعمال قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اعمال کی اصلاح نہ ہو جائے ایمان کی تکمیل ممکن نہیں ، بالفاظ دیگر عمل ایمان کا جز ولا ینفک اور لازمی حصہ ہے۔

احادیث نبویہ۔۔۔کہ کیا عمل ایمان میں داخل ہے؟

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ وفد عبدالقیس آیا تو آپ ﷺ نے انہیں یکتا اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا:

أتدرون ما الايمان بالله وحده ، قالوا الله ورسوله أعلم ، قال شهادة أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله واقام الصلاة وايتاء الزكاة وصيام رمضان وأن تعطوا من المغنم الخمس . (۵۰)

''کیا تم جانتے ہو کہ یکتا اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا (وہ یہ ہے کہ) گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ، نماز قائم کرنا ، زکوٰۃ ادا کرنا ، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔''

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نماز اور روزہ وغیرہ جیسے اعمال کو ایمان قرار دیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عمل ایمان کا حصہ ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الايمان بضع وسبعون أو بضع و ستون شعبة ، فأفضلها قول لا اله الا الله وأدناها اماطة الأذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان . (۵۱)

''ایمان کی ستر یا (راوی کو شک ہے) ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں ، ان میں سب سے افضل کلمہ (لا الہ الا اللہ) کہنا ہے اور سب سے کم تر راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عمل ایمان کا حصہ ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے مختلف اعمال کو خود ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ، ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن ،

ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن . (۵۲)

''زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور شرابی

جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔''

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین. (۵۳)

''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی طرف اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ . (۵۴)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن ، قیل من یارسول اللہ ؟ قال : الذی لا یأمن جارہ بوائقہ . (۵۵)

''اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں (آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ فرمایا تو) آپ ﷺ سے

دریافت کیا گیا، اے اللہ کے رسول! کون شخص؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہیں۔''

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا. (۵۶)

''تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تم مومن بن جاؤ اور تم اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔''

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من حمل علینا السلاح فلیس منا، ومن غشنا فلیس منا. (۵۷)

'' جس نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا وہ ہم (یعنی اہل ایمان) میں سے نہیں اور جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

مذکورہ بالا احادیث اور ان جیسی دیگر کثیر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل ایمان کا حصہ ہے کیونکہ ان میں آپ ﷺ نے مختلف اعمال کے وجود پر ایمان کا اثبات اور عدم وجود پر ایمان کی نفی فرمائی ہے۔

(۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

فان للایمان فرائض وشرائع وحدودا وسننا، فمن استکملها استکمل الایمان، ومن لم یستکملها لم یستکمل الایمان. (۵۸)

''ایمان میں فرائض، شرائع، حدود اور سنن (سب) شامل ہیں، جس نے انہیں پورا کیا اس نے اپنا ایمان پورا کر لیا اور جس نے انہیں پورا نہ کیا اس نے اپنا ایمان پورا نہ کیا۔''

(۱۰) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایمان کے حوالے سے فرمایا ہے:

(الایمان) ما وقر فی القلوب وصدقته الاعمال. (۵۹)

''ایمان کا بوجھ دل میں ہوتا ہے اور اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔''

دل، زبان اور اعضاء کا قول وعمل

''ایمان قول وعمل کا نام ہے'' اس کی وضاحت میں اہل علم نے بیان کیا ہے کہ قول سے مراد دل کا اقرار اور زبان کی تصدیق ہے اور عمل سے مراد دل اور زبان و اعضاء کا عمل ہے۔

''دل کا قول'' اعتقاد، تصدیق اور یقین ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذی جاء بالصدق وصدق به اولئک هم المتقون .(٦٠)

''اور جو شخص سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی، وہی متقی و پرہیز گار ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

انما المؤمنون الذین آمنوا بالله ورسوله ثم لم یرتابوا . (٦١)

''ایماندار صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، پھر شک وشبہ نہ کریں۔''

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

''جس کے دل میں رائی برابر بھی یمان ہوگا اسے جہنم سے نکال لیا جائے گا۔'' (٦٢)

''زبان کا قول'' کلمہ شہادت کی ادائیگی اور اس کے تقاضوں اور لوازمات کو پورا کرنے کا اقرار ہے۔(٦٣)

قرآن کریم میں ہے:

واذا یتلیٰ علیهم قالوا آمنا به انه الحق من ربنا . (٦٤)

''اور جب ان کے سامنے (قرآن) تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وقل آمنت بما أنزل الله من کتاب.(٦٥)

''کہہ دیجئے کہ میں اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف علیهم ولا هم

یحزنون.(٦٦)

''بلاشبہ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر (اس پر) استقامت اختیار کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

أمرت أن أقاتلالناس حتیٰ یشھدوا أن لا الہ الا اللہ وأن محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلاۃ ویوتوا الزکاۃ ...... (٦٧)

''مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

''دل کا عمل'' نیت، اخلاص، تسلیم وقبول، محبت، امید، خوف وخشیت، تعظیم وتوکل اور اعمال صالحہ کا ارادہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما نطعمکم لوجہ اللہ .(٦٨)

''ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں۔''

سورت انعام میں فرمایا:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ . (٦٩)

''انہیں دور مت بھگا جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکاتے ہیں (اور صرف) اس کی رضا چاہتے ہیں''

سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم .(٧٠)

''(صرف مومن وہ ہیں) جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔''

اور فرمان نبوی ﷺ ہے:

انما الاعمال با النیات(٧١)

''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

ایک دوسرا فرمان یوں ہے:

یامعشر من آمن بلسانه ولم یدخل الایمان قلبه.(۷۲)

''اے وہ جماعت! جو اپنی زبان سے ایمان لائی ہے، ابھی اس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا۔''

''زبان اور اعضاء کا عمل''

یعنی واجبات و مامورات کی بجا آوری اور منہیات ومحرمات سے اجتناب اور کنارہ کشی

زبان کے عمل سے مراد وہ عمل ہے جو صرف زبان کے ذریعے ہی ممکن ہے جیسے تلاوت قرآن ،تمام اذکار (یعنی تسبیح، تحمید تہلیل، تکبیر اور دعا واستغفار وغیرہ) دعوت الی اللہ، لوگوں کو خیر کی تعلیم دینا اور اس طرح کے وہ تمام اعمال جن کا تعلق صرف زبان سے ہے۔ یہ تمام ایمان کا حصہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یایها الذین آمنوا اذکروا الله ذکرا کثیرا(۷۳)

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

ان الذین یتلون کتاب الله وأقاموا الصلاة وأنفقوا مما رزقناهم سرا وعلانیة یرجون تجارة لن تبور. (۷۴)

''بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اعلانیہ اور خفیہ طور پر خرچ کرتے ہیں، وہ اس تجارت (یعنی منافع) کے امیدوار ہیں جو کبھی ہلاک نہیں ہوگا۔''

اعضاء کے عمل میں نماز، قیام، رکوع، سجود، روزہ، صدقہ، اللہ کی رضا کے لئے کسی کام کی طرف چل کر جانا (جیسے مساجد کی طرف، حج، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے جانا) اور اس طرح کے وہ تمام اعمال شامل ہیں جن کا تعلق زبان کے علاوہ باقی اعضاء سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یاایها الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون.وجاهدوا فی الله حق جهاده هو اجتباک(۷۵)

''اے ایمان والو! رکوع، سجدے کرتے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسا جہاد کا حق ہے، اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما . والذین یبیتون لربهم سجدا و قیاما .(۷۶)

''رحمٰن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں۔''

ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟

کتاب وسنت کے واضح دلائل سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ اب جب ایمان میں عمل بھی داخل ہے تو پھر یقیناً اس میں حسب اعمال کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ جب انسان اعمال صالحہ بجالاتا ہے تو اللہ کی طرف اس کی رغبت بڑھتی ہے، اس میں مزید نیکیوں کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے اندر ایمانی قوت محسوس کرتا ہے اور جب انسان اعمال سیئہ کا ارتکاب کرتا ہے تو مزید برے کام اس کے لئے آسان سے آسان تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس وقت اس کا ایمان انتہائی کمزور حالت میں ہوتا ہے۔ ائمہ سلف کے اقوال وفتاویٰ بھی اسی بات کے مؤید ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ یعنی بندے کا ایمان کبھی کامل ہوتا ہے تو کبھی ناقص۔

ایمانی کمی بیشی قرآن کریم کی روشنی میں

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یایها الذین آمنوا آمنوا .(۷۷)

''اے ایمان والو! ایمان لے آؤ (یعنی ایمان میں بڑھ جاؤ)۔''

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کو ایمان لانے کا حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ایسے کام بجالائیں جوان کے ایمان کو درست کرنے کا باعث ہوں جیسے اخلاص، سچائی، مفسدات سے اجتناب اور توبہ واستغفار وغیرہ (اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان میں شامل ہیں اور اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے)۔(۷۸)

(۲) سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

هم للكفر يؤمئذ أقرب منهم للايمان .(۷۹)

''وہ اس روز ایمان کے مقابلے میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔''

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان کے (ایمانی) حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں، کبھی وہ کفر سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور کبھی ایمان سے۔(۸۰)

(۳) سورۂ آل عمران میں ہی ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل.(۸۱)

''وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ (۸۲)

(۴) سورۂ انفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم واذا تلیت علیهم آیاته زادتهم

ایماناوعلی ربهم یتوکلون.(۸۳)

''ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ مجاہد نے اس آیت کے متعلق فرمایا، (معلوم ہوا کہ) ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ایمان قول و عمل کا نام ہے۔(۸۴)

(۵) سورۂ توبہ میں فرمایا:

واذا ما أنزلت سورة فمنهم من یقول ایکم زادته هذه ایمانا فاما الذین آمنوا فزادتهم ایمانا وهم یستبشرون.(۸۵)

''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے، سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔''

امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نزول سورت کے ذریعے ایمان اس لئے بڑھا کیونکہ ان کے یقین و ثبات میں اضافہ ہو گیا، اس نے ان کے عمل کو بھی بڑھا دیا اور عمل میں اضافہ درحقیقت ایمان میں اضافہ ہے کیونکہ ایمان عقیدہ و عمل کا ہی نام ہے۔(۸۶)

(۶) سورۃ الکہف میں ہے:

نحن نقص علیک نبأهم بالحق انهم فتیة آمنوا بربهم وزدناهم هدی . (۸۷)

''ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا تھا۔''

عبداللہ بن الحمید الاثری فرماتے ہیں یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے (اور جس چیز میں اضافہ ہوتا ہے اس میں کمی بھی ہوتی ہے)۔(۸۸)

(۷) سورۂ احزاب میں ہے:

ولما رأى المؤمنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله و رسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليما .(۸۹)

''اور ایمان والوں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (بے ساختہ) کہہ اٹھے کہ انہیں کا اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں وعدہ دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شوق اطاعت میں مزید اضافہ کردیا۔''

ابوبکر الجزائری فرماتے ہیں کہ ''ایمان اور شوق اطاعت میں اضافے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے وعدے کی تصدیق اور اس کے حکم کو (برضا ورغبت) تسلیم کرنے میں مزید بڑھ گئے۔(۹۰)

(۸) سورۂ محمد میں ارشاد ہے:

والذين اهتدوا زادهم هدى وآتاهم تقواهم .(۹۱)

''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔''

عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اتباع حق کی راہ اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت میں مزید بڑھا دیا اور اس کی بدولت ان کی ہدایت کو پختہ کردیا اور انہیں تقویٰ کی بھی توفیق سے نواز دیا۔(۹۲)

(۹) سورۃ الفتح میں ہے:

هو الذى أنزل السكينة فى قلوب المؤمنين ليزدادوا ايمانا مع ايمانهم . (۹۳)

''وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔''

شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جیسے یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان میں اضافہ ہوتا

ہے اسی طرح دیگر متعدد آیات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔(۹۴)

(۱۰) سورۂ مدثر میں ارشاد ہے:

لیستیقن الذین اوتوا الکتاب ویزداد الذین آمنوا ایمانا . (۹۵)

''تا کہ اہل کتاب یقین کرلیں اور اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوجائے۔''

ایمانی کمی بیشی احادیث کی روشنی میں

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یخرج من النار من قال لا اله الا الله وفی قلبه وزن ذرة من الایمان .(۹۶)

''جس نے کلمہ (لا الہ الا اللہ) پڑھا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ دوزخ سے نکل آئے گا۔''

اس حدیث سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ اس بات کا ذکر کہ ذرہ برابر ایمان والا بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا، اس بات کا ثبوت ہے کہ سب کے دل میں ذرہ برابر ایمان نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کا ایمان ایک جیسا نہیں بلکہ کسی میں ایمان کم اور کسی میں زیادہ ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایمان کی ستر یا (راوی کو شک ہے) ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں ،ان میں سب سے افضل کلمہ (لا الہ الا اللہ) کہنا ہے اور سب سے کم تر راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''(۹۷)

اس حدیث میں محل استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اعمال کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، اب کسی شخص میں یہ اعمال کم ہیں اور کسی میں زیادہ، پھر اسی حساب سے ان کے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطيع فبلسانه ، فان لم يستطيع فبقلبه ،

وذلک أضعف الایمان .(۹۸)

’’تم میں سے جو کوئی بھی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے، اگر اس میں اس کی طاقت بھی نہ ہو تو اسے اپنے دل میں ہی برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔‘‘

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عنقریب ایسے برے جانشینوں کا ظہور ہوگا جو اپنی کہی بات کے خلاف کام کریں گے اور جو کریں گے اس کا حکم نہیں دیں گے:

فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ

فھو مؤمن ، ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل. (۹۹)

’’جو ان سے اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے، جو ان سے اپنی زبان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے، جو ان سے اپنے دل کے ساتھ جہاد کرے گا (یعنی دل میں ہی انہیں برا سمجھے گا) وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے دل کے ساتھ بھی جہاد نہیں کرے گا اس میں رائی برابر بھی ایمان نہیں۔‘‘

یہ حدیث بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ایمان میں حسب اعمال کمی بیشی ہوتی ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو عقل و دین کے اعتبار سے ناقص قرار دیا۔ پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ عورتوں کی عقل و دین کی کمی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أما نقصان العقل فشھادۃ امراتین تعدل شھادۃ رجل ، فھذا نقصان العقل ، وتمکث اللیالی ما تصلی وتفطر فی رمضان فھذا نقصان الدین . (۱۰۰)

’’عقل کی کمی تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، یہ عقل کی کمی ہے۔ اور عورتیں (ہر ماہ ایام ماہواری کی وجہ سے) کچھ دن نماز سے رکی رہتی ہیں اور رمضان میں روزے بھی چھوڑ دیتی ہیں، یہ دین کی کمی ہے۔‘‘

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عمل میں کمی بیشی کی وجہ سے دین و ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اس حدیث پر صحیح مسلم میں بھی یہی عنوان قائم کیا گیا ہے کہ ’’طاعات میں کمی کے باعث ایمان میں

کمی ہونے کا بیان''

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔'' (۱۰۱)

صحیح قول کے مطابق اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو ان معاصی کا ارتکاب کرتا ہے وہ کامل الایمان نہیں بلکہ ناقص الایمان ہوتا ہے یعنی ان جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے اس کا ایمان کم ہو جاتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ صحیح مسلم میں اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے (**باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی**) ''معاصی کی وجہ سے ایمان میں کمی کا بیان'' (۱۰۲)

اسی طرح امام ابوداود نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''(**باب الدلیل علی زیادة الایمان و نقصانه**) اس بات کی دلیل کا بیان کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔'' (۱۰۳)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أکمل المؤمنین ایمانا أحسنهم خلقا . (۱۰۴)

''ایمان کے لحاظ سے سب سے کامل مومن وہ ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہے۔''

(۸) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من أحب لله و أبغض لله و أعطی لله و منع لله فقد استکمل الایمان. (۱۰۵)

''جس نے اللہ کے لئے محبت کی، اللہ کے لئے نفرت کی، اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے روک لیا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔''

مذکورہ بالا دونوں احادیث اور اس معنی کی وہ تمام احادیث جن میں کمال ایمان کا ذکر ہے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے کیونکہ کامل ہمیشہ وہی چیز ہوتی ہے جو پہلے ناقص ہو۔

(۹) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان باللہ کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنا اقامت صلاۃ، ادائیگی زکوۃ، صیام رمضان اور مال غنیمت میں سے خمس کی ادائیگی ایمان ہے۔(۱۰۶)

معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال ایمان کا حصہ ہیں اور جیسے ان اعمال میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اسی طرح ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

(۱۰) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

الایمان یبدأ لمظة بیضاء فی القلب ، فکلما ازداد الایمان ازدادت بیاضا حتیٰ یبیض القلب کله ، وان النفاق یبدأ لمظة سوداء فی القلب ، فکلما ازداد النفاق ازدادت حتیٰ یسود القلب کله . (۱۰۷)

''ایمان دل میں سفید نقطے کی مانند پیدا ہوتا ہے، جس قدر ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے حتی کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے۔ اور نفاق دل میں سیاہ نقطے کی مانند پیدا ہوتا ہے، جس قدر نفاق بڑھتا جاتا ہے اسی قدر دل بھی سیاہ ہوتا جاتا ہے حتی کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ **اللھم رب زدنی علما** (۱۰۸) ''اے اللہ! ہمارے ایمان میں اضافہ فرما۔'' اسی طرح حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہ کہا کرتے تھے کہ ''ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔''(۱۰۹)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''آؤ ایمان کی باتیں کر کے ایمان بڑھائیں۔''(۱۱۰)

حضرت عمیر بن حبیب خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔'' دریافت کیا گیا کہ اس کی کمی اور زیادتی کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''اللہ کا ذکر اور اس کی حمد و تسبیح بیان کرنا ایمان میں زیادتی ہے اور ان کاموں میں غفلت و سستی کرنا ایمان میں کمی ہے۔''(۱۱۱)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''جس بندے میں امانت کم ہو جائے اس کے ایمان میں کمی آجاتی ہے۔''(۱۱۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایمان میں فرائض، شرائع، حدود اور سنن شامل ہیں، جس نے انہیں پورا کیا اس نے اپنا ایمان پورا کر لیا اور جس نے انہیں پورا نہ کیا اس نے اپنا ایمان پورا نہ کیا۔''(۱۱۳)

آئمہ عظام اور علماء کرام کے اقوال وفتاویٰ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ''ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔''(۱۱۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح بخاری میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ

(باب زیادۃ الایمان ونقصانہ) ''ایمان میں کمی بیشی کا بیان''

اور اس کے تحت اس کے اثبات کے دلائل ذکر کیے ہیں۔(۱۱۵)

آپ نے ایک مقام پر یہ فرمایا ہے کہ میں نے مختلف شہروں میں ہزار کے قریب علماء سے ملاقاتیں کیں، وہ سب اس بات کے قائل تھے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔(۱۱۶)

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح مسلم میں ایک عنوان یوں قائم کیا ہے(**باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان وأن الایمان یزید وینقص......**) ''اس بات کا بیان کہ نہی عن المنکر ایمان کا حصہ ہے اور ایمان کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔'' اور پھر اس کے تحت ایمان میں کمی بیشی کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔(۱۱۷)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔(۱۱۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ایمان کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی، اس میں زیادتی اطاعت کے ذریعے اور کمی نافرمانی کے ذریعے ہوتی ہے۔(۱۱۹)

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تابعین اور ائمہ سلف میں سے (تقریباً) نوے (۹۰) حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ جو تعلیمات امت کو دے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں ان میں سے ایک تعلیم یہ ہے کہ اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور معصیت ونافرمانی کے ذریعے ایمان میں کمی ہوتی ہے۔(۱۲۰)

سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۲۱)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۱۲۲)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔(۱۲۳)

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے جتنے ائمہ کو بھی پایا وہ سب یہی کہتے تھے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے (۱۲۴)

باقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔(۱۲۵)

اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۲۶)

ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور جو اس کا قائل نہیں وہ بدعتی ہے۔(۱۲۷)

ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۲۸)

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس شخص کا قول درست ہے جس نے کہا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔(۱۲۹)

ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ائمہ سلف کا اجماع ہے کہ اطاعت کے ذریعے ایمان بڑھتا ہے اور نافرمانی کے ذریعے ایمان کم ہوتا ہے۔(۱۳۰)

حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۳۱)

اسماعیل الصابونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی موقف ہے۔(۱۳۲)

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: سلف وخلف میں سے جماعت اہل السنّت کا موقف یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔(۱۳۳)

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایمان میں کمی بھی ہوتی ہے اور زیادتی بھی کیونکہ جو چیز زیادہ ہوتی ہے وہ کم بھی ہوتی ہے۔(۱۳۵)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔(۱۳۶)

حافظ عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۳۷)

ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۳۸)

ایمان میں کمی بیشی کے اسباب

یہ دنیا بہت ہی پُرفتن ہے اور اس میں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جو ایمان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من القلوب قلب الا وله سحابة كسحابة القمر ، بينا القمر مضيئ اذ علته سحابة فأظلم اذ تجلت عنه فأضاء . (۱۳۹)

''جیسے چاند کے سامنے بادل آجاتا ہے اسی طرح ہر دل پر بھی ایک بادل آجاتا ہے۔ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ بادل کا ٹکڑا چمکدار چاند کے سامنے آکر اسے تاریک کر دیتا ہے اور جب وہ چاند کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو وہ روشن ہوجاتا ہے۔''

اسی طرح ایک دوسرا فرمان نبوی ﷺ یوں ہے:

ان الايمان ليخلق فى جوف أحدكم كما يخلق الثوب فاسئلوا الله أن يجدد الايمان فى قلوبكم . (۱۴۰)

''جیسے کپڑا میلا ہوکر کمزور ہوجاتا ہے اسی طرح تمہارے سینے میں ایمان بھی میلا ہوکر کمزور ہ جاتا ہے۔تم اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کو نیا کر دے۔''

معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بہت سے ایسے فتنے ہیں جو ایمان کو متاثر کرتے ہیں، یہی باعث ہے کہ اہل علم نے اس شخص کو سمجھدار قرار دیا ہے جو اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کے ایمان میں کوئی نقص واقع تو نہیں ہو رہا۔لہٰذا ہر صاحب ایمان کو یہ فکر ہونی چاہئے کہ وہ اپنا ایمان کیسے کامل بنا سکتا ہے اور اس کے ایمان میں کیسے اضافہ ہوسکتا ہے۔ کتاب وسنت میں ایمان میں اضافے کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

(۱) کتاب وسنت کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا۔ جسے بھی ان دونوں کاموں کی توفیق مل گئی یقیناً اسے ایمان میں اضافے کے سب سے بڑے سبب کی توفیق مل گئی۔

(۲) کتاب وسنت میں موجود اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی معرفت اور ان کے معانی ومطالب کے فہم کی حرص۔

(۳) تلاوت قرآن اوراس میں غور وفکر۔ یہ ایمان میں اضافے کا سب سے نفع مند ذریعہ ہے۔ لہٰذا جو کوئی بھی غور وفکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا ہے وہ اس میں ایسے علوم ومعارف پاتا ہے جن کے ذریعے اس کا ایمان قوی ہوجاتا ہے اور بڑھ جاتا ہے۔

(۴) رسول ﷺ کی سیرت میں غور وفکر کرنا اور جن اخلاق عالیہ، اوصاف کاملہ، خصال کریمہ اور شمائل حمیدہ پر آپ فائز تھے ان کی معرفت حاصل کرنا۔ کیونکہ جس نے بھی آپ ﷺ کی سیرت وصفات میں تامل کیا اس نے یقیناً اپنے لئے بہت سی خیر کو جمع کرلیا اور آپ ﷺ سے محبت میں اضافہ کرلیا اور یہ چیز یقیناً ایمان میں اضافے کا باعث ہے۔

(۵) محاسن میں غور وفکر کرنا۔ کیونکہ دین اسلامی سارے کا سارا محاسن پر ہی مشتمل ہے۔ اس کے عقائد دیگر تمام ادیان کے عقائد سے سچے اور درست ہیں، اس کے احکام سب سے زیادہ عمدہ اور اعتدال پرمبنی ہیں، اس کے اخلاق سب سے اکمل ہیں۔ ان اشیاء میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ایمان کو خوبصورت اور محبوب بنادیتے ہیں جس سے وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرتا ہے اور اس کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس کی مخلوقات میں غور وفکر کرنا۔ آسمان وزمین اور ان کے درمیان مختلف قسم کی عجیب وغریب مخلوقات میں غور کرنا اور بالخصوص نفس انسانی میں ہی غور کرنا یقیناً ایمان میں زیادتی کے قوی اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

(۷) بکثرت ذکرالٰہی اور دعا ومناجات میں مشغولیت۔ کیونکہ اس سے بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوجاتا ہے اور اس کے دل میں ایمان کا درخت خوب نشو ونما پاتا ہے۔

(۸) فرائض کے بعد بکثرت نوافل کی ادائیگی۔ کیونکہ یہ چیز بندے کو اپنے رب کا مقرب بنادیتی ہے۔ اسی طرح ہمیشہ کرنے کی کوشش کرنا اور تمام عبادات پر مضبوطی سے جمے رہنا بھی ایمان میں اضافے کے اسباب ہیں۔

(۹) اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے ولیوں اور سچے مومن بندوں کی صفات پیدا کرنا، ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنا، ان سے ہدایت حاصل کرنا اور ان کی مجالس میں شرکت کرنا۔ کیونکہ اس سے بندے کو پروردگار یاد آتا ہے، اس کا دل نرم ہوجاتا ہے اور ایمان بڑھ جاتا ہے۔

(۱۰) دعوت الی اللہ میں پیش پیش ہونا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا اور حق وصبر کی تلقین کرنا۔

(۱۱) کفریہ کاموں، کبیرہ گناہوں، نفاق، فسوق اور عصیان سے دور رہنا۔ کیونکہ یہ ایسے گناہ ہیں جو انسان کے دل میں ایمان کو کمزور بنا دیتے ہیں اور ان سے دور رہنا یقیناً ایمان میں اضافے کا سبب ہے۔

واضح رہے کہ ایمان میں اضافے کے مذکورہ بالا اسباب کی رعایت اور پابندی نہ کرنا ہی ایمان میں کمی کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ ان کی پابندی ہی ایمان میں اضافے کا سبب اور ان میں غفلت ایمان میں کمی کا سبب ہے۔ ذیل میں ایمان میں کمی کے مزید چند اہم اسباب ذکر کئے جا رہے ہیں:

(۱) دینی معاملات اور علوم شریعت سے جہالت (۲) دین سے اعراض اور غفلت
(۳) معاصی اور گناہوں کا ارتکاب (۴) نفس کی بری خواہشات کی پیروی
(۵) دنیا اور اس کی زیب وزینت کی طرف میلان (۶) لہو ولعب کی مجالس میں شرکت
(۷) برے لوگوں کو ساتھی بنالینا (۸) شیطانی کاموں میں رغبت وغیرہ (۱۴۱)

ایمان کی فضیلت

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الله ولی الذین آمنوا یخرجهم من الظلمات الی النور .(۱۴۲)

''ایمان والوں کا ولی اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

والله ولی المؤمنین . (۱۴۳)

''اور اللہ تعالیٰ ہی اہل ایمان کا ولی وسہارا ہے۔''

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اللہ

تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار اور معاون ہے اور ''انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔(۱۴۴)

پہلی آیت سے اہل علم نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ حق ایک ہوتا ہے اور کفر کی بہت زیادہ انواع و اقسام ہوتی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ نور کو واحد ذکر فرمایا ہے جبکہ ظلمات کو جمع ذکر فرمایا ہے۔(۱۴۵)

اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل حاصل ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

واللہ ذو فضل علی المؤمنین .(۱۴۶)

''اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑے فضل والا ہے۔''

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑے فضل والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرماتا ہے اور ان سے درگزر فرماتا ہے۔(۱۴۷)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وان اللہ لا یضیع أجر المؤمنین . (۱۴۸)

''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔''

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے اعمال کا بدلہ باطل نہیں کرتا جس نے اس کے رسول کی تصدیق کی، اس کی پیروی کی اور جو کچھ بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہے اس پر عمل کیا۔(۱۴۹)

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وسوف یؤت اللہ المؤمنین أجرا عظیما . (۱۵۰)

’’اور عنقریب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دینے کا ذمہ اٹھایا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثم ننجی رسلنا والذین آمنوا کذ لک حقا علینا ننج المؤمنین . (۱۵۱)

’’پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے، اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔‘‘

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ یہاں حق کا مطلب واجب ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر اہل ایمان کی مدد کرنا واجب کر رکھا ہے)۔(۱۵۲)

اللہ تعالیٰ اپنی نصرت خاص سے اہل ایمان کی تائید فرماتے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم أو أبناء ھم أو اخوانھم أو عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وأیدھم بروح منہ ویدخلھم جنات تجری من تحتھا الأنھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک ھزب اللہ ألا ان حزب اللہ ھم المفلحون . (۱۵۳)

’’آپ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہیں پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے (یعنی ایمان راسخ و مضبوط کر دیا ہے) اور جن کے تائید اپنی روح (یعنی نصرت خاص) سے فرمائی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں، یہ خدائی لشکر ہیں اور خبردار! یقیناً اللہ کے لشکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت میں مذکور لفظ روح سے مراد نصرت الٰہی ہے۔(۱۵۴)

٭اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو ہدایت سے نوازتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ واللہ بکل شیء علیم . (۱۵۵)

''اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ ہر مصیبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے یعنی اس کے دل کو یہ توفیق دے دیتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کرے اور اس پر راضی ہو جائے۔(۱۵٦)

اہل ایمان ہی ہدایت یافتہ اور کامیاب لوگ ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذین یؤمنون بما أنزل الیک وما أنزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون . أولئک علی ھدی من ربھم وأولئک ھم المفلحون . (۱۵۷)

''اور جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔''

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی توفیق سے نوازا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس راستے پر قائم ہیں جو انہیں فوز وفلاح کی طرف لے جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ اور افضل عمل ایمان باللہ ہے

قبیلہ خثعم کے ایک آدمی سے مروی روایت میں ہے کہ:

أحب الأعمال الى الله ايمان بالله ثم صلة الرحم ثم الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر و أبغض الأعمال الى الله الاشراک بالله ثم قطيعة الرحم . (١٥٨)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانا ہے، پھر صلہ رحمی کرنا اور پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا (پسندیدہ) ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور پھر قطع رحمی کرنا ہے۔''

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت میں ہے:

أفضل الأعمال الايمان بالله وحده ثم الجهاد ثم حجة مبرورة . (١٥٩)

''سب سے افضل عمل اکیلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، پھر جہاد اور پھر حج مبرور ہے۔''

ایک دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں:

أفضل العمل الايمان بالله وجهاد فى سبيل الله .(١٦٠)

''سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

جنت صرف اہل ایمان کے لئے ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن يعمل من الصالحات منذكر أو انثىٰ وهو مؤمن فاولئک يدخلون الجنة ولا يظلمون نقيرا . (١٦١)

''اور جو نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔''

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

يا ابن عوف اركب فرسک ثم ناد ألا ان الجنة لا تحل الا لمؤمن . (١٦٢)

''اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان کر کہ خبردار! بے شک جنت صرف

صاحب ایمان کے لیے ہی حلال ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یا بلال ! قم فأذن : لا یدخل الجنة الا مؤمن . (۱۶۳)

''اے بلال! کھڑا ہوا اور اعلان کر کہ جنت میں صرف صاحب ایمان ہی داخل ہوگا۔''

صحیح مسلم میں ایک مقام پر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے:

باب بیان أنه لا یدخل الجنة الا المؤمنون .(۱۶۴)

''اس بات کا بیان کہ جنت میں صرف اہل ایمان ہی داخل ہوں گے۔''

اوراس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

لا تدخلون الجنة حتیٰ تؤمنوا .(۱۶۵)

''تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان والے نہ بن جاؤ۔''

معلوم ہوا کہ جنت میں صرف اہل ایمان ہی داخل ہوں گے اور ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اہل ایمان میں سے بنائے۔(آمین)

اہل ایمان کی صفات

یہ صفات دنیاو آخرت کی اصلاح وفلاح اور ہمیشہ کے لیے جنت الفردوس میں داخلے کا ذریعہ ہیں۔ہم سب کو ان کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

قرآن کریم میں مذکور صفات

۱۔اپنے ایمان میں شک نہ کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المؤمنون الذین آمنوا بالله ورسوله ثم لم یرتابوا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم فی سبیل الله والئک هم الصادقون . (١٦٦)

''ایماندار صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، پھر شک وشبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں (اپنے دعوائے

ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔''

۲۔صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

أتخشونهم فالله أحق أن تخشوه ان كنتم مؤمنين . (۱٦٧)

''کیا تم ان (کافروں) سے ڈرتے ہو، پس اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

۳۔دین کو اللہ کے لئے خالص کر دینا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الا الذين تابوا وأصلحوا واعتصموا بالله وأخلصوا دينهم لله فاولئك مع المؤمنين وسوف يؤت الله المؤمنين أجرا عظيما . (١٦٨)

''ہاں جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے ہی خالص کرلیں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا۔''

٤۔اللہ کا ذکر سن کر ڈر جانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم واذا تليت عليهم آياته زادتهم ايمانا وعلى ربهم يتوكلون . الذين يقيمون الصلاة ومما رزقناهم ينفقون . اولئك هم المؤمنون حقا لهم درجات عند ربهم ومغفرة ورزق كريم .(١٦٩)

''ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا

ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی
جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ
اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم
نے ان کو دیا وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان
والے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے، مغفرت
اور عزت کی روزی ہے۔''

۵۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنا اور مومنین سے محبت رکھنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض
يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة
ويؤتون الزكاةويطيعون الله ورسوله أولئک سيرحمهم
الله ان الله عزيز حكيم . (١٧٠)**

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار) دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔''

٦۔ ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو مکمل طور پر تسلیم کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر
بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا
تسليما . (١٧١)**

''قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ
تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے

آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''

۷۔ ہر چیز پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ورضا کو ترجیح دینا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما كان قول المؤمنين اذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا وأولئك هم المفلحون . (۱۷۲)

''ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

ایک دوسرا فرمان یوں ہے:

يحلفون بالله لكم ليرضوكم والله ورسوله أحق أن يرضوه ان كانوا مؤمنين . (۱۷۳)

''(منافقین) محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ ایمان والے ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق تھے کہ انہیں راضی کیا جائے۔''

۸۔ اختلاف ونزاع کے وقت ہر بات اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يايها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الامر منكم فان تنازعتم فى شىء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تاويلا. (۱۷۴)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، رسول ﷺ کی

اطاعت کرواور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کروتو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت ہی اچھا ہے۔''

۹۔غریبوں پر خرچ کرنا،عہد کی پاسداری کرنا اور سختی میں صبر کرنا وغیرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لیس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبيين وآتى المال على حبه ذوى القربىٰ واليتامىٰ والمساكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب وأقام الصلاة وآتى الزكاة والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرين فى الباساء والضراء وحين الباس اولئک الذين صدقوا والئک هم المتقون . (۱۷۵)

''ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابتداروں م یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ ادا کرے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، تنگدستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔''

۱۰۔توبہ واستغفار کرنا،عبادت کرنا اور حدود الٰہی کی پابندی کرنا وغیرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن ا لمنكر

والحافظون لحدود الله وبشر المؤمنين . (١٧٦)

''وہ ایسے لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے (یا راہ حق میں سفر کرنے والے)، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے ایمان والوں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔''

۱۱۔حدود الٰہی کے نفاذ میں نرمی کا مظاہرہ نہ کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذكم بهما رافة في دين الله ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر . (١٧٧)

''زنا کار مرد و عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہئے، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو۔''

۱۲۔اللہ تعالیٰ سے دین کی تائید و حمایت کا کیا ہوا وعدہ پورا کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا . (١٧٨)

''مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقعہ کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

۱۳۔دوسرے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المؤمنون اخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون . (۱۷۹)

''(یادرکھو!) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرواوراللہ سے ڈرتے رہوتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

۱۴۔کبیرہ گناہوں سے بچنااوراللہ کے عذاب سے ہمیشہ خائف رہناوغیرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وعبادالرحمن الذين يمشون على الارض هونا واذاخاطبهم الجاهلون قالوا سلاما ٥ والذين يبيتون لربهم سجدا وقياما٥ والذين يقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم ان عذابها كان غراما....مستقرا و مقاما٥(۱۸۰)

''رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں سلام ہے اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کا عذاب پھیر دے کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔اور جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ نے منع کر دیا ہو وہ سوائے حق کے قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔۔۔ اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر سے ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے اور یہ دعا

کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں، ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند و بالا خانے دیئے جائیں گے جہاں انہیں دعا سلام پہنچایا جائے گا یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے''

حدیث نبوی میں مذکورہ صفات

۱۔ نبی کریم ﷺ سے کائنات کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرنا

فرمان نبوی ﷺ ہے:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیھمن والدہ وولدہ والناس اجمعین. (۱۸۱)

''کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں''

۲۔ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرنا جو اپنی ذات کے لئے پسند ہے

فرمان نبوی ﷺ ہے:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ(۱۸۲)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۳۔ ہمیشہ ابتلاء و آزمائش کا شکار رہنا

فرمان نبوی ﷺ ہے:

ما یزال البلاء بالمومن والمومنۃفی نفسہ وولد ہ مالہ حتی یلقی اللہ وما علیہ خطیئۃ . (۱۸۳)

''مومن مرد اور مومن عورت ہمیشہ اپنی جان، مال اور اولاد میں آزمائش کا شکار رہتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتے ہیں اور ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

صحابہ کرام اور ائمہ کے چند اقوال

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ایمان والے شخص میں ہر قسم کی خصلت پائی جا سکتی ہے مگر خیانت اور جھوٹ نہیں پایا جا سکتا۔''(۱۸۴)

(۲) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ایمان والا شخص چار حالتوں میں رہتا ہے۔ اگر اسے آزمائش پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، اگر اسے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اگر بات کرتا ہے تو سچ بولتا ہے اور اگر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔''(۱۸۵)

(۳) حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے کہ

''مومن آدمی میں رجاء وخوف دونوں چیزیں موجود رہتی ہیں۔''(۱۸۶)

(۴) قاضی فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:

''مومن آدمی باتیں کم اور کام زیادہ کرتا ہے جبکہ منافق باتیں زیادہ اور کام کم کرتا ہے۔''(۱۸۷)

(۵) امام مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ:

''مومن کی مثال اس موتی کی طرح ہے جو جہاں بھی ہو اس کا حسن اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔''(۱۸۸)

(۶) شفیق بن ابراہیم بلخی نے فرمایا ہے کہ:

''مومن اور منافق دونوں دو، دو خصلتوں میں مشغول رہتے ہیں، مومن غور و فکر اور عبرت حاصل کرنے میں اور منافق حرص ولالچ اور لمبی امید میں۔''(۱۸۹)

ایمان سے متعلق بنیادی امور کے حوالے سے بحث کے بعد میں یہ واضح کروں گا کہ اہل ایما

ن کے جو فضائل وصفات بیان ہوئے ہیں ان میں سے اکثر نبی کریم ﷺ کے والد محترم اور آپ ﷺ کی آباء اجداد میں موجود تھے۔

فصل دوم

عرب معاشرے میں ایمان کی حالت

دوسری فصل

عرب معاشرے میں ایمان کی حالت

قبل از اسلام عرب میں تین قسم کے لوگ آباد تھے۔ ویسے تو جس زمانے میں کوئی نبی موجود نہ ہوا سے ''دورفترت'' کہتے ہیں۔(۱) اس دور کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی شخص کفر و شرک، بت پرستی اور خلاف توحید، عقائد و اعمال سے مجتنب رہے تو وہ ناجی اور عنداللہ مقبول ہوتا ہے۔(۲) ایسے بندے کو دین کے تفصیلی احکام پر عمل پیرا ہونا لازم نہیں کیونکہ اس وقت اللہ کا نبی موجود نہیں ہوتا جو انہیں احکام بتائے ، ایسے لوگوں کا توحید باری کا قائل ہو جانا ہی کافی ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں، تلاش حق میں کوشاں رہیں، اور جو کام اچھا سمجھیں کرتے رہیں، یہی کچھ ان کے لئے سامان نجات ہو جاتا ہے۔(۳)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں: جو بھی بندہ ایسے دور میں ہو وہ کافر ہے یہ ایک غلط اور گمراہ کن تصور ہے۔ کیونکہ دور جاہلیت میں ایسے افراد بھی تھے جو سچے دین کی تلاش میں تھے اور بت پرست قوم میں رہتے ہوئے بھی جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم و رواج سے کلی طور پر مجتنب تھے، ان چیدہ چیدہ شخصیات میں ورقہ بن نوفل، قس بن ساعدہ الایادی اور زید بن عمرو بن نفیل کے نام قابل ذکر ہیں جو جاہلی حرکات سے بیزار اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ننگی تلوار تھے۔(۴)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ولا یظن بکل من کان فی الجاهلیه انه کافر علی العموم فقد تحنف فیها جماعة. (۵)

''یہ گمان نہ کیا جائے کہ دور جاہلیت کا ہر آدمی کافر تھا کیونکہ اس میں کچھ لوگ رو ہ حق پر بھی تھے۔''

عرب معاشرے میں تین قسموں کے لوگ آباد تھے

پہلے وہ جوتو حید پر قائم تھے اللہ تعالی کوایک مانتے تھے،اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھراتے تھے۔

وہاں عرب میں جناب ورقہ بن نوفل،قس بن ساعدہ اورزید بن عمرو بن نفیل جیسے اوران میں سے کچھ وہ بھی آباد تھے جو شریعت حقہ جس کے نشانات قائم ہوتے تھے، میں داخل ہو گئے تھے جیسے جناب تبع اوران کی قوم ۔ان کے علاوہ بعض ایسے بھی تھے جو شریعت میں داخل نہیں ہوئے ۔ بلکہ تو حید کی طلب اور اللہ کی بندگی کرتے رہے اور نبی ﷺ کے ظہور کا انتظار کرتے رہے جیسے قس بن ساعدہ ایادی ، اہل جاہلیت میں سے بعثت انبیاء پر ایمان لایا، تین سواسی سال زندہ رہا بہت سے اہل علم نے لکھا ہے کہ چھ سو سال زندہ رہا۔خطیب، دانا، عقلمند اور صاحب علم وفضل تھا۔(٦)

ابونعیم نے ''الدلائل'' میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ۔قس بن ساعدہ، عکاظ کے بازار میں اپنی قوم سے خطاب کرتا تھا، وہ اپنے ایک خطبہ میں کہتا ہے:

''عنقریب اس طرف سے حق معلوم ہوگا'' اپنے ہاتھ سے مکہ کی طرف اشارہ کیا۔لوگوں نے کہا یہ حق کیا ہے؟ کہا لوی بن غالب کی اولاد میں سے ایک شخص تم کو کلمہ اخلاص کی طرف دعوت دے گا۔ اگر تم کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا اور اگر مجھے معلوم ہو کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو اس کی طرف سے سب سے پہلے لپکنے والا میں ہوں گا۔(٧)

ازدی وغیرہ کی سندوں کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ قس پر رحم فرمائے گویا میں اس کو نیل گوں اونٹ پر میٹھی میٹھی باتیں کرتا دیکھ رہا ہوں، جو یاد نہیں رہیں۔ (٨)

عرب میں ''زید بن عمرو بن نفیل'' جیسے لوگ بھی تھے زید سعید بن زید کے والد تھے۔انھوں نے توحید کا دامن تھاما، بت پرستی ترک کی اور شرک سے کنارہ کش رہے اور بعثت سے پہلے فوت ہوئے۔(٩)

طبرانی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ اُن کو بخشے اور اُن پر رحم فرمائے۔ بے شک وہ دین ابراہیم علیہ السلام پر فوت ہوئے ہیں۔(۱۰)

یونہی عامر بن الظرب العدوانی، قیس بن عاصم تمیمی، صفوان بن ابی امیہ الکنانی، زہیر بن ابی سلمٰی بھی جیسے لوگ بھی عرب میں بستے تھے پس کوئی حیرانگی کی بات نہیں کہ رحمت عالم ﷺ کیا آباء اجداد بھی اسی زمرہ میں شامل ہوں بلکہ وہ بطریق اولیٰ اس گروہ میں شامل تھے۔(۱۱)

قبل از اسلام عرب میں مقیم دوسرے وہ جو شرک میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا کے ساتھ ساتھ ان کے کئی خدا تھے۔ انھوں نے اصل دین تبدیل کر دیا، شرک اختیار کیا اور توحید کا انکار کر دیا اور اپنے لیے کفر، شرک اور معصیت کی راہ متعین کر لی، حرام کو حلال بھی کرتے رہے اور حلال کو حرام بھی کرتے رہے جیسے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر (پہلا شخص جس نے عرب میں بت پرستی شروع کی) طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے دین ابراہیم علیہ السلام کو بدلا عمرو بن لحی تھا۔(۱۲)

ابن اسحاق نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ عمرو بن لحی شام میں گیا اس زمانہ میں وہاں عمالقہ بستے تھے جو بت پرست تھے اُس نے اُن سے ایک بت مانگا اور اس بت کو لا کر کعبہ میں نصب کر دیا، اُس بت کا نام ہبل تھا۔(۱۳)

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے اپنی طرف سے کئی احکام شروع کر دیئے، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے نام سے جانوروں کو بتوں کے نام موسوم کر دیا اور انھوں نے ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کا گوشت چمڑہ وغیرہ کے کھانے اور استعمال کرنے کو حرام قرار دیا۔ عرب میں ایسے گمراہ لوگ بھی تھے جو نہ مشرک تھے نہ موحد نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل تھے بلکہ انھوں نے اپنی طویل عمریں ان تمام باتوں سے غفلت میں گزار دیں یہ تمام لوگ حالت کفر میں مرے کیونکہ وہ اس روش سے نافرمانی کی تمام حدیں پھلانگ گئے، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تمام لوگوں کو کفار و مشرکین قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ان کی بدعات کا ردو انکار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ما جعل الله من بحيرة (۱۴) اللہ نے کوئی بحیرہ وغیرہ نہیں بنایا۔

پھر فرمایا **لكن الذين كفروا** (بلکہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) اور ان میں اکثر

عقل سے کورے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے باپ دادے کی اندھی تقلید میں یہ سب کچھ کیا۔(۱۵)

عرب میں تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں تک دعوت حق پہنچی ہی نہ تھی۔(۱۶)اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن تک دعوت حق پہنچی ہی نہیں، انہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم بھی شامل ہیں کیونکہ ان کا دور متاخر تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) لسان العرب مادہ (ا۔م۔ن)، ابن منظور افریقی
(۲) المفردات لالفاظ القرآن ، امام راغب اصفہانی، ص۲۵، ۲۶
(۳) قریش:۴
(۴) النساء:۸۳
(۵) المعارج:۸۳
(۶) التوبہ:۶
(۷) الانعام:۸۲
(۸) البقرۃ:۱۳۶
(۹) البقرۃ۷۵
(۱۰) یوسف:۱۷
(۱۱) الصحاح ، امام حماد بن اسماعیل الجوهری ۲۰۷۱/۵ ،
القاموس المحیط للفیروز آبادی ص: ۱۵۱۸ ،
لسان العرب ، علامه ابن منظور الافریقی ، ۲۱/۱۳ . ۲۷ ،
مختار الصحاح ، الرازی ص : ۱۸ ،
مفردات القرآن امام راغب اصفہانی، ص:۹۰،
النهاية فی غریب الحدیث ، ابن الاثیر ، ۶۹/۱ ،
حقیقت ایمان، ص:۳۳۔۳۴
(۱۲) فتح الباری ، امام ابن حجر عسقلانی: ۶۰/۱
(۱۳) الانبیاء:۲۵
(۱۴) الحجر:۳۶

(۱۵) الایمان حقیقته ، خوارمه ، نواقضه عند أهل السنة والجماعة ، ص : ۱۰ ،
كتاب اصول الایمان فی ضوء الكتاب والسنة ، ۱/۳۴۰
(۱۶) الایمان حقیقته ، خوارمه ، نواقضه عند أهل السنة والجماعة ، ص : ۱۱
۱۴ ، كتاب اصول الایمان فی ضوء الكتاب والسنة ، ۱/۳۴۰ .
(۱۷) اصول الایمان فی ضوء الكتاب والسنة ، ص:۳۴۷
(۱۸) الحجرات:۱۴
(۱۹) الاحزاب:۳۵
(۲۰) الجامع الصحیح ، امام مسلم ، كتاب الایمان : باب بیان الایمان و الاسلام والاحسان ،رقم الحدیث ۸ ،
الجامع الصحیح ، امام بخاری، كتاب الایمان : باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان ، رقم الحدیث،۵۰ ، السنن ، امام أبو داود ، كتاب السنة : باب فی القدر ،رقم الحدیث:۴۶۹۵، الجامع الصحیح ، امام محمد بن عیسیٰ ترمذی ،كتاب الایمان : باب ما جاء فی وصف جبریل للنبی الایمان والاسلام ،رقم الحدیث:۲۶۱۰ ، مسند احمد ، رقم الحدیث:۱۸۴
(۲۱) الجامع الصحیح ، امام محمد بن اسماعیل البخاری كتاب الایمان : باب اطعام الطعام من الاسلام ، رقم الحدیث: ۱۲ ، الجامع الصحیح ، امام مسلم ، كتاب الایمان :باب بیان تفاضل الاسلام و أی أموره أفضل ،رقم الحدیث: ۳۹ ، مسند امام احمد بن حنبل ، رقم الحدیث: ۶۵۹۲،السنن ، امام نسائی ، رقم الحدیث:۵۰۱۵، شرح صحیح مسلم ،علامہ غلام رسول سعیدی ۱/۱۳۴
(۲۲) آل عمران:۱۹
(۲۳) المائدۃ:۳
(۲۴) آل عمران:۲۴

(۲۵)الذاریات:۳۵ ، ۳٦

(۲٦)المائدۃ:۵

(۲۷)الحدید:۷ ، ۸

(۲۸)الحجرات:۱۵

(۲۹)المائدۃ:۵۵

(۳۰)النمل:۳

(۳۱) الجامع الصحیح ، امام مسلم ، کتاب الایمان : باب بیان عدد شعب الایمان وأفضلها وأدناها رقم الحدیث:۳۵

(۳۲) الجامع الصحیح،امام بخاری،کتاب الایمان : باب أداء الخمس من الایمان ،رقم الحدیث:۵۳ السنن ، امام نسائی ، رقم الحدیث: ۵۰۳۱

(۳۳) مجموع الفتاوی لابن تیمیة ،۷/۶۴۴

(۳۴) جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی ،۱/۲۱۰

(۳۵) ایضاً

(۳٦) الانصاف ، امام باقلانی، ۱/۱۹

(۳۷) اعتقاد أهل السنة شرح اصحاب الحدیث ،ص:۸۴ ،

الایمان حقیقته ، خوارمه . نواقضه ، عند اهل السنة والجماعة ، ص ۴۴

(۳۸) رسالة فی أسس العقیدة ،۱/۱۲۴

(۳۹) حقیقة الایمان،ص:۱۲

(۴۰) اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنة ص:۳۴۷

(۴۱) المائدۃ:۵۵

(۴۲) النمل:۱ ، ۲ ، ۳

(۴۳) الانفال:۲

(۴۴) النور:۶۲

(۴۵) الحجرات:۱۵

(۴۶) البقرة:۹۱

(۴۷) التوبہ:۴۴ ، ۴۵

(۴۸) المجادلہ:۲۲

(۴۹) المائدة: ۸۱

(۵۰) الجامع الصحيح ، امام بخاری کتاب الایمان :باب أداء الخمس من الايمان،رقم الحديث:۵۳السنن ، امام نسائی ، کتاب الایمان : باب أداء الخمس ، رقم الحديث: ۵۰۳۱،صحيح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۱۰

(۵۱) الجامع الصحيح ، امام مسلم ، کتاب الایمان : باب بيان عدد شعب الايمان وأفضلها وأدناها ، رقم الحديث:۳۵ ،

بخاری ،کتاب الایمان : باب ما جاء فی استکمال الایمان وزيادته ونقصانه ، رقم الحديث: ۹،

السنن ، امام نسائی ، رقم الحديث: ۵۰۱۹،

السنن ، ابن ماجه ، رقم الحديث:۵۷

(۵۲) الجامع الصحيح ، امام مسلم ، کتاب الایمان باب بيان نقصان الايمان بالمعاصی،رقم الحديث:۵۷ ،

الجامع الصحيح،امام بخاری،کتاب المظالم:باب النهبى بغير اذن صاحبه،رقم الحديث:۲۴۷۵،

السنن ،ابو داود ، کتاب السنة : باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه ،رقم الحديث: ۴۶۸۹،

الجامع ، ترمذی،کتاب الایمان :باب ما جاء لا يزنى الزانى وهو مومن ،

رقم الحديث: ۲۲۲۵،

السنن ، امام نسائی ، رقم الحديث: ۴۸۸۵، ابن ماجه ، رقم الحديث: ۳۹۳۶

السنن ، دارمی ، رقم الحديث: ۱۹۹۴

(۵۳) الجامع الصحيح ، امام بخاری ،كتاب الايمان : باب حب الرسول من الايمان ،رقم الحديث: ۱۵

الجامع الصحيح ، امام مسلم ، كتاب الايمان : باب وجوب محبة الرسول ﷺ أكثر من ......، رقم الحديث: ۴۴ ، مسند احمد رقم الحديث: ۱۲۸۱۴ ،سنن دارمی ، رقم الحديث: ۲۷۴۱

السنن ، امام نسائی ، رقم الحديث: ۵۰۲۸ ، السنن ، امام ابن ماجه ، رقم الحديث: ۶۷

(۵۴) الجامع الصحيح ، امام بخاری ، كتاب الايمان : باب من الايمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه،رقم الحديث: ۱۳ الجامع الصحيح ، امام مسلم ،كتاب الايمان : باب الدليل على أن من خصال الايمان ......، رقم الحديث: ۴۵ جامع ترمذی، رقم الحديث: ۲۵۱۵ ، سنن ، نسائی رقم الحديث: ۵۰۳۱، السنن ، ابن ماجه ، رقم الحديث: ۶۶ ،السنن ، دارمی ، رقم الحديث: ۲۷۴۰

(۵۵) الجامع الصحيح ، امام محمد بن اسماعيل بخاری ، كتاب الأدب : باب اثم من لا يأمن جاره بوائقه ،رقم الحديث: ۶۰۱۶ ، مسند احمد ، رقم الحديث: ۸۸۶۴ ،الجامع الصحيح ،امام مسلم ، كتاب الايمان : باب بيان تحريم ايذاء الجار ،رقم الحديث: ۴۶،المستدرک ، امام حاکم ۱ /۲۱ ، شرح السنة ، امام بغوی ، ۳۴۸۹

(۵۶) الجامع الصحيح ، امام مسلم ،كتاب الايمان:باب بيان أن يدخل الجنة الا المومنون،رقم الحديث: ۵۴ الادب المفرد ، امام بخاری ، رقم الحديث: ۲۶۰ ، مسند احمد ،رقم الحديث: ۵۹۰۹، ابن أبی شيبة ،۸/۶۲۴،

السنن ، امام ابو داود، رقم الحدیث:۲۱۹۳،جامع ترمذی ،امام ترمذی، رقم الحدیث:۲۶۸۸،السنن ، ابن ماجه ، رقم الحدیث:۶۸

(۵۷) الجامع الصحیح ، امام مسلم ،کتاب الایمان : باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا ، رقم الحدیث: ۱۰۱ ، مسند احمد ، رقم الحدیث:۸۳۶۷، ابن ماجه ، رقم الحدیث:۲۵۷۵

(۵۸) الجامع الصحیح ، امام بخاری ، کتاب الایمان ، رقم الحدیث : ۸

(۵۹) اقتضاء العلم والعمل ، خطیب بغدادی، ص: ۵۶

(۶۰) الزمر:۳۳

(۶۱) الحجرات:۱۵

(۶۲) الجامع الصحیح ، امام مسلم ، کتاب الایمان : باب کون النهی عن المنکر من الایمان ، رقم الحدیث : ۵۰، مسند احمد ۴۳۷۹

(۶۳) *واضح رہے کہ کلمہ شہادتین کی محض لفظی ادائیگی کافی نہیں بلکہ یہ کلمہ تب ہی معتبر ہوگا جب انسان اس کے معنی ومفہوم سے بھی واقف ہواور اس کے تقاضے پورے کرنے کا بھی عہد کرے خواہ وہ یہ عہد واقرار کسی بھی زبان میں کرے۔*

(۶۴) القصص:۵۳

(۶۵) الشوریٰ:۵۱

(۶۶) الاحقاف:۱۳

(۶۷) الجامع الصحیح ، امام بخاری ، کتاب الایمان : باب قوله فان تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزکاة، رقم الحدیث:۲۵ ، الجامع الصحیح ، امام مسلم ، کتاب الایمان : باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الاالله محمد رسول الله ، رقم الحدیث:۲۲

(۶۸) الدھر: ۹

(۶۹) الانعام:۵۲

(۷۰) الانفال:۹

(۷۱) الجامع الصحیح ، امام بخاری ، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث: ۱

(۷۲) صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث: ۴۹۸۴ ، صحیح ابو داود ، کتاب الادب : باب فی الغیبة ، رقم الحدیث: ۴۸۸۰

(۷۳) الاحزاب:۴۱

(۷۴) فاطر:۲۹

(۷۵) الحج:۷۷ ، ۷۸

(۷۶) الفرقان:۶۳ ، ۶۴

(۷۷) النساء:۱۳۶

(۷۸) تفسیر السعدی ۲۰۹/۱

(۷۹) آل عمران:۱۶۷

(۸۰) تفسیر ابن کثیر ۱۵۸/۲

(۸۱) آل عمران:۱۷۳

(۸۲) تفسیر فتح القدیر ۵۰/۲

(۸۳) الانفال:۲

(۸۴) الدر المنثور ۴۱۱/۴

(۸۵) التوبہ:۱۲۴

(۸۶) تفسیر الکشاف ۴۸۹/۲

(۸۷) الکہف:۱۳

(۸۸) الایمان حقیقته ، خوارمه ، نواقضه عند اهل السنة ۲۲/۱

(۸۹) الاحزاب:۲۲

(۹۰) أيسر التفاسير ۲۸۰/۳

(۹۱) محمد:۱۷

(۹۲) التفسير الميسر ۱۷۷/۹

(۹۳) الفتح:۴

(۹۴) أيسر التفاسير ۲۸۰/۳

(۹۵) المدثر:۳۱

(۹۶)الجامع الصحيح ، امام بخارى ،كتاب الايمان : باب زيادة الايمان و نقصانه ، رقم الحديث:۴۴ ،مسلم ، رقم الحديث:۱۹۳ كتاب الايمان :باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها ، ترمذى ، رقم الحديث:۲۵۹۳ ، ابن ماجه، رقم الحديث:۴۳۱۲

(۹۷) الجامع الصحيح ،امام مسلم،كتاب الايمان : باب بيان عدد شعب الايمان وأفضلها وأدناها، رقم الحديث: ۳۵ ،الجامع الصحيح ، امام بخارى، كتاب الايمان : باب أمور الايمان ، رقم الحديث: ۹ ،ابو داود، كتاب السنة : باب فى رد الارجاء ، رقم الحديث: ۴۶۷۶ ، ترمذى ،كتاب الايمان باب ما جاء فى استكمال الايمان وزيادته ونقصانه،رقم الحديث:۲۶۱۴، نسائى ، رقم الحديث: ۵۰۱۹ ابن ماجه، رقم الحديث: ۵۷ ،صحيح ابن حبان ، امير علاؤ الدين على بن بلبان الفارسى ، ۱۶۷

(۹۸) الجامع الصحيح ، امام مسلم ، كتاب الايمان : باب كون النهى عن المنكر من الايمان ،رقم الحديث: ۴۹ ، ابو داود ،كتاب الصلاة : باب الخطبة يوم العيد ، رقم الحديث: ۱۱۴۰ ،ترمذى ، رقم الحديث:۲۱۷۲ كتاب الفتن:باب ما جاء فى تغيير المنكر باليد ، نسائى ۵۰۲۳ وفى السنن الكبرى ، رقم الحديث: ۱۱۷۳۹ ،ابن ماجه ، رقم الحديث:۱۲۷۵ ،صحيح ابن حبان ،

امیر علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی ، ۳۰۶

(۹۹)الجامع الصحیح ، امام مسلم ، رقم الحدیث: ۵۰ کتاب الایمان : باب کون النهی عن المنکر من الایمان ، مسند احمد ، رقم الحدیث: ۴۳۷۹

(۱۰۰) الجامع الصحیح ، امام مسلم ،کتاب الایمان : باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات ، رقم الحدیث: ۷۹ ابو داود ، رقم الحدیث: ۴۶۷۹ کتاب السنة : باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه ، ابن ماجه ، رقم الحدیث: ۴۰۰۳ کتاب الفتن : باب فتنة النساء ، مسند احمد ، رقم الحدیث: ۵۳۴۳ بیهقی ،۱۴۸/۱۰ ،طحاوی ، ۲۷۲۷

(۱۰۱) الجامع الصحیح ، امام مسلم ، رقم الحدیث:۵۷ کتاب الایمان : باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی الجامع الصحیح ، امام بخاری ، رقم الحدیث: ۲۴۷۵ کتاب المظالم : باب النهبی بغیر اذن صاحبه ، ابو داود، رقم الحدیث: ۴۶۸۹ کتاب السنة : باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه ، ترمذی ، رقم الحدیث: ۲۶۲۵ کتاب الایمان : باب ما جاء لا یزنی الزانی وهو مؤمن ، نسائی ، رقم الحدیث: ۴۸۸۵ ابن ماجه ، رقم الحدیث: ۳۹۳۶ دارمی ، رقم الحدیث: ۱۹۹۴

(۱۰۲) الجامع الصحیح ، امام مسلم ، رقم الحدیث:۵۷ کتاب الایمان : باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی

(۱۰۳) ابو داود، رقم الحدیث: ۴۶۸۹ کتاب السنة : باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه ،

(۱۰۴) صحیح : صحیح الجامع الصغیر ، رقم الحدیث: ۱۲۳۰ ،ابو داود ، رقم الحدیث: ۴۶۸۲ کتاب السنة : باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه ،

ترمذی ، رقم الحدیث: ۱۱۶۲ کتاب الرضاع : باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها

(۱۰۵) صحیح : صحیح الجامع الصغیر ، رقم الحدیث:٥٩٥٦ ،ابو داود ، رقم الحدیث: ۴۶۸۱ کتاب السنة : باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه ، المشکاة ، رقم الحدیث: ۳۰

صحیح الترغیب والترهیب ۳۰۲۹ کتاب الادب : باب الترغیب فی الحب فی الله

(۱۰۶) الجامع الصحیح ، امام بخاری ، رقم الحدیث:۵۳ کتاب الایمان : باب أداء الخمس من الایمان ، نسائی، رقم الحدیث: ۵۰۳۱

(۱۰۷) الایمان لابن أبی شیبة ص:۸ ، المصنف ، امام عبد الرزاق ، رقم الحدیث:۱۵۹/۶

(۱۰۸) طٰہٰ:۶۳

(۱۰۹) شرح رسالة کتاب الایمان للابی عبید ص:۵

(۱۱۰) ایضاً

(۱۱۱) ایضاً

(۱۱۲) الجامع الصحیح ، امام بخاری رقم الحدیث :۸ کتاب الایمان

(۱۱۳) ایضاً ، رقم الحدیث:۸

(۱۱۴) ایضاً ، رقم الحدیث:۴۴

(۱۱۵) فتح الباری لابن حجر ۱/۴۷

(۱۱۶) ایضاً

(۱۱۷) الجامع الصحیح ، امام مسلم قبل الحدیث: ۴۹ کتاب الایمان

(۱۱۸) حلیة الاولیاء للأصفهانی ۱۱۵/۹

(۱۱۹) ایضاً

(۱۲۰) طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلی ۱۳۰/۱

(۱۲۱) ایضاً
(۱۲۲) سير أعلام النبلاء ۸/۲٦۸
(۱۲۳) ایضاً
(۱۲۴) ایضاً
(۱۲۵) ایضاً
(۱۲٦) ایضاً
(۱۲۷) طبقات الحنابلة لابن رجب حنبلى ۱/۲۰۳
(۱۲۸) طبقات الحنابلة لابن رجب حنبلى ۱/۲۸٦
(۱۲۹) صريح السنة للامام ابن جرير الطبرى ، بتحقيق بدر بن يوسف المعتوق ص:۲۵
(۱۳۰) رسالة الى أهل الثغر للأشعرى ، بتحقيق عبدالله بن شاكر الجندى ص:۲۷۲
(۱۳۱) كتاب الايمان لابن مندة ۲/۱۳۴
(۱۳۲) ایضاً
(۱۳۳) شرح مسلم ۲/۷
(۱۳۴) شرح صحيح البخارى لابن بطال ۱/۵٦
(۱۳۵) الاعتقاد للامام البيهقى ص:۱۱۵
(۱۳٦) التمهيد لابن عبد البر ۹/۲۳۸
(۱۳۷) الاقتصاد فى الاعتقاد للمقدسى ، بتحقيق احمد الغامدى ص:۱۸۲
(۱۳۸) تفسیر ابن کثیر حاشیہ تحت سورۃ الانفال
(۱۳۹) صحيح الجامع الصغير ، رقم الحديث : ۵٦۸۲
(۱۴۰) ایضاً

(۱۴۱) دیکھیے الایمان ، حقیقته ، خوارمه ، نواقضه ۱/۲۳

(۱۴۲) البقرة : ۲۵۷

(۱۴۳) آل عمران : ۶۸

(۱۴۴) تفسیر طبری ، ۵/۴۲۴

(۱۴۵) تفسیر ابن کثیر ، ۱/۶۸۵

(۱۴۶) آل عمران : ۱۵۲

(۱۴۷) تفسیر الجلالین ، ۴۴۴

(۱۴۸) آل عمران:۱۸۱

(۱۴۹) تفسیر طبری ، ۷/۳۹۸

(۱۵۰) النساء : ۱۴۶

(۱۵۱) یونس: ۱۰۳

(۱۵۲) معالم التنزیل ۴/۱۵۴

(۱۵۳) المجادله: ۲۲

(۱۵۴) تفسیر طبری ، ۱۵/۲۱۸

(۱۵۵) التغابن : ۱۱

(۱۵۶) تفسیر طبری ، ۲۳/۴۲۱

(۱۵۷) البقرة : ۴ ، ۵

(۱۵۸) صحیح الجامع الصغیر رقم الحدیث ۱۶۲

(۱۵۹) ایضاً رقم الحدیث ۱۰۹۲

(۱۶۰) ایضاً رقم الحدیث ۱۱۲۴

(۱۶۱) النساء : ۱۲۴

(۱۶۲) الجامع الصغیر ، رقم الحدیث ۷۸۴۰

(١٦٣) الجامع الصحيح ، امام بخارى ، كتاب المغازى ، باب غزوة خيبر ، رقم الحديث ٤٢٠٣ ، الجامع الصحيح ، امام مسلم ، كتاب الايمان غلظ تحريم الغلول و أنه لا يدخل الجنة الا المؤمنون رقم الحديث : ١١٤ ،ترمذى ، رقم الحديث : ١٥٧٤ ، مسند امام أحمد رقم الحديث : ٢٠٣

(١٦٤) الجامع الصحيح ، امام مسلم ، كتاب الايمان و أنه لا يدخل الجنة الا المؤمنون رقم الحديث: ٥٤

(١٦٥) الجامع الصحيح ، امام مسلم ، كتاب الايمان و أنه لا يدخل الجنة الا المؤمنون رقم الحديث: ٥٤ ، الأدب المفرد ، امام بخارى ، رقم الحديث : ٢٦٠، ترمذى ، رقم الحديث : ٢٦٨٨، أبو داؤد ، رقم الحديث : ٥١٩٣، ابن ماجه،رقم الحديث : ٦٨

(١٦٦) الحجرات:١٥

(١٦٧) التوبہ:١٣

(١٦٨) النساء:١٣٦

(١٦٩) انفال:٢ ، ٣ ، ٤

(١٧٠) التوبہ:٧١

(١٧١) النساء : ٦٥

(١٧٢) النور: ٥١

(١٧٣) التوبه: ٦٢

(١٧٤) النساء : ٥٩

(١٧٥) البقرة : ١٧٧

(١٧٦) التوبه:١١٢

(١٧٧) النور:٢

(۱۷۸) الاحزاب :۲۳

(۱۷۹) الحجرات:۱۰

(۱۸۰) الفرقان: ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶

(۱۸۱) الجامع الصحیح ، امام بخاری ، کتاب الایمان : باب حب الرسول من الایمان، رقم الحدیث: ۱۵ ، الجامع الصحیح ، امام مسلم ، کتاب الایمان: باب وجوب محبۃ رسول اللہ أکثر من الأھل والولد والوالد ، رقم الحدیث : ۴۴

(۱۸۲) الجامع الصحیح ،امام بخاری،کتاب الایمان : باب أن یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ ، رقم الحدیث:۱۳ ، الجامع الصحیح ، امام مسلم ، کتاب الایمان: باب وجوب محبۃ رسول اللہ أکثر من الأھل والولد والوالد ، رقم الحدیث : ۴۵

(۱۸۳) الجامع الصحیح،امام ترمذی،کتاب الزھد:باب ما جاء فی الصبر علی البلاء ، رقم الحدیث: ۲۳۹۹، صحیح الجامع الصغیر ، ۵۸۱۵

(۱۸۴) ایضاً

(۱۸۵) حلیۃ الأولیاء ، أبو نعیم الاصفھانی ۱/ ۲۵۵

(۱۸۶) مسند امام احمد ، کتاب الزھد ، ۲/۲۳۸

(۱۸۷) حلیۃ الأولیاء ، أبو نعیم الاصفھانی ۸/ ۹۸

(۱۸۸) ایضاً ۲/۲۳۷

(۱۸۹) ایضاً ۸/۱۷

فصل دوم

عرب کے معاشرے میں ایمان کی حالت

(۱) الروض الانف، سہیلی:۱/۱۱۳

(۲) مواہب اللدنیہ ، امام قسطلانی:۱/۳۳ ، شرح مواہب اللدنیہ، امام زرقانی:۱/۱۷۹

(۳) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی ، امام سیوطی:۵۶

(۴) جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم:۱۵۰، ۱۵۱

(۵) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی ، امام سیوطی:۴۵

(۶) جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم:۲۷۹

(۷) دلائل النبوۃ، ابونعیم:۲۵ ، اعلام، زرکلی:۵/۱۹۶

(۸) شرح مواہب اللدنیہ، امام زرقانی:۱/۱۷۹

(۹) ایضاً

(۱۰) سبل الہدی والرشاد، علامہ شامی:۱/۲۵۶

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً:۱/۱۶۴، ۱۶۸ ، تفسیر جامع البیان، امام طبری:۷/۵۶ ، مسند امام احمد بن حنبل:۲/۲۷۵

(۱۳) ایضاً

(۱۴) المائدہ:۱۰۳

(۱۵) ایضاً:۱۰۴

(۱۶) شرح مواہب اللدنیہ، امام زرقانی:۱/۱۷۹

دوسرا باب

بعثت نبوی سے قبل ایمان کی صورت

پہلی فصل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دائرہ کار

جزیرہ عربیہ کا معاشرہ ایسا تھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے کوئی نبی مبعوث ہو کر نہیں آیا تھا۔اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک نبی کے جانے کے بعد جب تک دوسرا نبی نہ آئے تب تک اسی پہلے نبی کی تعلیمات پر عمل کرنا لازم ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جزیرہ عربیہ کے علاوہ باقی دنیا میں بھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ بلکہ باقی مما لک بھی میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے اور چونکہ وہ مخصوص علاقوں میں مبعوث ہوتے رہے لہذا وہ اپنے اپنے علاقوں میں اپنی اپنی قوم میں فرائض نبوت تندہی سے انجام دیتے رہے۔جبکہ نبوت کی عالمگیریت تو صرف نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ اور سابقہ انبیاء کرام میں بعد زمانی تھا۔حضرت عیسی علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ میں کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ حائل ہے۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے درمیان تین ہزار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔اور جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی بن کر تشریف لائے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

> **واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد .(۱)**
>
> ’’اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور جو مجھ سے پہلے تورات آئی ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔اور میں اس رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔‘‘

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ضیاء الامت حضرت پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو آپ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

(۲) اور **الیکم** کے لفظ سے آپ نے یہ بتا دیا کہ مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یعنی یہ اس چیز کی وضاحت کرتا ہے کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے اور آپ کی رسالت کا دائرہ کار بنی اسرائیل تک محدود ہے۔

(۳) اور اس عظیم رسول کی بشارت دینے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔(۲)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے یہ بات بھی واضح طور پر سمجھ آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے اور آپ کی رسالت کا دائرہ کار بنی اسرائیل تک محدود تھا۔اس کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔

انجیل متی میں آیت درج ہے:

''اس نے جواب دیا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''(۳)

انجیل متی ہی میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارہ رسولوں کو تبلیغ و اشاعت کے لئے بھیجا تو ان کو حکم دے کر کہا:

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔''(۴)

اسی طرح انجیل برناباس میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہاں کے لئے مبعوث فرمائے گا اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے۔اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔ (۵)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے لہذا ان کے پیروکاروں بطور خاص بنی اسرائیل کو ہی تبلیغ کی۔اور جزیرہ عربیہ میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کم و بیش تین ہزار سال (۶) تک کوئی نبی مبعوث ہی نہیں ہوا تھا لہذا ہدایت یافتہ اور دین حنیف پر عمل پیرا لوگ بہت کم تھے۔انہی ہدایت یافتہ لوگوں میں سے حضور ﷺ کے آباء و اجداد تھے جو کہ دین حنیف پر عمل پیرا تھے۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں سے کچھ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین یعنی دین حنیف پر بھی تھے اور انہوں نے شرک کو ترک کر رکھا تھا۔

چنانچہ حافظ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی تصنیف ''التلقیح'' میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت ترک کرنے والوں کے یہ نام ہیں۔

ابوبکر صدیق، زید بن عمرو بن نفیل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، ورقہ بن نوفل، رباب بن البراء، اسعد بن حمیری، قیس بن ساعدہ ایادی، ابوقیس بن صرمہ۔(۷)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ کی دیوار سے پشت سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور وہ کہہ رہے تھے اے گروہ قریش! تم میں سے میرے سوا کوئی شخص بھی دین ابراہیم پر نہیں پھر کہا اے اللہ! اگر مجھے اس طریق عبادت کا علم ہوتا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو اس طریق سے تیری عبادت کرتا لیکن مجھے اس کے متعلق علم نہیں۔(۸) اس وقت کوئی ایسا آدمی باقی نہ رہ گیا تھا جو دعوت و تبلیغ کا کام کرتا اور عبادت کی حقیقت سے آشنا ہوتا۔

اہل فترت کی اقسام

جس زمانے میں کوئی نبی موجود نہ ہو اسے ''دور فترت'' کہتے ہیں۔(۹)

اس دور کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی شخص کفر و شرک، بت پرستی اور خلاف توحید، عقائد و اعمال سے مجتنب رہے تو وہ ناجی اور عنداللہ مقبول ہوتا ہے۔(۱۰) اسے دین کے تفصیلی احکام پر عمل پیرا ہونا ان کے لئے لازم نہیں کیونکہ اس وقت نبی موجود نہیں ہوتا جو انہیں احکام بتائے، تفصیلات سے آگاہ کرے اور اپنا اسوہ حسنہ پیش کر کے انہیں اپنی پیروی کی تلقین کرے اس لئے ایسے لوگوں کا توحید باری کا قائل ہو جانا ہی کافی ہوتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں، تلاش حق میں کوشاں رہیں، اور جو کام

اچھا سمجھیں کرتے رہیں، یہی کچھ ان کے لئے سامان نجات ہو جاتا ہے۔(۱۱)

یہ ایک غلط اور گمراہ کن تصور ہے کہ جو بھی دور فترت یا دور جاہلیت میں ہو وہ کافر ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں چند ایسے افراد بھی تھے جو سچے دین کی تلاش میں تھے اور بت پرست قوم میں رہتے ہوئے بھی جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم ورواج سے کلی طور پر مجتنب تھے بلکہ لوگوں کو توحید کے منافی عقائد واعمال سے روکتے بھی تھے کہ وہ ان مکروہ خرافات سے باز آجائیں، اس سلسلے میں ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کے نام قابل ذکر ہیں جو جاہلی حرکات سے بیزار اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ننگی تلوار تھے۔(۱۲)

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما بھی اسی دور کے مسلمان ہیں جو طبعی طور پر بت پرستی سے نفور تھے اور جاہلی عادات واطوار کو پسند نہیں کرتے تھے وہ تاریک ترین حالات میں بھی خیر وصداقت اور صراط مستقیم کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انہوں نے اس راہ میں نا قابل تصور تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں مگر انہوں نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، جاہلی رسوم واطوار کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے اور سچائی کی تلاش میں مسلسل سرگرمِ عمل رہے تاکہ اپنے مقصد ومدعا میں کامیاب ہو گئے۔ اس لئے یہ کہنا کہ دور جاہلیت کا ہر فرد کافر اور جہنمی تھا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛۔

ولا يظن بكل من كان فى الجاهليه انه كافر على العموم فقد تحنف فيها جماعة. (۱۳)

''یہ گمان نہ کیا جائے کہ دور جاہلیت کا ہر آدمی کافر تھا کیونکہ اس میں کچھ لوگ رو وحق پر بھی تھے۔''

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اہل کتاب اور کاہنوں سے سن لیا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اس لئے وہ ان کے انتظار میں تھے اور ہر اس برے عمل سے بیزار تھے جو قوم بڑے فخر سے انجام دے رہی تھی، یہ لوگ جاہلیت کے شب کدے میں اگرچہ ٹمٹماتے چراغ کی لو کی طرح تھے تاہم ان کا وجود تھا۔

اہل فترت کی تین اقسام ہیں:۔

۱۔ توحید پر قائم رہنے والے

۲۔ شرک میں مبتلا ہونے والے

۳۔ جن لوگوں تک دعوت حق نہیں پہنچی۔(۱۴)

پہلی قسم:(توحید پر قائم رہنے والے)

ان لوگوں کی ہے جو نگاہ بصیرت سے ادراک توحید کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان تبدیل شدہ شریعتوں میں سے کسی ایک میں بھی داخل نہیں ہوتے جیسا کہ جناب ورقہ بن نوفل، قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل ہیں اوران میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو شریعت حقہ جس کے نشانات قائم ہوتے ہیں، میں داخل ہو جاتے ہیں جیسے جناب تبع اوران کی قوم۔

وہ ہدایت یافتہ لوگ جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید حاصل کر لی ''یعنی اپنے علم کی وجہ سے'' سو اس بصیرت نے ان کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔اس سے یہ لازم نہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح ترین ہو اوراس کے تمام پہلو درست ہوں وغیرہ۔پھران لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو شریعت میں داخل نہیں ہوئے۔بلکہ توحید کی طلب اور اللہ کی بندگی کرتے رہے اور نبی ﷺ کے ظہور کا انتظار کرتے رہے جیسے قس بن ساعدہ ایادی، اہل جاہلیت میں سے بعثت انبیاء پر ایمان لانے اور خطبہ دیتے وقت عصا پر ٹیک لگانے والا پہلا شخص ہے اور پہلا شخص ہے جس نے ''اما بعد'' کہا اور پہلا شخص ہے جس نے مِن فلان الی فلان (فلاں سے فلاں کی طرف) لکھا۔تین سو اسی سال زندہ رہا بہت سے اہل علم نے لکھا ہے کہ چھ سو سال زندہ رہا۔خطیب، دانا، عقلمند اور صاحب علم و فضل تھا۔(۱۵)

ابو نعیم نے ''الدلائل'' میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔قس بن ساعدہ، عکاظ کے بازار میں اپنی قوم سے خطاب کرتا تھا، وہ اپنے ایک خطبہ میں کہتا ہے:''عنقریب اس طرف سے حق معلوم ہوگا'' اپنے ہاتھ سے مکہ کی طرف اشارہ کیا۔لوگوں نے کہا یہ حق کیا ہے؟ کہا لوی بن غالب کی اولاد میں سے ایک شخص تم کو کلمہ اخلاص کی طرف دعوت دے گا۔اگر تم کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا اور اگر مجھے معلوم ہو کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو اس کی طرف سے سب سے پہلے لپکنے والا میں بنوں۔(۱۶)

ازدی وغیرہ کی سندوں کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اللہ قس پر رحم فرمائے گویا میں اس کو نیل گوں اونٹ پر میٹھی میٹھی باتیں کرتا

دیکھ رہا ہوں، جو یاد نہیں رہیں۔'' بعض لوگوں نے کہا ہمیں اس کی باتیں یاد ہیں، فرمایا لاؤ، تو انہوں نے ایسا خطبہ بیان کیا جو نصیحت وحکمت سے پر تھا ابن شاہین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ''اللہ قس پر رحم کرے گویا میں اس کو نیلگوں اونٹ پر ایسی باتیں کرتا دیکھ رہا ہوں جو مجھے یاد نہیں رہیں۔ اس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے یاد ہیں، فرمایا بیان کرو پھر انہوں نے بیان کیں۔(۱۷)

اصابہ میں ''ابن حجرؒ'' نے صاحب ''کتاب البیان'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ قس اور اس کی قوم کو جو فضیلت نصیب ہوئی، وہ کسی عربی کو حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا کلام اور بازار عکاظ میں اس کا اونٹ پر کھڑا ہونا اور وعظ کرنا خود بیان فرمایا اور اس کے حسن کلام پر تعجب فرمایا اور اس کی تائید فرمائی۔ اس شرف سے تو تمنائیں عاجز اور زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ جب قبیلہ بکر بن وائل کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ تو حضور ﷺ نے ان سے قس بن ساعدہ ایادی کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو مر گئے ہیں۔ فرمایا گویا میں اس کو سوق عکاظ میں سرخ اونٹ پر سوار دیکھ رہا ہوں۔(۱۸)

اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق صرف قس بن ساعدہ کو نصیب فرمائی اس کے عقیدہ توحید، اظہار اخلاص اور ایمان بالبعث کے طفیل۔ اسی لئے قس بالاتفاق ''خطیب العرب'' تھا۔ اور ''زید بن عمرو بن نفیل'' سعید بن زید کے والد تھے۔ سعید عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چچا بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے توحید کا دامن تھاما، بت پرستی ترک کی اور شرک سے کنارہ کش رہے اور بعثت سے پہلے فوت ہوئے۔

ابن سعد نے عامر بن ربیعہ سے روایت کی جو بنی عدی بن کعب کے حلیف تھے کہ مجھے زید بن عمرو نے کہا: میں نے اپنی قوم (یعنی ان کے کفر وشرک) کی مخالفت کی اور حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی ملت کی پیروی کی۔ اور جس کی وہ بندگی کرتے تھے اور اس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور میں اولاد اسماعیل میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کا منتظر تھا میرا خیال ہے کہ میں اسے پا نہ سکوں گا، میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اُن کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں اگر تمہاری زندگی دراز ہو تو میری طرف سے اُن کو سلام عرض کر دینا۔(۱۹)

عامر کہتے ہیں جب میں نے یہ تمام بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دی تو سرکار ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے لئے دعائے رحمت فرمائی اور فرمایا میں نے اُسے جنت میں دامن گھسیٹتے دیکھا ہے۔ زبیر بن بکار نے عروہ سے روایت کی ہمیں پتہ چلا ہے کہ زید شام میں تھا اس کو نبی کریم ﷺ کے ظہور کی خبر پہنچی وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لئے آرہا تھا کہ سرزمین بقاء میں قتل ہو گیا۔(۲۰)

ابن اسحاق نے کہا جب علاقہ ''خم'' کے درمیان آیا تو لوگوں نے اُسے قتل کر دیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے قتل ہوا۔(۲۱)

طبرانی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ اُن کو بخشے اور اُن پر رحم فرمائے۔ بے شک وہ دین ابراہیم علیہ السلام پر فوت ہوئے ہیں۔(۲۱)

یونہی عامر بن الظرب العدوانی، قیس بن عاصم تمیمی، صفوان بن ابی امیہ الکنانی، زہیر بن ابی سلمیٰ بھی اس جماعت میں شامل ہیں، جن کا ذکر شہرستانی نے کیا چنانچہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے والدین کریمین بھی اسی زمرہ میں شامل ہوں بلکہ وہ بطریق اولیٰ اس گروہ میں شامل ہیں۔(۲۲)

دوسری قسم: (شرک میں مبتلا ہونے والے)

اہل فترت کی دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے اصل دین تبدیل کر دیا، شرک اختیار کر دیا اور توحید کا انکار کر دیا اور اپنے لیے کفر، شرک اور معصیت کی راہ متعین کر لی، پس حرام کو حلال بھی کرتے رہے اور حلال کو حرام بھی کرتے رہے یہ اکثر عرب تھے جیسے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر (پہلا شخص جس نے عرب میں بت پرستی شروع کی) طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے دین ابراہیم علیہ السلام کو بدلا عمرو بن لحی تھا۔(۲۳) اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عمرو بن لحی شام میں گیا اس زمانہ میں وہاں عمالقہ بستے تھے جو بت پرست تھے اُس نے اُن سے ایک بت مانگا اور اس بت کو لا کر کعبہ میں نصب کر دیا، اُس بت کا نام ہبل تھا۔(۲۴)

محمد بن حبیب نے ابن الکلبی سے عمرو بن لحی کے مذکورہ بالا عمل کا سبب اس طرح نقل کیا کہ ابو

ثمامہ نامی ایک جن اس شخص کا تابع تھا جس کا نام ابوثمامہ تھا۔ ایک رات یہ جن اس کے پاس آ کر کہنے لگا: ''ابوثمامہ کی بات مان لے اُس نے کہا: ''ثمامہ حاضر ہے۔'' جن نے کہا جدہ کے ساحل پر جاؤ وہاں تیار بت پاؤ گے اُن بتوں کو لے لو اور کسی کو نہ دینا اُن کو عبادت کی دعوت دو قبول ہو گی ۔ یہ شخص جدہ گیا وہاں اُس کو وہ بت ملے جن کی عبادت زمانہ نوح علیہ السلام میں ہوتی تھی ۔ یہ اُن کو لے آیا اور ان کی عبادت کی دعوت دی ۔ اس کی وجہ سے عرب میں بت پرستی پھیلی یہ بات فتح الباری میں مذکور ہے ۔ (۲۵)

امام سہیلی نے ''الروض الانف'' میں فرمایا: جب قبیلہ خزاعہ بیت اللہ شریف پر قابض ہوا اور بنی جرہم کو مکہ سے جلاوطن کر دیا۔ عربوں نے اس کو رب بنالیا، یہ ان کے لئے جو بھی بدعت جاری کرتا وہ اس کو شریعت بنالیتے کیونکہ یہ شخص لوگوں کو موسم حج میں کھانا کھلاتا اور کپڑے پہناتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے دس ہزار جانور قربان کئے اور دس ہزار لوگوں کو حلے پہنائے ۔ (۲۶)

ابن اسحاق نے ذکر کیا کہ عمرو بن لحی پہلا شخص تھا جس نے خانہ کعبہ میں بت داخل کئے اور لوگوں کو ان کی عبادت کی ترغیب دی ، فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تلبیہ اِس طرح پڑھا جاتا تھا۔ **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک** یہاں تک کہ عمرو بن لحی کا زمانہ آیا جب یہ شخص تلبیہ پڑھ رہا تھا تو شیطان ایک بزرگ کی شکل میں اس کے سامنے آیا اور تلبیہ پڑھنے لگا عمرو نے کہا: ''**لبیک لا شریک لک**'' بزرگ کہنے لگا: ''**الا شریک ھو لک**'' عمرو نے اُس پر برا منایا اور کہا یہ کیا؟ بزرگ نے کہا یہ کہو **تملکه وما ملک** مگر وہ شریک جو تو نے خود بنایا تو اسے مالک بنائے اور جس کا وہ مالک ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں عمرو نے یہ کلمہ کہا اور پھر تمام عرب اس پر عمل پیرا ہو گیا۔ اس نے کئی احکام شروع کر دیئے ، بحیرہ ، سائبہ ، وصیلہ اور حام کے نام سے جانوروں کو بتوں کے نام موسوم کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کا گوشت چمڑہ وغیرہ کے کھانے اور استعمال کرنے کو حرام قرار دیا۔ ان جانوروں کی مختصر اوضاحت درج ذیل ہے ۔ (۲۷)

بحیرہ: وہ اونٹنی ہوتی جس کا دودھ دوھنا بتوں کے نام پر منع کر دیتے لہذا کوئی اس کا دودھ حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ (وہ اونٹنی جو پانچ بچے دے اور جب آخری بچہ ہوتا تو اس کا کان چھید دیتے اور بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے ۔ دودھ ، گوشت یا کام لینا سب حرام سمجھتے)

سائبہ: بتوں کے نام موسوم اونٹنی یعنی وہ اونٹنی جو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اس پر بوجھ

وغیرہ نہیں اٹھوایا جاتا تھا۔

وصیلہ : جو اونٹنی پہلی بار بچہ بچی دونوں دے دوسری بار بچی دے تو اس کو بھی اپنے بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے۔ بشرطیکہ درمیان میں بچہ نہ آجائے۔

حام : وہ سانڈ اونٹ جس کی جفتیوں سے مخصوص تعداد میں (دس عدد) اونٹنیاں گابھن ہو جائیں۔ جب یہ مقام حاصل کر لے تو اسے اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے اور اس کو بار برداری سے مستثنٰی کر دیتے پھر ان پر بوجھ نہ لادتے۔ اس کا نام انہوں نے حام رکھا۔

ان میں وہ گمراہ اہل فترت بھی ہیں۔ جو نہ مشرک تھے نہ موحد نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے نہ اپنے لئے کوئی الگ شریعت گھڑی نہ نیا دین بلکہ اپنی طویل عمریں ان تمام باتوں سے غفلت میں گزار دیں یہ تمام لوگ قسم ثانی سے تعلق رکھتے ہیں، جن کو ان کے کفر کی وجہ سے عذاب دینا صحیح ہے۔ اس لئے اس روش سے وہ نافرمانی کی تمام حدیں پھلانگ گئے، اللہ نے اس قسم کے تمام لوگوں کو کفار و مشرکین قرار دیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب ان میں سے کسی کا حال بیان کرتا ہے تو ان پر کفر و شرک کی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ان کی بدعات کا رد و انکار کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

ما جعل الله من بحيرة (۲۸) اللہ نے کوئی بحیرہ وغیرہ نہیں بنایا۔

پھر فرمایا **لكن الذين كفروا** (بلکہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) اور ان میں ان کے اکثر عقل سے کورے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے باپ دادے کی اندھی تقلید میں یہ سب کچھ کیا۔ (۲۹)

تیسری قسم: (جن لوگوں تک دعوت حق نہیں پہنچی)

اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن تک دعوت حق پہنچی ہی نہیں، ان کو عذاب نہیں ہوگا اس پر اتفاق ہے انہی میں حضور علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی شامل ہیں ان کا دور متاخر تھا، لہذا ان کو بھی دعوت نہیں پہنچی اور ان کے اور گذشتہ انبیاء کرام کے دور میں دوری ہے اور اس لئے کہ یہ دونوں دور جاہلیت میں تھے، جس میں شرق و غرب میں ہر طرف جہالت تھی اور احکام شرع جاننے اور صحیح دعوت پہنچانے والے بس چند اہل کتاب علماء تھے جو شام وغیرہ مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے تھے اور والدین کریمین کا مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں سفر کرنا ثابت نہیں اور نہ ان کی اتنی عمریں تھیں کہ مقصد کی تفتیش و تحقیق کرتے۔ علاوہ ازیں والدہ محترمہ پردہ نشین، گھر میں محفوظ بیٹھنے والی تھیں، نہ لوگوں سے میل ملاپ، یہ معلومات حاصل

کرنے کا ذریعہ اور آج جبکہ اسلام شرق سے غرب تک پھیل چکا ہے آج کی عورتیں عام احکام شرع سے نا واقف ہیں کیونکہ علماء وفقہائے کرام کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا نہیں تو تمہارا زمانہ جاہلیت وفترۃ کے متعلق کیا خیال ہے، جب عورتیں تو عورتیں مرد بھی یہ سب کچھ نہیں جانتے تھے اسی لئے حضور ﷺ کی بعثت پر اہل مکہ نے تعجب کیا:

ابعث الله بشرا رسولا (۳۰)

کیا اللہ نے ایک آدمی کو رسول بنایا ہے؟

اور یہ بھی کہا۔

لو شاء ربنا لا نزل ملائكة (۳۱)

اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا۔

اگر ان کو اللہ کے رسول بھیجنے کا علم ہوتا تو اس بات کا انکار نہ کرتے اور بسا اوقات ان کا یہ بھی خیال ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسی دین کے ساتھ بھیجا تھا جس پر ہم ہیں ان کو ایسا آدمی نظر نہیں آیا جو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو اصل صورت میں ان تک پہنچاتا کیونکہ ان میں طویل زمانہ حائل تھا اور کوئی اس حقیقت سے واقف بھی نہ تھا کیونکہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ حائل تھا اس بات کا تذکرہ مسالک الحنفاء میں اور اس کا خلاصہ الدرج المنفیہ میں ذکر فرمایا اور اس سے پہلے بھی کچھ مزید لکھا ہے۔

رہے پہلی قسم کے لوگ مثلاً قس اور زید بن عمرو تو ان کے متعلق آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ''ان میں سے ہر ایک کو موحد کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔'' ابوداؤد طیالسی نے حضرت سعید بن زید سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی میرا باپ ایسا ہی تھا جیسا آپ نے دیکھا اور جیسے آپ تک اس کی بات پہنچی تو آپ اس کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیے۔ فرمایا'' ٹھیک ہے وہ قیامت کے دن توحید پر اٹھیں گے۔''

طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے'' اللہ قس پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ توحید پر اٹھائے گا'' علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے امید بھی وقوع پذیر ہو کر رہتی ہے۔

اسی طرح طبرانی نے اپنی کبیر اور اوسط میں سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا:

رحم الله قسا اللہ قس پر رحم فرمائے۔

کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ قس کے لئے رحمت کی دعا مانگ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں وہ میرے باپ اسماعیل بن ابراہیم علیہا السلام کے دین پر تھا۔(۳۳)

ملت ابراہیمی پر قائم افراد کا ذکر اچھے انداز میں کرنے کی تلقین

(۱) ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عدنان حضرت معد، حضرت مضر، حضرت خزیمہ اور حضرت اسد رضی اللہ عنہم حضرت ابراہیم کی ملت پر تھے، لہذا ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کیا کرو۔

(۲) علامہ ابن سعد رحمہ اللہ علیہ ''طبقات ابن سعد'' میں عبداللہ ابن خالد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تسبوا مضر فانه كان قد اسلم۔

''جناب مضر کی شان میں گستاخی نہ کرنا کیونکہ وہ بلاشک وریب مسلمان تھے۔'' (۳۴)

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ربیعہ اور مضر کو برا نہ کہو یہ دونوں مومن تھے۔

(٤) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

لا تسبوا تميماً و ضبة فانهما كانا مسلمين ۔

''تمیم اور ضبہ کو برا نہ کہو، کیونکہ یہ دونوں مومن تھے۔

(٥) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا قُساً فانه كان مسلماً ۔

''قُس کو برا نہ کہو کیونکہ یہ مومن تھے۔''

امام سہیلی رحمۃ اللہ اپنی کتاب ''الروض الانف'' میں یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن لوی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے یوم العروبہ کو جمع فرمایا اور کہا کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یوم العروبہ کا نام جمعہ رکھا۔ اس روز قریش جمع ہوتے تو آپ انہیں خطاب فرماتے اور حضور سرور کائنات ﷺ کی بعثت مبارکہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے بتاتے کہ جان لو کہ وہ میرا بیٹا ہوگا کہ جان لو کہ وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں تمہیں ان کی اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں اور آپ کی شان میں یہ شعر کہا کرتے۔(۳۵)

یا لیتنی شاهدا فخواه دعوته

اذا قریش تبغی الحق خذلانا

''اے کاش! میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جبکہ قریش حق کو رسوا کرنا چاہیں گے۔''

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس روایت کو حافظ ابونعیم نے بھی ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کی سند سے ''دلائل النبوۃ شریف'' میں نقل فرمایا اور اس کے آخر پر یہ جملہ نقل کیا ہے کہ جناب کعب کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مابین پانچ سو ساٹھ برس کا عرصہ ہے۔(۳۶)

دوسری فصل

زمانہ فترت میں ایمان کے تقاضے

پہلی مبحث

زمانہ فترت میں ایمان کے خصوصی تقاضے

احادیث سے ثابت ہے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں جنہوں نے آقا علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اپنی بصیرت سے معرفت توحید حاصل کر لی ''یعنی اپنے علم کی وجہ سے''۔ سو اس بصیرت نے ان کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح ترین ہو اور اس کے تمام پہلو درست ہوں وغیرہ۔

توحید باری تعالیٰ

امام سہیلی اور بلاذری نے جناب مضر اور ربیعہ کے ایمان کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے:

لا تسبوا مضر و لا ربیعة فانهما كانا مؤمنين (١)

مضر اور ربیعہ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ دونوں مومن تھے

ابن حبیب نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے:

''مات أدد والد عدنان ، وعدنان ، ومعد ، و ربيعة ، و مضر ، و قيس عيلان ، و تيم ، و أسد ، و ضبة ، و خزيمة على الاسلام ، على ملة ابراهيم عليه السلام''۔(٢)

جب ادد، جو کہ عدنان کے والد تھے، کی وفات ہوئی تو عدنان، معد، ربیعہ، مضر، قیس عیلان، تیم، اسد، ضبہ اور خزیمہ مسلمان تھے اور دین ابراہیم پر تھے۔

خزیمہ: (خ) کے ضمہ اور (ز) کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ان کی کنیت ابو الأسد تھی۔ خزیمہ عمدہ

اخلاق اور سخاوت کی وجہ سے مشہور تھے۔ انہی کے بارے میں کہا گیا ہے: (۳)

أما خزيمة فالمكارم جمة　　　سبقت اليه وليس ثم عتيد

''جہاں تک خزیمہ کی بات ہے تو بے شمار عمدہ خصائل اس کے پاس جمع ہو گئے اور وہاں اس کا کوئی مدمقابل نہیں۔''

حضرت ابن عباس کا قول ہے:

''مات خزيمة على ملة ابراهيم عليه السلام'' (۴)

خزیمہ کی وفات ملت ابراہیمی پر ہوئی۔

اس کے علاوہ سیدنا عبدالمطلب ان لوگوں میں سے تھے جو شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر توحید پرستی کی طرف میلان رکھتے تھے، کتب سیرت و تراجم میں ایسے حوالے نہ صرف اشارات کی شکل میں بلکہ واضح صراحت کے طور پر موجود ہیں جو نبی منتظر کے لئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی تمنا اور امید کو ثابت کرتے ہیں، وہ اپنے زمانے کے کئی ایک قیافی شناسوں سے بھی ملتے رہے تھے اور تورات و انجیل کے ماہر اہل کتاب کی آراء سے بھی آگاہی حاصل کرتے رہے تھے۔ (۵)

علامہ حلبی اور ابن الجوزی جیسے ثقہ محدث و سیرت نگار صراحت سے لکھتے ہیں کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ توحید پرست تھے، وہ اپنی اولاد کو حسن خلق اور ظلم و سرکشی نہ کرنے کا حکم دیتے تھے ان کا یہ ایمان تھا کہ ظالم سزا سے نہیں بچ سکتا۔ یہاں یا وہاں! انہوں نے ایک سائل کو جواب میں کہا تھا:

> ''بخدا اس دنیا کے بعد بھی ایک دنیا ہے جہاں احسان اور نیکی کرنے والوں کو اجر ملے گا اور بدی کرنے والے سزا سے نہیں بچ پائیں گے! اس لئے اگر کوئی ظالم دنیا میں سزا سے بچ بھی گیا تو آخرت میں وہ کسی طرح نہیں بچ سکے گا۔'' (۶)

علامہ ابن الجوزی نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بہت سی باتوں کو اسلام نے باقی رکھا ہے، نذر ماننا اور پوری کرنا، محرم عورت سے نکاح کا حرام ہونا، چور کے ہاتھ کاٹنا، بچیوں کو زندہ دفن کرنا ممنوع قرار دینا، شراب و زنا حرام ہے اور بیت اللہ کے گرد ننگے طواف کرنا حرام ہے! حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے تذکروں میں ان سب باتوں کا واضح طور پر ثابت ہونا اور

ان کی حنیفیت اور توحید پرستی کی دلیل ہے اور یہ سب کچھ ان کے ایمان کی بھی واضح دلیل ہے اور مغفرت کا بھی ثبوت ہے۔

جناب سیدنا عبدالمطلب پہلے شخص تھے جنہوں نے حراء میں عبادت کی۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ جبل حراء پر چلے جاتے اور سارا مہینہ وہیں گزارتے۔ آپ فقراء و مساکین کو کھانا کھلاتے، مکہ میں ظلم و زیادتی نہیں ہونے دیتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کثرت سے کرتے تھے۔(۵)

شرک کی نفی

نبی کی آمد کو قبل از وقت ظاہر کرنے والے واقعات کو عربی زبان اور کتب سیرت کی اصطلاح میں ''ارہاصات'' کہتے ہیں، نور محمد ﷺ کے ظہور قدسی کے لئے کافی ارہاصات سامنے آئے جو کتب سیرت و تاریخ وغیرہ میں محفوظ ہیں، مکہ کے اکثر لوگ یا تو ان ارہاصات کو سمجھ نہیں پاتے تھے اور یا وہ انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، مگر قریش مکہ کی کم از کم تین ہستیاں ایسی تھیں جنہیں ان ارہاصات پر پورا پورا یقین تھا، اسی لئے یہ تینوں رسول اکرم ﷺ کا بچپن میں بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، اور ان کی عظمت وشان کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ ان کی نبوت پر ایمان بھی لا چکے تھے نہ صرف یہ بلکہ وہ اس عظمت وشان کا برملا اظہار بھی کرتے تھے مگر لوگ یا تو سن کر جلتے اور منہ پھیر لیتے تھے یا اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے! ان تین ہستیوں میں سے ایک تو ہیں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا، دوسرے سیدنا عبدلمطلب رضی اللہ عنہ اور تیسری ہستی سیدنا ابو طالب مومن قریش تھے!!! ایسے لوگوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو یقیناً شامل ہیں مگر حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے بزرگوں میں شامل کر لینے میں کوئی حرج نہیں! اللہ تعالیٰ کا اعلان واجب الاذعان ہے۔(۶)

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ.

''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے رسالت کے لئے کس کو منتخب فرمائے گا۔''

اور یہ بھی کہ **وتقلبک فی الساجدین.**(۷)

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ اے پیارے محبوب مصطفیٰ ﷺ آپ کن کن نیکوکار پاکبازوں میں منتقل ہوتے ہوئے آئیں گے۔''

اطاعت الٰہی

جناب الیاس نے جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ بنو اسماعیل نے اپنے آباء و اجداد کے طور طریقوں کو بدل دیا تھا۔ آپ کو ان کا یہ فعل بہت برا لگا اور آپ نے دین اسماعیل کی تجدید کی کوشش شروع کر دی۔

جناب الیاس کی دانائی اور علم وفضل آشکار ہوا تو تمام بنو اسماعیل نے ان کی سرداری پر اتفاق کر لیا اور وہ آپ کا حکم ماننے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے آباء واجداد کے طور طریقوں کا احیاء کیا اور لوگوں کو ان پر عمل کرایا۔ تمام عرب ان کی اس طرح عزت کرنے لگے جیسے وہ حضرت لقمان اور ان جیسے دیگر داناؤں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ ظاہری حسن و جمال بھی رکھتے تھے۔ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے بیت اللہ کے لئے اونٹوں کا تحفہ دیا۔ (۸)

جناب نضر کے والد جناب کنانہ (کاف کے کسرہ کے ساتھ) کی کنیت ابوالنضر اور ابوقیس تھی۔ (۹) کنانہ اپنے دور میں عظیم القدر شخص تھے۔ عرب ان کے علم وفضل کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

حضرت کنانہ اکثر کہا کرتے تھے: ''بے شک اب مکہ سے ایک نبی کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں گے اور نیکی واحسان اور مکارم اخلاق کی دعوت دیں گے۔ اس کی اتباع کرنا، تمہاری عزت وعظمت میں اضافہ ہوگا۔'' (۱۰)

کنانہ کی عزت وعظمت کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہو جاتی ہے:

'' ان اللــه اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل ، واصطفى من ولد اسماعيل بنى كنانه ، واصطفى من بنى كنانة قريشا ، واصطفى من قريش بنى هاشم ، واصطفانى من بنى هاشم . '' (۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا، اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو چن لیا، اور بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب فرمایا، اور قریش سے بنو ہاشم کا انتخاب فرمایا، اور بنو

ہاشم سے مجھے چن لیا۔

دینِ حنیف کی پیروی

مرہ کے والد جنابِ کعب کی کنیت ابو حصیص تھی۔ یہ آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے جدامجد ہیں۔کعب کا لفظ بلندی و رفعت اور شرف وفضیلت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ وہ اپنے نام کی طرح اپنی قوم میں بلند مرتبہ اور صاحب شرف وفضیلت تھے۔عربوں میں ان کی عزت وعظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی وفات کے دن سے انہوں نے تاریخ کا شمار شروع کیا اور واقعہ اصحاب الفیل تک جاری رہا۔ پھر انہوں نے واقعہ فیل سے اور بعد ازاں حضرت عبدالمطلب کی وفات سے تاریخ شمار کی۔ (۱۲)

کعب بن لؤی نے یوم العروبة کو جمعہ کا نام دیا۔ وہ اس روز اپنی قوم کو جمع کرتا اور فصیح و بلیغ انداز میں ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

" أما بعد ، فاسمعوا وعوا ، وافهموا وتعلموا ، ليل ساج ، ونهار ضاح ، والأرض مهاد ، والسماء بناء ، والجبال أوتاد ، والنجوم أعلام ، لم تخلق عبثا ، الآخرون كالأولين ، والذكر كالأنثى ، فصلوا أرحامكم ، وأوفوا بعهودكم ، وأحفظوا أصهاركم ، و ثمروا أموالكم ، فهل رأيتهم من هالك رجع ، أو ميت نشر . هذا حرمكم زينوه وعظموه ، فسيأتى له نبا عظيم ، و سيخرج منه نبى كريم ، بذلک جاء موسى و عيسى "(۱۳)

امابعد! پس غور سے سنو اور یاد کرلو، سمجھو اور سیکھو، رات اندھیری ہے، دن چمکدار ہے، زمین بچھی ہوئی ہے، آسمان چھت ہے، پہاڑ میخیں ہیں، ستارے نشانیاں ہیں۔ یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا گیا آخر میں آنے والے پہلوں کی طرح ہیں، مرد بھی عورت کی طرح ہے۔ پس صلہ رحمی کرو، اپنے وعدے پورے کرو، رشتہ مصاہرت کی حفاظت کرو۔ اپنے اموال کو

بڑھاؤ۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی ہلاک ہو جانے والا واپس لوٹ آئے یا کوئی مردہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ تمہارا حرم ہے، اس کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اس کی بڑی خبر آنے والی ہے۔ اس میں ایک عظمت والے نبی کا ظہور ہوگا۔ اس بات کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔

حاجیوں کی خدمت

حضرت قصی نے مکہ کو قریش میں تقسیم کرنے کے بعد ان پر سقایہ و رفادہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا) لازم قرار دیا اور انہیں اپنے خطاب میں کہا:

''یا معشر قریش ، انکم جیران الله وسکان حرمه ، والحاج أضیاف الله و زوار بیته ، فترافدوا ، حتی تصنعوا لهم طعاما وشرابا فی ایام الحج ، ینال منه من یحتاج الیه ، فلو اتسع مالی لجمیع ذلک ، لقمت فیه دونکم ''. (۱۴)

اے گروہ قریش! بے شک تم اللہ کے ہمسایہ ہو، اور اس کے حرم کے باشندے ہو، اور حجاج کرام اللہ تعالیٰ کے مہمان اور اس کے گھر کے زائرین ہیں۔ باہمی چندہ جمع کرو تا کہ تم ایام حج میں ان کے لئے طعام و شراب تیار کرلو، جس کو ضرورت ہو وہ اس سے لے سکے، اگر میری دولت یہ سب کچھ کرنے کے لئے کافی ہوتی تو میں اس کام کو تمہارے بغیر اکیلا ہی سر انجام دیتا۔

چنانچہ آپ نے قریش پر حجاج کرام کی خدمت و مہمانداری کے لئے ٹیکس عائد کر دیا، جسے وہ باقاعدگی سے ہر سال ادا کرتے، اور اسے حجاج کرام کے طعام و شراب پر خرچ کیا جاتا تھا۔ آپ سے قبل قریش کو پینے کا پانی مکہ سے باہر لانا پڑتا تھا۔ قریش کے پاس دو کنویں تھے۔ ایک لؤی بن غالب نے مکہ کے باہر کھدوایا تھا اور ایک دوسرا مرہ بن کعب نے عرفات کے پاس کھدوایا تھا۔ آپ نے قریش اور حجاج کرام کی خدمت کے لئے مکہ کے اندر ایک کنواں کھدوایا جس کا نام **''العجول''** رکھا۔ یہ مکہ کے اندر

قریش کا پہلا کنواں تھا۔(۱۵)

امام سہیلی نے کہا ہے کہ حضرت قصی حجاج کرام کو چمڑے کے ایک حوض سے پانی پلاتے تھے، جس میں میمون نامی کنویں سے پانی لایا جاتا جو مکہ کے باہر واقع تھا۔ یہ **''العجول''** کنویں کی کھدائی سے پہلے کی بات ہے۔ (۱۶)

آپ نے مزدلفہ میں آگ جلا کر روشنی کرنے کا اہتمام کیا تاکہ عرفات سے واپس آنے والے اسے دیکھ سکیں۔(۱۷)

دوسری مبحث

زمانہ فترت میں ایمان کے عمومی تقاضے

سخاوت

جب حضرت ہاشم کو سقایہ و رفادہ کا منصب ملا تو وہ ہر سال زائرین بیت اللہ پر کثیر مال خرچ کرتے تھے اور وہ قریش میں سب سے زیادہ خوشحال اور فراخ دست تھے۔ وہ یکم ذوالحجہ کو حجاج کرام کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جاتے۔ اپنی پشت باب کعبہ کی طرف دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑے ہو جاتے اور ایک فصیح و بلیغ خطاب کرتے تھے:

''اے گروہ قریش! تم لوگ اللہ کے ہمسائے ہو، بیت اللہ والے ہو، اِس موسم میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے زائرین آتے ہیں، جو اس گھر کی حرمت کی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ قابل احترام ہیں، پس اللہ کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کا اکرام کیا کرو۔ بلاشبہ یہ لوگ پراگندہ بال، غبار آلود چہروں کے ساتھ لاغر و نحیف سواریوں پر آتے ہیں، ان کی ضیافت کرو، اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا کہ میں یہ سب کچھ برداشت کر سکتا تو تمہاری طرف سے میں اکیلا ہی یہ سب کچھ کرتا۔ میں اپنا عمدہ و حلال مال نکال رہا ہوں جو کسی قسم کی قطع رحمی یا ظلم کے ذریعے حاصل نہیں کیا گیا اور اس میں کسی قسم کا حرام شامل نہیں۔ میں اس مال کو تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں، تم میں سے جو چاہے اپنا مال اس میں شامل کرے۔ اور میں تمہیں بیت اللہ کی حرمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میں سے جو بھی زائرین بیت اللہ کی خدمت کے لئے اپنا مال دے اس کا مال ظلم کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو اور اس میں کسی قسم کا حرام شامل نہ ہو۔'' (۱۸)

تمام قریش اور بنو کعب بن لؤی اِس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، دیگر لوگ بھی حسب استطاعت اپنا مال نکالتے، یہ سب مال بنو ہاشم کے پاس لاتے اور اس کے دار الندوہ میں جمع کرا دیتے تھے، حضرت ہاشم نے حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے ایک چمڑے کا حوض تیار کروایا تھا جسے زمزم کی

جگہ پر نصب کیا جاتا، ابھی تک زمزم کی کھدائی نہیں ہوئی تھی، اُس حوض کو مکہ کے کنوؤں سے پانی لاکر بھر دیا جاتا اور حاجی اُس سے پانی پیتے تھے، حضرت ہاشم آٹھ ذوالحجہ (یوم الترویہ) سے پہلے مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کرتے۔ پھر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی کھانے کا اہتمام کرتے۔ وہ روٹی اور گوشت کی ثرید، روٹی اور گھی، جو اور کھجور کھلاتا تھا، یہ سلسلہ جاری رہتا۔ یہاں تک کہ وہ سب لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے تھے۔

زبیر بن بکار نے اپنی تالیف الموفقیات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> کہ قبیلہ قریش کے ہاں زمانہ جاہلیت میں ایک رسم ''اعتفاد'' کے نام سے مروج تھی۔ جب کوئی خاندان مفلس وقلاش ہو جاتا وہ شہر سے دور صحرا میں نکل جاتے وہاں جا کر اپنے خیمے نصب کر دیتے پھر ان خیموں میں روپوش ہو جاتے۔ یہاں تک کہ وہ وہیں فاقہ کشی سے یکے بعد دیگرے دم توڑ دیتے۔ اور کسی کو خبر نہ ہونے دیتے کہ وہ مفلس اور کنگال ہو گئے ہیں۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ انہیں ایک نوالہ تک بھی میسر نہیں تا کہ وہ سدرمق ہی کر سکیں۔ جب ہاشم جوان ہوئے اور انہیں اس ہولناک رسم کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا۔
>
> '' اے گروہ قریش! قبیلہ کی عزت افراد کی کثرت سے ہوتی ہے۔ اہل عرب میں مال کی فراوانی اور افراد کی کثرت کے اعتبار سے تمہیں برتری حاصل ہے۔ لیکن اعتفاد کی قبیح رسم نے تمہارے بہت سے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میری تجویز ہے اگر آپ اس کو سنیں، قوم نے کہا فرمایئے۔ آپ کی ہر تجویز بہت عمدہ ہوتی ہے۔ آپ ہمیں حکم دیں تا کہ ہم اس کی تعمیل کریں۔ ہاشم نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے جو مفلس اور کنگال ہے ان کو میں دولت مند خاندانوں کے ساتھ ملا دوں۔ ہر غنی کے ساتھ ایک فقیر مع اس کے کنبہ کے ملا دوں۔ جب تم لوگ اپنے تجارتی کارواں لے کر موسم

گرما اور موسم سرما میں شام اور یمن کی طرف جاؤ تو تمہارے یہ نادار بھائی تمہارا ہاتھ بٹائیں اور جب اس کاروبار میں تمہیں نفع ہو تو اس نفع میں تم ان کو شریک کر لو تا کہ وہ تمہارے سایہ میں عزت اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔ فاقہ کشی کے باعث انہیں مرنے کی نوبت نہ آجائے۔ اس طرح یہ احتفاد کی قبیح رسم ختم ہو جائے گی۔ سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ پس حضرت ہاشم نے ہر غنی کے ساتھ ایک مفلس کا ندان ملا دیا۔ اس حکمت عملی سے ساری قوم کو ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع کر دیا۔"(۱۹)

بنو ہاشم اور رسول ہاشمی ﷺ کے جد امجد جناب ہاشم بن عبد مناف تھے، ان کا اصل نام عمرو ہے مگر لوگ انہیں از راہ اعزاز و اکرام عمرو العلا (بلند اقبال عمرو) کہہ کر پکارتے تھے، بے حد وجیہ و حسین تھے اور حسن جسم و قامت کے ساتھ حسن اخلاق بھی عطا ہوا تھا جوانی ہی میں حسن وسیرت کے باعث اہل مکہ اور سرداران عرب میں انہوں نے ایک نمایاں مقام پیدا کر لیا تھا، لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ عبد مناف کا یہ فرزند ارجمند اپنے دادا قصی بن کلاب کا مرتبہ و مقام حاصل کر لے گا، یہ قصی (قاف کے پیش اور صاد کی زبر اور یائے مشدد کے ساتھ) وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ کو ایک شہری ریاست بنا دیا تھا۔ اور اپنی قوم میں عمرانی و جمہوری اور تمدنی و معاشی شعور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں باہمی مشاورت اور جمہوری سوچ بچار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے "دارالندوہ" کا اسمبلی ہال بھی تعمیر کرا دیا تھا، جو مدتوں تک اہل مکہ مکرمہ کے لئے سوچ بچار اور پنچایتی فیصلوں کے لئے ایک قومی مرکز کا کام دیتا رہا تھا!(۲۰)

تاہم عمرو العلا کے لئے ایک اور لقب بھی مقدر ہو چکا تھا، جو انہیں اپنے ایک سخیانہ و کریمانہ اقدام کے طفیل حاصل ہوا اور لوگ احسان مندی کے باعث عمرو العلاء کی اقبال مندی والے لقب کو چھوڑ کر انہیں ہاشم کہنے لگے تھے اور یہ اس قدر مشہور ہوا کہ اصل نام اور پہلا لقب لوگوں کی زبانوں سے غائب ہی ہو گیا، "ھشم" کے معنی ہیں چور چور کر دینا، توڑی کی طرح باریک باریک ٹکڑے بنا دینا قرآن کریم میں توڑی اور فصل یا گھاس کے ریزوں کے لئے ھشیم کا لفظ آیا ہے "ہاشم" عالم عاقل اور شاعر کی طرح فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی بنتے ہیں توڑی کی طرح باریک باریک ٹکڑے بنانے والا یا چوری تیار کرنے والا، عرب روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے گاڑھے شوربے میں بھگو کر تر کر دیتے ہیں اور اپنی اس

چوری کو ''ثرید'' کہتے ہیں!

ہوا یوں کہ نوجوان ہاشم مال تجارت لے کر رحلۃ الصیف یعنی موسم گرما کے تجارتی سفر پر شام گئے تھے، کافی مدت گزر گئی جب مال تجارت کے منافع وصول کر کے واپسی کا وقت آیا تو ''عمرو العلا'' کو اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ شدید قحط کی زد میں ہے اور لوگ بھوک سے بلبلا رہے ہیں، عبد مناف کے سخی اور اولو العزم فرزند نے مال تجارت سے اہل مکہ کا استحصال کرنے اور ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی قوم کے لوگوں کی بھوک مٹانے کا فیصلہ کیا، تمام اندوختہ سرمایہ سے آٹا اور روٹیاں خریدیں اور اونٹوں پر لاد دیں، مکہ مکرمہ واپس پہنچتے ہی تمام اونٹ ذبح کر کے گوشت پکوانے کا حکم دیا، روٹیوں کے باریک باریک ٹکڑے کروائے اور گاڑھے شوربے میں ڈال کر ثرید یا ''عربی چوری'' تیار کرا دی، بڑے بڑے تھال طباق بھر کے رکھ دیئے پھر اعلان کر دیا کہ تمام مکہ والے آئیں اور اپنی بھوک کا ازالہ کریں، اہل مکہ نے عمرو بن عبد مناف کی ثرید یعنی عربی چوری خوب سیر ہو کر کھائی، یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔(۲۱)

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اب قحط سالی کے بھاگنے اور خوشحالی کے آ پہنچنے کا مرحلہ بھی آ گیا تھا، لوگ خوشحالی کے موسم کی آمد آمد سے قحط سالی کو بھول ہی گئے، لیکن وہ عمرو العلا کو بھول کر عبد مناف کے ایک نئے بیٹے سے آشنا ہو گئے تھے، اب انہیں عمرو العلا کے بجائے سب ''ہاشم'' یعنی چوری والا کہنے لگے، یہ سخاوت اور کڑے وقت میں دریا دلی لوگوں کے دلوں پر نقش ہو گئی تھی وقت کے شعراء نے ہاشم بن عبد مناف کی دل کھول کر مدح وستائش کی۔

حضرت ہاشم کا نام عمرو یا عمر تھا یہ اور عبد شمس جوڑے کے بھائی تھے جب پیدا ہوئے تو ہاشم کے پاؤں کا انگوٹھا عبد شمس کے سر کے ساتھ چسپاں تھا، اس کو الگ کرنے کے لئے تیز دھار آلہ استعمال کیا گیا جس سے خون کے چند قطرے ٹپک پڑے۔ لوگوں نے از راہ قیافہ کہنا شروع کیا کہ ان کی اولاد کے درمیان خونریزی ہوگی۔

ہاشم اور ان کے بھائیوں کو المجیر ون یعنی پناہ دینے والے کہا جاتا۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی سخاوت اور سیادت کے باعث سارے عرب کے لئے بہترین پناہ گاہ تھے۔

ایک دفعہ قحط سالی کے باعث شدید فاقہ تک نوبت پہنچ گئی لوگوں کو کئی کئی روز تک کھانے کے لئے کچھ میسر نہ آتا۔ ہاشم مکہ سے شام گئے وہاں سے آٹا اور کعک خریدا اور حج کے ایام میں لدے ہوئے

اونٹوں کے ساتھ مکہ واپس آئے۔ روٹیاں پکائی گئیں۔ اونٹ قطار در قطار ذبح ہوتے رہے ان کے گوشت کو پکایا گیا سالن کے شوربے کوٹ کوٹ کر ڈالی گئیں اور ثرید بنایا گیا تمام لوگوں کے لئے دسترخوان بچھایا گیا اور سب کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ سب نے خوب کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے اس وجہ سے آپ کو ہاشم کہا جانے لگا۔ ہاشم کا معنی ہے روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں ملانے والا۔

آپ کو ابوالبطحاء اور سید البطحاء بھی کہا جاتا عسر و یسر میں ان کا دسترخوان مہمانوں کے لئے بچھا رہتا۔ شعراء عرب نے ہاشم کی مدح سرائی میں خوب طبع آزمائی کی ہے آپ کی ضیافت طبع کے لئے بطور نمونہ ایک قطعہ حاضر ہے۔

ایک صحابی سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باب بنی شیبہ کے پاس دیکھا وہاں سے ایک شخص گزرا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

یایها الرجل المحول رحله الا نـزلت بال عبد الدار

''اے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا کیا ہوا ہے کیا تو عبدالدار کی اولاد کے پاس مہمان نہیں ٹھہرا۔''

هبلتک امک لو نزلت برحلهم منعوک من عدم ومن اقتار

''تیری ماں تجھے روئے اگر تو ان کے صحن میں اترتا تو وہ تجھے افلاس اور تنگ دستی سے بچا لیتے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سنا تو حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا شاعر نے یوں ہی کہا۔ صدیق اکبر نے عرض کیا'' **لا والـذی بـعثک بـالحق**'' اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمای ہے شاعر نے ایسا نہیں کہا بلکہ اس نے یوں کہا ہے۔

یایها الرجل المحول رحله الا نزلت بال عبد مناف

''اے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا کیا ہوا ہے کیا تو عبدمناف کی اولاد کے پاس مہمان نہیں ٹھہرا۔''

هبلتک امک لو نزلت برحلهم منعوک من عدم ومن اقراف

''تیری ماں تجھے روئے اگر تو ان کے صحن میں اترتا تو وہ تجھے افلاس اور تنگ دستی سے بچا لیتے۔''

الخالطین غنیهم بفقیرهم حتیٰ یعود فقیرهم کالکافی

''وہ اپنے غنی کو اپنے فقیر کے ساتھ مال دیتے ہیں۔ یہاں تک ان کا فقیر ان کے ہاں سے جب لوٹتا ہے تو وہ بھی ایک غنی کی طرح اپنی ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے۔''

یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا میں نے بھی یہ اشعار اسی طرح سنے ہیں۔(۲۲)

شرافت

جب مطلب بن عبد مناف وفات پا گئے، اور وہ عبدالمطلب کا سہارا اور حامی و ناصر تھے، تو نوفل بن عبد مناف نے عبدالمطلب کی وادیوں پر قبضہ کر لیا۔ عبدالمطلب، نوفل کے اس رویے سے بہت پریشان ہوئے۔ اپنی قوم سے اس ظلم پر فریاد کی مگر کسی نے مدد نہ کی۔ پھر آپ نے اپنے ننھیال بنونجار کو ایک قصیدے کی شکل میں خط لکھا اور انہیں مدد کے لئے پکارا۔ اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

یا طول لیلی لأحزانی واشغالی
هل من رسول الی النجار أخوالی
قد کنت فیکم وما اخشی ظلامة ذی
ظلم عزیز امنیعا ناعم البال
حتی ارتحلت الی قومی وازعجنی
لذاک مطلب عمی بتر حالی
فغاب مطلب فی قعر مظلمة
ثم انتری نوفل یعدو علی مالی
فاستغفروا وامنعوا ضیم ابن اختکم
لا تخذلوه فما انتم بخذال (۲۳)

چنانچہ یہ خط پہنچتے ہی بنونجار کی ایک بڑی تعداد مسلح ہو کر پہنچ گئی انہوں نے کعبہ کے صحن مین

اپنے اونٹ بیٹھائے۔ نیزے گاڑھ دیئے اوران پرڈھالیں لٹکا دیں۔ جب نوفل نے انہیں دیکھا تو کہا یہ لوگ ضرور جنگ کے لئے آئے ہیں۔ پھرانہوں نے نوفل سے بات چیت بھی کی تو وہ ڈر گیا اور عبدالمطلب کی تمام وادیاں واپس کردیں، بلکہ کچھ زیادہ دیا اوراپنے فعل پر معذرت بھی کی۔

بنوخزاعہ اور عبدالمطلب کے درمیان معاہدہ نصرت

بلاذری نے ہشام بن الکلبی کی روایت نقل کی ہے کہ جب بنونجار جناب عبدالمطلب کی مدد کے لئے گئے تو خزاعہ کہنے لگے:۔

واللہ ما رأینا بھذا الوادی أحدا احسن وجھا ، ولا أتم خلقا ، ولا اعظم حلما ، ولا أبعد من کل موبقة تفسد الرجال من ھذا الانسان.(۲۴)

’’بخدا اس وادی میں اس انسان (عبدالمطلب) سے زیادہ خوبصورت اورخوش اخلاق آدمی نہیں دیکھا اور نہ ہی فتنہ فساد سے بچنے والا اس سے بڑا حلیم اور بردبار دیکھا ہے۔‘‘

اس کے ننہال نے اس کی مدد کی ہے جبکہ اس نے ہم میں پرورش پائی ہے اس کا دادا عبدمناف ، حبی بنت حلیل بن حبشیہ کا بیٹا ہے جوخزاعہ کے سردار کی بیٹی تھی اگر ہم اس کے ساتھ معاہدہ نصرت کرلیں تو ہم اس سے اوراس کی قوم سے مستفید ہوں گے اور وہ ہم سے نفع حاصل کرے گا۔ چنانچہ ان کے چند سردار عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوالحارث، جس طرح بنونجار کا تمہارے ساتھ نسبی تعلق ہے اسی طرح ہمارا بھی تمہارے ساتھ نسبی تعلق ہے، اور مزید براں ہم تمہارے ہمسایہ بھی ہیں۔ مرورزمانہ نے ہمارے بعض لوگوں کے دلوں میں قریش کے خلاف بغض وکینہ کوختم کردیا ہے۔ لہذا آؤ ہم باہم حلیف و مددگار بن جائیں۔ جناب عبدالمطلب کو یہ بات پسند آئی انھوں نے فورا حلف قبول کر لیا۔ چنانچہ بنوخزاعہ کے تمام سربراہان دارالندوہ میں جمع ہوئے اورایک معاہدہ تحریر کیا۔ جناب عبدالمطلب کے ساتھ بنوعبدالمطلب میں سے سات افراد تھے۔ بنونوفل اور عبدشمس کے لوگ اس معاہدہ میں شریک نہ ہوئے۔ اس معاہدہ کوانہوں نے کعبہ میں لٹکایا۔ اسے ابوقبیس بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب نے تحریر کیا۔ جناب عبدالمطلب نے اسی روز لبنی بنت ھاجر بن عبدمناف بن ضاطر سے شادی کی جس نے ابولہب

کوجنم دیا، اورانہیں دنوں ممنعہ بنت عمرو بن مالک بن مؤمل سے بھی جس نے غیداق پیدا ہوا۔(۲۵)

بلاذری نے مذکورہ معاہدہ نصرت کا مکمل متن نقل کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:۔

هذا ما تحالف عليه عبد المطلب بن هاشم و رجالة عمرو بن ربيعة من خزاعة ومن معهم من أسلم و مالک ابنى افصى بن حارثة. تحالفوا على التناصر والمؤاساة ما بل بحر صوفة ، حلفا جامعا غير مفرق ، الأشياخ على الأشياخ ، والأصاغر على الأصاغر ، والشاهد على الغائب ، وتعاهدوا وتعاقدوا أو كد عهد ، وأوثق عقد ، لا ينقض ولا ينكث ما شرقت شمس على ثبير ، وحن بفلاة بعير ، وما قام الاخشبان ، وعمر بمكة انسان ، حلف أبد ، لطول أمد ، يزيده طلوع الشمس شدا ، وظلام الليل مدا . وان عبد المطلب وولده ومن معهم دون سائر بنى النضر بن كنانة ، ورجال خزاعة متكافتون ، متضافرون ، متعارنون. فعلى عبد المطلب النصرة لهم ممن تابعه على كل طالب وتر ، فى بر أو بحر ، أو سهل أو وعر. وعلى خزاعة النصرة لعبد المطلب وولده ومن معهم على جميع العرب ، فى شرق أو غرب ، أو حزن أو سهب. وجعلوا الله على ذلک كفيلا ، وكفى به.(۲۶)

’’یہ معاہدہ ہے جو عبدالمطلب بن ہاشم کے درمیان اور خزاعہ میں سے عمرو بن ربیعہ کے لوگوں اور ان کے حلیف افضی بن حارثہ کے بیٹوں اسلم اور مالک کے درمیان طے پایا۔انہوں نے نصرت و مدد پر معاہدہ کیا جب تک سمندر اون کو تر کرسکتا ہے۔ایک جامع معاہدہ جس میں کسی قسم کی تفریق نہیں۔بزرگوں نے بزرگوں کے ساتھ۔کم سنوں نے کم سنوں کے ساتھ ۔حاضر نے غیر حاضر کے ساتھ۔ان سب نے باہمی معاہدہ اور پکا عہد لیا اور

مضبوط عقد کیا، جو نہ ٹوٹے گا اور نہ کمزور ہوگا جب تک سورج مکہ کی پہاڑیوں میں چمکتا رہے گا، صحراء میں اونٹ بلبلاتے رہیں گے۔ دن رات قائم رہیں گے، اور مکہ میں انسان آباد رہیں گے۔ دائمی اور طویل المدت حلف جسے ہر روز سورج کا طلوع ہونا مزید مضبوط بنائے گا۔ اور رات کا اندھیرا اسے طوالت عطا کرے گا۔ اور بے شک عبدالمطلب اور اس کی اولاد اور تمام بنو نضر بن کنانہ میں سے جو ان کے ساتھ ہیں اور خزاعہ کے تمام لوگ باہم ہم پلہ، ایک دوسرے کے ساتھ متعاون ہوں گے۔ عبدالمطلب پر لازم ہے کہ ان کی اور ان کے پیروکاروں کی ان کے دشمنوں کے خلاف خشکی، تری، میدان اور پہاڑ ہر جگہ نصرت واعانت کرے اور خزاعہ پر لازم ہے کہ عبدالمطلب ان کی اولاد اور تمام عربوں میں سے، مشرق و مغرب، ہموار و چٹیل میدانوں میں جو ان کے ساتھ ہیں، ان کی نصرت واعانت کریں۔ اور اس معاہدہ پر انہوں نے اللہ کو گواہ بنایا اور وہی کافی ہے۔

جناب عبدالمطلب نے اس موقع پر فرمایا:۔

سأوصی زبیرا ان اتتنی منیتی بامساک ما بینی و بین بنی عمرو

چنانچہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے زبیر کو وصیت کی اور زبیر نے اپنے بھائی ابوطالب کو وصیت کی۔ پھر ابوطالب نے اپنے بھائی عباس کو وصیت کی۔ ابن الکلبی (م۲۰۴ھ/۸۱۹ء) نے کہا ہے کہ یہی وہ حلف ہے جس کا عمرو بن سالم الخزاعی نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنے اس شعر میں ذکر کیا ہے:(۲۷)

لا ھم انی ناشد محمدا حلف أبینار وأبیه الاتلدا(۲۸)

شرافت وحیاء

حضرت ہاشم جس شام کو ذی الحجہ کا چاند نظر آتا صبح سویرے حرم میں تشریف لاتے اور کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔

اے گروہ قریش تم عرب کے سردار ہو۔ تمہارے چہرے بڑے

حسین ہیں۔تم زیرک اور دانشمند ہو۔اے گروہ قریش ! تم اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا متولی ہونے کی عزت عطا فرمائی ہے۔اور اس کا ہمسایہ بننے کی خصوصیت سے نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے والے اوراس کا ادب واحترام کرنے والے ابھی آئیں گے۔اوروہ اس کے مہمان ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی عزت وتکریم کرنے کے تم زیادہ حق دار ہو۔پس تم اس کے مہمانوں اوراس کے گھر کے زائرین کی عزت کرو۔اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اتنا سرمایہ ہوتا تو میں خود ہی یہ سارا بوجھ اٹھاتا۔میں اپنے پاکیزہ اورحلال مال سے اس مقصد کے لئے کچھ حصہ نکالوں گا ایسا مال جس کے حاصل کرنے میں نہ قطع رحمی کی گئی ہے اور نہ ظلم روا رکھا گیا ہے۔اور نہ اس میں کچھ حرام داخل ہے۔میں تم سے یہ التماس کرتا ہوں کہ جو چاہے اس نیک مقصد کے لئے مالی تعاون کرے۔کوئی آدمی ایسا مال نہ دے جو پاکیزہ نہ ہو جس کے حصول میں کسی کے ساتھ ظلم کیا گیا ہواور کسی سے زبردستی چھینا گیا ہو۔اہل مکہ آپ کی اس دعوت کو بسر وچشم قبول کرتے اور بڑھ چڑھ کر مالی تعاون کرتے۔یہ سب چیزیں دار الندوہ میں جمع کر دی جاتیں۔(۲۹)

حضرت ہاشم کا ایک خطبہ جو فصاحت و بلاغت کے علاوہ حکیمانہ اقوال کا ایک مرقع زیبا ہے۔اس کے مطالعہ سے حضرت ہاشم کی بلند نظری اورقوم کی اصلاح وفلاح کے لئے حکیمانہ انداز فکر کی گہرائیوں اور وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔وہ مکارم اخلاق جن سے ان کی ذات متصف تھی اس کا بھی کو کچھ نہ کچھ علم ہو جائے گا۔

قریش اورخزاعہ کے دو قبیلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باہمی منافرت میں ان سے فیصلہ چاہا کہ بجائے اس کے کہ آپ ایک قبیلہ کے فضائل بیان کرتے اوردوسرے کی کمزوریوں اوررذائل کا ذکر کرتے۔آپ نے بڑے نرالے انداز سے ان کے متنفر دلوں کو جوڑنے کی اوراخوت ومحبت کے رشتہ میں پرونے کی سعی مشکور فرمائی۔

''اے لوگو! ہم آل ابراہیم ہیں اولاد اسماعیل ہیں نضر بن کنانہ کے فرزند ہیں قصی بن کلاب کے بیٹے ہیں اور مکہ کے مالک ہیں اور حرم میں رہنے والے ہیں۔حسب کی بلندی اور بزرگی کی پختگی ہمارے لئے ہے۔جس نے کسی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے اس کی مدد ضروری ہے۔اور اگر وہ پکارے تو اس کو لبیک کہنا لازمی ہے بجز اس کے کہ اس کی دعوت اپنے قبیلہ سے سرکشی اور قطع رحمی کی ہو۔اے قصی کے بیٹو! تم اس طرح ہو جس طرح درخت کی دوٹہنیاں ہوتی ہیں اگر ان میں سے ایک ٹوٹ جائے تو دوسری بھی وحشت اور نقصان سے دوچار ہوتی ہے تلوار کی حفاظت اس کی نیام ہی سے ہوسکتی ہے جو آدمی اپنے قبیلہ پر تیراندازی کرتا ہے وہ خود بھی تیر کا نشانہ بنتا ہے اے لوگو! حلم اور بردباری بزرگی ہے صبر کامیابی کی کلید ہے۔اچھائی ایک خزانہ ہے اور سخاوت سرداری ہے اور جہالت کمینگی ہے۔دن بدلتے رہتے ہیں زمانہ تغیر پذیر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنے کام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اپنے عمل کے باعث اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔اچھے کام کرو لوگ تمہاری تعریف کریں گے فضول باتوں سے دامن کش رہو۔بے وقوف لوگ تم سے علیحدہ رہیں گے۔اپنے ہم نشین کی عزت کرو تمہاری مجلسیں آباد رہیں گی اپنے شریک کار کی حفاظت کرو لوگ تمہاری پناہ لینے کے مشتاق ہوں گے۔اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرو۔تم پر اعتماد کیا جائے گا۔مکارم اخلاق کی پابندی کرو کیونکہ اس میں تمہاری بلندی ہے اور کمینہ عادتوں سے دور رہو کیونکہ اس سے عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ناموری کا قصر منہدم ہوجاتا ہے۔''(۳۰)

رذائل سے پرہیز

ایک یہودی ہمسایہ کے خون بہا کا مطالبہ

جناب عبدالمطلب قریش کے دانشوروں اور سرداروں میں سے تھے، اور حرب بن امیہ آپ کا ہمدم و ہم نشین تھا۔آپ کے ہمسایہ میں ایک یہودی رہتا تھا جو تہامہ کے بازاروں میں کاروبار کرتا

تھا۔حرب کو اس کی دولت کمانا پسند نہ آیا اور اسنے چند قریشی نو جوانوں کو اس یہودی کو قتل کرنے اور اس کا مال لوٹنے پر آمادہ کیا اور انہیں یقین دلایا کہ اس یہودی کا خون رائیگاں جائے گا اور کوئی اس کا مطالبہ نہ کرے گا اور ان سے کہا:

واللہ قتلتموہ واخذتم مالہ ، ما خفتم تبعۃ ولا عرض لکم احد یطلب بدمہ۔

''بخدا اگر تم اسے قتل کر دو اور اس کا مال چھین لو تو تمہیں کسی قسم کے تاوان کا ڈر نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے خون کا مطالبہ کرے گا۔''

چنانچہ عامر بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی اور صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ نے اسے قتل کر دیا۔عبدالمطلب اپنے پڑوسی کے قتل پر بہت پریشان ہوئے۔انہیں قاتلوں کا علم نہ ہو سکا مگر وہ مسلسل تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد انہیں اس قتل کا سراغ مل گیا۔وہ حرب بن امیہ کے پاس آئے۔اسے اس کے جرم پر سرزنش کی اور اپنے ہمسایہ کے خون بہا کا مطالبہ کیا۔حرب نے دونوں قاتلوں کو اپنی پناہ میں چھپا دیا اور عبدالمطلب کے حوالے نہ کیا۔جھگڑا طول پکڑتا گیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو اپنا ثالث بنایا۔لیکن اس نے ثالثی سے انکار کیا اور یہ معاملہ نفیل بن عبدالعزیٰ کے حوالے کر دیا۔(۳۱)

نفیل نے فیصلہ سناتے ہوئے حرب سے کہا:۔

یا ابا عمرو ، أتنافر رجلا ھو اطول منک قامۃ ، وأوسم منک وسامۃ ، وأعظم منک ھامۃ ، وأقل منک لامۃ ، وأکثر منک ولدا ، وأجزل منک صلۃ۔

'کیا تو ایسے شخص سے منافرہ کرتا ہے جو قد و قامت میں تم سے زیادہ بلند ہے۔تجھ سے زیادہ وجاہت والا ہے۔تجھ سے زیادہ بڑے سر والا ہے۔ملامت والی باتوں میں تم سے کم ہے۔تم سے زیادہ اولاد والا ہے۔اور تم سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔''

اس نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دے دیا جس پر حرب غضب ناک ہو گیا، نفیل کو برا بھلا کہا اور کہنے لگا:

من انتکاس الدھر ان جعلتك حکماً۔

''یہ زمانے کے نقص وفساد کی دلیل ہے کہ میں نے تجھے اپنا ثالث بنایا۔''

عبدالمطلب نے اس واقعہ کے بعد حرب کی دوستی ترک کر دی اور عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کو اپنا ہمدم وہم نشین بنالیا اور حرب سے سو اونٹ خون بہا لے کر مقتول یہودی کے عم زاد کے حوالے کر دیئے۔(۳۲)

مذکورہ بالا تقاضوں سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تمام آباء واجداد مومن و موحد تھے۔ تمام توحید پرست تھے۔ کہیں بھی ان میں شرک نظر نہیں آتا اپنی تمام زندگی اللہ کی اطاعت میں گزاری اور دین حنیف پر قائم رہے۔ احادیث مبارکہ میں جو ایمان کی صورتیں نظر آتی ہیں مثلاً شرافت، سخاوت، حیاء، برائیوں سے بچنا اور ایک خدا کی عبادت کرنا یہ تمام اقصاف خاندان مصطفیٰ ﷺ میں نظر آتے ہیں اور اس بحث سے معلوم ہوگا کہ مذکورہ لوگ دین حنیف پر قائم تھے۔

حوالہ جات وحواشی

پہلی فصل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا دائرہ کار اور اہل فترت کی اقسام

(۱) الصف : ٦

(۲) ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری، ۵/۲۱۲

(۳) انجیل متی باب ۱۵، آیت ۲۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲

(۴) انجیل متی باب نمبر ۱۰ آیت نمبر ۶ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲

(۵) انجیل برناباس باب ۸۲ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۲

(٦) مسالک الحنفاء

(۷) بحوالہ ضیاء النبی، پیر کرم شاہ، ۱/۴۴۲

(۸) طبقات ابن سعد: ۱/۱۴۵

(۹) الروض الانف، سہیلی: ۱/۱۱۳

(۱۰) دلائل النبوۃ شریف للبیہقی ، ۱/۱۵۰

(۱۱) مواہب اللدنیہ ، امام قسطلانی: ۱/۳۳ ، شرح مواہب اللدنیہ، امام زرقانی: ۱/۱۷۹

(۱۲) ضیاء النبی، پیر کرم شاہ، ۱/۴۴۲ بحوالہ سیرۃ النبویہ، زینی دحلان ۲/۲۵۴

(۱۳) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی، امام سیوطی: ۴۵

(۱۴) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، امام ابن حجر عسقلانی، ۳/۲۴۵

(۱۵) جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم: ۲۷۹

(۱٦) دلائل النبوۃ، ابونعیم: ۲۵ ، اعلام، زرکلی: ۵/۱۹٦

(۱۷) شرح مواہب اللدنیہ، امام زرقانی: ۱/۱۷۹

(۱۸) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ابن حجر، ۲/۲۴۵

(۹) ایضاً
(۲۱) معجم الکبیر، امام طبرانی: ۲۳۴
(۲۲) سبل الہدیٰ والرشاد، علامہ شامی: ۱/ ۲۵۶
(۲۳) ایضاً: ۱/ ۱۶۴، ۱۶۸ ، تفسیر جامع البیان، امام طبری: ۷/ ۵۶ ، مسند امام احمد بن حنبل: ۲/ ۲۷۵
(۲۴) ایضاً
(۲۵) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی،
(۲۶) الروض الانف، سہیلی: ۱/ ۱۱۳
(۲۷) جامع البیان، امام طبری: ۲/ ۱۵۶
(۲۸) المائدہ: ۱۰۳
(۲۹) المائدہ: ۱۰۴
(۳۰) بنی اسرائیل: ۹۴
(۳۱) حم السجدہ: ۱۱۴
(۳۲) الدرجة المنیفة، امام سیوطی، ۲۳
(۳۳) معجم الکبیر، امام طبرانی: ۲۳۴
(۳۴) طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۴۵
(۳۵) الروض الانف۔ امام سہیلی: ۱/ ۱۱۵
(۳۶) شرح مواہب اللدنیہ، امام زرقانی: ۱/ ۱۷۹

زمانہ فترت میں ایمان کے تقاضے

(۱) ابن حجر العسقلانی ، فتح الباری:۱۴۶/۷

(۲) المحبر ، ابن حبیب :ص۲۴

(۳) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۷/۱

(۴) ایضاً

(۵) جمہرۃ انصاب العرب، ابن حزم، ص۱۴۔۱۵، سبل الہدیٰ، ج۱, ص۳۱۵

(۶) السیرۃ الحلبیہ، ج،۱،ص۶، ۴۷،ابن سعد، ج۱،ص۸۶

(۷) ایضاً

(۸) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۹/۱

(۹) نهاية الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ، ص۳۶۶

اسماء القبائل وانسابها ، القزوینی ، :ص۲۴۵

(۱۰) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۵/۱

(۱۱) جامع الترمذی ، امام الترمذی ،کتاب المناقب ، باب فی فضل النبی صلی الله علیه وسلم:۵۸۳/۵

(۱۲) سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ۲۸۲

(۱۳)سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۷۹/۱

(۱۴)انساب الأشراف ، البلاذری :۵۲/۱

(۱۵)انساب الأشراف ، البلاذری :۵۱/۱

(۱۶) الروض الأنف ، السهیلی ، ۲۸/۱

(۱۷)انساب الاشراف ، البلاذری:۶۰/۱ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد : ۱۰۷/۱،سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۲۶۹/۱

(۱۸)انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۶۰ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۰۷
سبل الھدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۶۹

(۱۹) سبل الہدیٰ والرشاد،شامی ا/ ۳۱۷

(۲۰) ایضاً

(۲۱) انساب الاشراف،البلاذری ا/ ۵۸

(۲۲)بلوغ الارب،علامہ محمود شکری آلوسی،۲/۲۸۳

(۲۳)انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۶۸

(۲۴)کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۲۔السیرۃ النبویۃ ، ابن ھشام :
۱/۲۰۵۔ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۸۶

(۲۵) انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۴۸

(۲۶)انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۷۱

(۲۷)الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۲۰

(۲۸)ایضاً

(۲۹)الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۰۷

(۳۰)سبل الھدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۶۹

(۳۱) ابن حزم ، جمہرۃ انساب العرب ،ص۱۵۰

(۳۲)الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۲۴

تیسرا باب

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

پہلی فصل

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آباء واجداد
حضرت عدنان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بن ہاشم تک

علم نسب ایک فضیلت والا علم ہے اس حقیقت کا انکار کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔ اور ویسے بھی عرب کی قوم ایسی قوم تھی جو اپنے آباء واجداد پر فخر کیا کرتی تھی اور ان کی شرافت و بزرگی کا تذکرہ کرتی اور حسب ونسب پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ ایسے میں ضروری تھا کہ اللہ رب العزت اپنے پیارے نبی کو ایسے خاندان میں سے بھیجتا جس کے حسب ونسب پر کوئی طعن نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ددھیال اور ننھیال میں عرب کے بہترین قبیلہ، بہترین قوم اور بہترین شاخ میں سے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا شجرہ نسب محترم اور نامور شخصیات پر مشتمل ہے۔ وہ سب کے سب اپنے دور میں اپنی قوم کے سردار اور رہنما تھے اور معاشرے میں کلیدی حیثیت رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ مبارکہ کی ہر کڑی شرافت وعظمت کا پیکر تھی۔ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا خاندانی سلسلہ اور نسب نامہ اس وضاحت وتحقیق کے ساتھ محفوظ نہیں۔ یہ فضیلت و مرتبہ صرف اسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جسے اللہ رب العزت نے انتخاب در انتخاب کے ذریعے چنا ہے۔ ذیل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اجداد کا ذکر ہے جن کے کرداروں کو اللہ رب العزت نے ہر قسم کی آلائشوں سے محفوظ رکھا۔

(ا) عدنان بن اُدّ

جناب حضرت عدنان اکیسویں پشت میں ہمارے آقا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں۔ آپ کی کنیت ابو معد تھی۔ (ا)

عباسی دور کا عظیم وجلیل شاعر علی ابن الرومی کہتا ہے:

وکم أب قد علا بابن ذریٰ شرف کما علا برسول الله عدنان

''یعنی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ اپنے کسی فرزند کے فضل وکمال کے باعث باپ بھی عز وشرف کی چوٹیوں پر فائز ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے طفیل جدالعرب حضرت عدنان سربلندی سے سرفراز ہو گئے!

آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ یہ غلاف چمڑے کے ٹکڑوں سے تیار کیا گیا تھا۔(۲)

جناب حضرت عدنان کے دو بھائی **نبت بن اُدّ** اور **عمرو بن اُدّ** تھے اور ان سب کی والدہ کا نام **المتمطرہ بنت علی** تھا جو قبیلہ جرہم یا جدلیس سے تھیں۔ مصعب الزبیری اور ابن حزم نے جناب حضرت عدنان کے دو بیٹوں معبد بن حضرت عدنان اور الحارث بن حضرت عدنان کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ الحارث کو ہی عک کہا جاتا ہے۔ مصعب الزبیری نے ان دونوں کی ماں کا نام **مھدد بنت لھم** ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عدنان کے پانچ بیٹوں کے نام تحریر کئے ہیں: **معد بن حضرت عدنان ، الدیث بن حضرت عدنان ، ابی بن حضرت عدنان ، العی بن عدنان اور عدین بن عدنان** ۔(۳)

بلاذری کی تحقیق کے مطابق **الحارث** کو **عک** اور **الدیث** بھی کہا جاتا ہے الحارث اور الدیث کے بجائے عک نام زیادہ مشہور ہے۔ عک کے چار بیٹوں کا ذکر ملتا ہے: **الشاهد بن عک ، صحار بن عک** (اس کا نام غالب ہے)، **سبیع بن عک ، قرن بن عک**۔ **الشاهد بن عک** کے دو بیٹے **غافق بنالشاهد** اور **ساعدہ بن الشاهد** تھے۔ **لعسان بن غافق ، مالک بن غافق** اور **قیاتہ بن غافق** . **صحار بن عک** کے تین بیٹے تھے: **السمناۃ بن صحار ، عنس بن صحار** اور **بولان بن صحار** . **لعسان بن غافق** کے تین بیٹے: **اخوثہ ، اسلم** اور **اکرم** تھے ۔ **اکرم** کے تین بیٹے: **وائل ، ریان** اور **خضران** تھے۔ **مالک بن غافق** کے دو بیٹے: **رھنہ** اور **صحار** تھے۔ **قیاتہ بن غافق** کے پانچ بیٹے: **أحدب ، أوفی ، اسلیم ، خدران** اور **اسلم** تھے۔ **رھنہ بن مالک** کے تین بیٹے: **کعب ، طریف** اور **مالک** تھے۔ **صحار بن مالک بن غافق بن الشاهد** کے تین بیٹے: **عبد ، ربیعہ** اور **معاویہ** تھے۔(۴)

(۲) معد بن عدنان

مَـعَـدّ : میم کی فتح ، عین کی فتح اور دال کی تشدید کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔ایک روایت کے مطابق ''مَـعَـدٌ'' اور ''مَـعُـدٌ'' تلفظ بھی کیا گیا ہے اس کی کنیت ابونزار اور ابوقضاعہ اور ابوحیدۃ تھی۔ (۵)

اللہ تعالیٰ نے معد کو عربوں میں اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا کیا تھا۔آپ مکہ مکرمہ میں اپنے ننھال کے ساتھ مقیم تھے جو قبیلہ جرہم سے تھے اور ان دنوں بیت اللہ کے متولی تھے۔معد کی عزت وعظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارمیاً بن خلیقا علیہ السلام کی طرف وحی کی: ''معد بن عدنان کو گروہ عرب سے نکال لاؤ۔'' اس وقت آپ کی عمر صرف بارہ برس تھی، چنانچہ ارمیا نے معد کو اپنے براق پر سوار کیا اور سرزمین شام لے گئے، انہوں نے بنواسرائیل میں پرورش پائی اور وہاں ایک خاتون سے شادی کی جسے معانہ بنت جوشن کہا جاتا تھا۔(۶)

مصعب الزبیری نے معد کے دو بیٹوں نزار بن معد اور قضاعہ بن معد کا ذکر کیا ہے۔جناب معد کی ماں کا نام معانہ بنت جوشم لکھا ہے اور قضاعہ کی ماں کا نام عکبرہ بتایا ہے جو قبیلہ سبا کی ایک خاتون تھی۔ جناب معد نے اس کے ساتھ شادی کی اور اس نے قضاعہ کو معد کے بستر پر جنم دیا۔لیکن بعد میں قضاعہ کی نسبت **حمیر** کی طرف ہوگئی۔اور اسے **قـضـاعـه بـن مالک بن حمیر بن سبأ** کہا گیا۔ (۷)

ابن حزم نے جناب معد کے پانچ بیٹوں کا ذکر کیا ہے: **نـزار بـن مـعد** ، **اياد بن معد** ، **قـنص بن معد** جو حیرہ کے شاہان مناذرہ کا جد اعلیٰ تھا، **عبيـد الـرماح بن معد** اور **الـضحاک بن معد** جس نے چالیس شہسواروں کے ساتھ بنواسرائیل پر حملہ کیا تھا۔(۸)

بلاذری نے جناب معد کے چودہ بیٹوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) نزار بن معد	**(۲) قنص بن معد**
(۳) قضاعه بن معد	**(۴) قناصه بن معد**
(۵) سنام بن معد	**(۶) العرف بن معد**
(۷) عوف بن معد	**(۸) شک بن معد**

(۹) حیدان بن معد (۱۰) حیدہ بن معد

(۱۱)عبید الرماح بن معد (۱۲)جنید بن معد

(۱۳)جنادہ بن معد (۱۴)القحم بن معد۔(۹)

علامہ شامی نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے سترہ بیٹے تھے، جن میں سے نو بے اولاد تھے اور آٹھ صاحب اولاد تھے اور ان کی نسل چلی۔ان کے نام یہ ہیں: **قضاعہ بن معد ، نزار بن معد ، ایاد بن معد ، حیدان بن معد ، عبید الرماح بن معد ، جنید بن معد ، سنام بن معد اور قنص بن معد ۔(۱۰)**

نزار کے علاوہ یہ سب یمن ہجرت کر گئے اور وہیں پر مقیم ہوئے ۔ قضاعہ اپنے والد کی پہلی اولاد تھا۔ اس کا نام عمرو تھا اور قضاعہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ بلاذری نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قضاعہ کی ماں نے دوسری شادی **مالک بن عمرو بن مرہ بن مالک بن حمیر** کے ساتھ کی، وہ قضاعہ کو بھی ساتھ لے گیا، اسے متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا اور وہ اس کی طرف منسوب ہوگیا۔ چنانچہ جب وہ اپنی قوم سے جدا ہوکر دور چلا گیا تو انہوں نے اسے قضاعہ کا لقب دیا اور کہا: ''**تقضع عن قومه**'' وہ اپنی قوم سے دور ہوگیا۔(۱۱)

علامہ شامی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب جناب معد بن عدنان کی اولاد کی تعداد چالیس افراد ہوگئی، تو ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک لشکر سے سامنا ہوا۔ بنومعد نے **الضحاک بن معد** کی قیادت میں اس لشکر کو قتل کیا، قیدی بنایا اور ان پر فتح پائی۔ بنواسرائیل کی درخواست پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ ان کے لئے بددعا نہ کرو کیونکہ ان میں ایک بڑی شان والا نبی آنے والا ہے، جو **امی و بشیر و نذیر** ہوگیا۔ اس کی امت مرحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی رزق پر راضی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہوگا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ ان کا نبی محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہے جو اپنی ہیبت میں بھی متواضع، حلیم، بردبار ہے۔ میں نے انہیں امت قریش کی بہترین نسل سے نکالا، وہ خیر ہی خیر ہیں اور ان کی امت سراپا خیر ہے۔(۱۲)

(۳) نزار بن معد

نِزار نون کے کسرہ کے ساتھ ''**التنزز**'' (قلیل الوجود ہونا) سے ماخوذ ہے کیونکہ آپ

اپنے زمانے میں یکتا تھے۔(۱۳)

امام سہیلی نے کہا ہے یہ ''النزر'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی قلیل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نزار پیدا ہوئے تو ان کے باپ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے جانور ذبح کئے، سب لوگوں کو کھلایا پلایا اور اس موقع پر کہا:

''هذا نزر قليل في حق هذا المولود .''

اس نومولود کے حق میں یہ سب کچھ بہت کم ہے۔

اسی وجہ سے ان کا نام نزار رکھا گیا(۱۴)

نزار کی کنیت **ابو ایاد** اور **ابو ربیعہ** تھی۔ علامہ شامی نے ایک روایت کے مطابق ان کا اصل نام خلدان ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے وقت میں عرب کے سردار تھے، شاہان وقت کے پاس اُن کی رسائی تھی، وہ دبلے پتلے بدن والے تھے۔(۱۵)

نزار نے **خبیہ بنت عک** اور ایک روایت کے مطابق **سودہ بنت عک** کے ساتھ شادی کی جس سے مضر اور ایاد پیدا ہوئے۔ نزار کی دوسری شادی حدالہ بنت وعلان بن جوشم اور ایک روایت کے مطابق **الشقيقه بنت عک** کے ساتھ ہوئی، جس سے ربیعہ اور انمار پیدا ہوئے۔(۱۶)

ابن حزم کے مطابق قبیلہ خثعم اور بجیلہ، انمار کی اولاد تھے۔ قبائل مضر، قبائل ربیعہ، ایاد کی اولاد، عک کی اولاد، یہ سب لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی واضح وصریح اولاد تھے۔(۱۷)

بلاذری نے انمار کے بارے میں کہا ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر یمن چلا گیا اور ان کے ساتھ تعلق سے انکار کر دیا، اور وہاں قبیلہ اُزد کا حلیف بن کر اراش **بن عمرو بن الغوث** کی طرف منسوب ہوا۔ جو **أزد بن الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کهلان** کا بھائی تھا۔(۱۸)

(۴) مضر بن نزار

اصل نام عمرو اور کنیت ابوالیاس ہے۔ مضر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو قول نقل کئے گئے ہیں

۱۔ یہ لقب اس لئے دیا گیا کہ **''لأنه كان يضير قلب من رآه لحسنه وجماله**

'' (۱۹) کیونکہ وہ اپنے حسن وجمال کی وجہ سے دیکھنے والے کا دل موہ لیتا تھا۔

۲۔ یہ لقب ''**المضیرۃ**'' سے مشتق ہے جس کا معنی دودھ جیسی سفیدی ہے، کہا گیا ہے :''**سمی مضرا لبیاضہ**'' (۲۰) اسے سفید رنگ کی وجہ سے ''**مضر**'' نام دیا گیا۔ اسے **مضر الحمراء** بھی کہا جاتا تھا کیونکہ عرب سفید رنگ والے کو ''**احمر**'' کہتے تھے۔

البلاذری اور علامہ شامی نے ذکر کیا ہے کہ جب نزار کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار کے لئے وصیت کی اور کہا:

''سرخ خیمہ اور اس جیسی دیگر اشیاء مضر کے لئے ہیں، سیاہ چادر اور اس جیسی دوسری چیزیں ربیعہ کے لئے ہیں، سیاہی مائل رنگ والی لونڈی اور اسی جیسی چیزیں ایاد کے لئے ہیں، یہ تھیلی اور میری مسند انمار کے لئے ہے۔'' پھر ان سے کہا: اگر اس وصیت کی تفہیم میں کوئی مشکل پیش آئے اور تقسیم وراثت کے بارے میں اختلاف واقع ہو تو **افعی الجرھمی** (۲۱) کے پاس جاؤ۔ (۲۲)

نزار کی وفات کے بعد تقسیمِ وراثت کا معاملہ مشکل ہو گیا اور ان میں اختلاف رونما ہوا، چنانچہ اس کے بیٹے **افعی الجرھمی** کے پاس گئے۔ دورانِ سفر ایک جگہ مضر نے گھاس دیکھی جسے ایک اونٹ نے کھایا ہوا تھا، مضر کہنے لگا: ''جس اونٹ نے یہ گھاس کھائی ہے وہ ایک آنکھ سے کانا ہے۔'' ربیعہ نے کہا: ''وہ لنگڑا بھی ہے۔'' ایاد نے کہا: ''وہ دم کٹا ہے۔'' اور انمار نے کہا: ''وہ مالک سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔'' وہ چاروں تھوڑی دور چلے تو انہیں ایک بدو ملا، جس کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اس کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ مضر نے اُس سے پوچھا: ''کیا تمہارا اونٹ کانا ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں'' ربیعہ نے کہا: ''کیا وہ لنگڑا ہے؟'' اس بدو نے کہا: ''ہاں'' ایاد نے کہا: ''کیا وہ دم کٹا ہے؟'' بدو نے کہا: ''ہاں'' انمار نے کہا: ''کیا وہ بھاگ گیا ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں، بخدا میرے اونٹ کی یہی نشانیاں ہیں، مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہم نے اُسے نہیں دیکھا۔'' بدو کہنے لگا: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم نے اس کی تمام نشانیاں بتا دی ہیں، میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔'' چنانچہ وہ اُن کے ساتھ ہو لیا، اور یہ سب لوگ **افعی الجرھمی** کے پاس پہنچ گئے۔ (۲۳)

بدو نے **افعی الجرھمی** کو پنا مقدمہ پیش کیا کہ ان چاروں نوجوانوں نے میرے اونٹ کی ساری نشانیاں بتا دی ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں، افعی نے ان سے پوچھا کہ تم نے بغیر

دیکھے نشانیاں کیسے بتا دی ہیں؟ مضر نے کہا: ''میں نے دیکھا کہ اس نے گھاس ایک طرف سے کھائی ہے دوسری طرف کی گھاس چھوڑ دی ہے تو میں نے اندازہ کرلیا کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہے۔'' ربیعہ نے کہا: ''میں نے اس کے ایک پاؤں کا نشان گہرا دیکھا اور دوسرے پاؤں کا نشان کم تھا تو میں نے معلوم کرلیا کہ اس کا ایک پاؤں خراب ہے۔'' ایاد نے کہا: ''میں نے اس کی مینگنیوں کو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ دم کٹا ہے۔'' انمار نے کہا: ''میں نے اس کے مفرور ہونے کو اس طرح پہچانا کہ صرف لمبی گھنی گھاس کھاتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتا گیا تھا۔'' پھر ان سب نے حلف دیا کہ انہوں نے اس اونٹ کو نہیں دیکھا۔ افعی نے بدو سے کہا: ''اِن نوجوانوں کے پاس تیرا اونٹ نہیں ہے، جاؤ اسے تلاش کرو۔''(۲۴)

اِس سارے واقعہ سے ان چاروں بھائیوں کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن ان چاروں بھائیوں کی مزید ذہانت کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

علامہ شامی نے بیان کیا ہے کہ **افعی الجرھمی** نے چاروں بھائیوں کو عمدہ طعام و شراب پیش کیا ،مضر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: '' میں نے اِس سے زیادہ عمدہ شراب نہیں پی، کاش یہ شراب قبر پر اگنے والے انگوروں سے تیار نہ کی گئی ہوتی۔'' ربیعہ نے کہا: ''میں نے آج سے زیادہ لذیذ گوشت کبھی نہیں کھایا، کاش اِس گوشت کو کتیا کا دودھ نہ پلایا گیا ہوتا۔'' ایاد نے کہا: ''میں نے آج سے زیادہ خوشحال میزبان نہیں دیکھا، کاش وہ اپنے اُسی باپ کا ہوتا جس کے ساتھ وہ پکارا جاتا ہے۔'' انمار نے کہا: ''میں نے آج سے زیادہ فائدہ مند گفتگو نہیں سنی۔''(۲۵)

افعی چھپ کر ان کی یہ باتیں سن رہا تھا، کہنے لگا: ''یہ چاروں شیطان ہیں۔'' پھر وہ اپنی ماں کے پاس آیا اور اُس پر تلوار سونت کر اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا: ''تمہارا باپ قوم کا سردار تھا لیکن وہ بانجھ تھا، سرداری چلے جانے کے خوف سے میں نے ایک مہمان کو اپنے آپ پر قدرت دے دی تو تم اس سے پیدا ہوئے۔ پھر افعی نے شراب فروش سے شراب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: ''یہ انگور کی اس بیل سے تیار کی گئی ہے جو تمہارے باپ کی قبر پر میں نے اگائی تھی۔'' پھر اس نے چرواہے سے بکری کے گوشت کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا: ''یہ اس بکری کا گوشت تھا جس کو ہم نے ایک کتیا کا دودھ پلا کر پالا تھا۔'' پھر وہ چاروں بھائیوں کے پاس آیا اور مضر سے پوچھا: ''تمہیں شراب

کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟'' کہنے لگا: ''کیونکہ یہ شراب پی کر مجھے شدید پیاس لگ گئی تھی۔'' ربیعہ سے پوچھا: ''گوشت کے بارے میں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' اُس نے کہا: ''کیونکہ کتے کا گوشت چربی پر چڑھا ہوا ہوتا ہے جبکہ بکری کے گوشت میں چربی گوشت پر چڑھی ہوتی ہے۔'' پھر ایاد سے پوچھا: ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میرا نسب اپنے باپ سے نہیں؟'' کہنے لگا: ''کیونکہ کھانا رکھا گیا اور تو ہمارے ساتھ دسترخوان پر نہیں بیٹھا تو میں نے پہچان لیا کہ تیری اصل گھٹیا ہے۔''(۲۶)

بعدازاں انہوں نے افعی کو اپنے باپ کی وصیت سے آگاہ کیا اور تقسیم کے بارے میں اپنے اختلافات بتائے تو اس نے کہا: ''سرخ خیمہ اور اس سے مشابہ اشیاء یعنی دینار اور اونٹ مضر کے لئے ہیں، سیاہ چادر اور اس سے مشابہ مال یعنی سیاہ رنگ کے گھوڑے ربیعہ کے لئے ہیں، سیاہی مائل کنیز اور اس سے مشابہ مال یعنی جانور، بکریاں، باپ کا عصا اور چند ملبوسات ایاد کے لئے ہیں، درہموں کی تھیلی اور زمین انمار کے لئے ہے۔''(۲۷)

جناب مضر پہلے شخص ہیں جنھوں نے اونٹوں کو مانوس کرنے اور ان کی رفتار تیز کرنے کے لئے حدی خوانی کی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ عہد شباب میں وہ اپنے اونٹ سے گر پڑے اور ان کا بازو ٹوٹ گیا اور انھوں نے چیخنا شروع کیا: ہائے میرا بازو: وہ بہت خوش آواز تھے۔ ان کی آواز سن کر نزدیکی چراگاہ سے اونٹ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر جب وہ تندرست ہو گے تو اونٹ پر سوار ہو کر حدی خوانی کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے ایک غلام کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور وہ چلایا تو اونٹ اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس غلام کو حدی خوانی کے لئے استعمال کیا گیا۔(۲۸)

امام سہیلی اور بلاذری نے جناب مضر اور ربیعہ کے ایمان کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے:

''لا تسبوا مضر ولا ربيعة فانهما كانا مؤمنين''(۲۹)

مضر اور ربیعہ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ دونوں مومن تھے

ابن حبیب نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے:

''مات أدد والد عدنان، وعدنان، ومعد، و ربيعة، و مضر، و قيس عيلان، و تيم، و أسد، و ضبة، و خزيمة على الاسلام، على ملة ابراهيم عليه

السلام''۔(۳۰)

جب اد کی وفات ہوئی، جو حضرت عدنان کا والد تھا، تو عدنان ، معد ، ربیعہ ، مضر ، قیس ، عیلان ، تیم ، اسد ، ضبہ اور خزیمہ اسلام پر اور ملت ابراہیم پر تھے۔

جناب مضر بڑے دانا شخص تھے، کئی اقوال حکمت ان کی طرف منسوب ہیں۔مثلاً:

''من یزرع شرا یحصد ندامة''

جو برائی بوتا ہے وہ ندامت کی فصل کاٹتا ہے۔

''خیر الخیر أعجله ، فاحملوا انفسکم علی مکروهها فیما یصلحکم ، واصرفوها عن هواها فیما أفسدها ، فلیس بین الصلاح والفساد الا صبر فواق۔''(۳۱)

بہترین نیکی وہ ہے جو جلدی کی جائے۔اپنے نفسوں کو ناپسندیدہ چیزوں پر آمادہ کرو جن میں تمہاری اصلاح ہے، اور انہیں خواہشات سے روکو جو انہیں فساد میں مبتلا کرتی ہیں، پس اصلاح اور فساد کے درمیان بہت کم وقفہ ہے ۔

مضر کے دو بیٹے تھے: الیاس اور الناس۔ ثانی الذکر کو عیلان بھی کہا جاتا تھا کیونکہ مضر کے ایک غلام عیلان نے اسے گود لیا ہوا تھا۔اور اس کے بیٹے کو قیس بن عیلان بن مضر کہا گیا جو دراصل قیس بن الناس تھا۔اور ان دونوں کی ماں کا نام الرباب بنت حیدہ بن معد بن عدنان تھا، اور ایک روایت کے مطابق اس کا نام الحنفاء بنت ایاد بن معد تھا۔(۳۲)

(۵) الیاس بن مضر

الیاس کے تلفظ کے بارے میں کتب انساب میں اختلاف بیان کیا گیا جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) شروع میں ہمزہ وصل مفتوحہ ہے اور لام تعریف ہے۔یہ ''الیأس'' (ناامیدی) سے مشتق ہے جو ''الرجاء'' (امید) کا متضاد ہے۔(۳۳)

(۲) ابتداء میں ہمزہ قطعی ہے اور یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے: ''رجل ألیس''

أليس آدمی سے مراد وہ بہادر ہے جو فرار نہ ہو۔(۳۴)

(۳) سل اور کمزوری کو بھی الیأس کہا جاتا ہے اس معنی کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:(۳۵)

هو اليأس أو داء الهيام أصابني فاياک عنی لا يكن بک ما بيا (۳۶)

(۴) شیر کو بھی '' أليس '' کہا جاتا ہے اور اس کی جمع '' ألياس '' ہے۔(۳۷)

مشہور یہی ہے کہ ان کا اصل نام الیاس تھا۔ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق ان کا نام حبیب تھا، اور ان کی کنیت ابوعمرو تھی۔(۳۸)

جناب الیاس نے جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ بنو اسماعیل نے اپنے آباء و اجداد کے طور طریقوں کو بدل دیا تھا۔ آپ کو ان کا یہ فعل بہت برا لگا اور آپ نے دین اسماعیل کی تجدید کی کوشش شروع کردی۔

جناب الیاس کی دانائی اور علم و فضل آشکار ہوا تو تمام بنو اسماعیل نے ان کی سرداری پر اتفاق کرلیا اور وہ آپ کا حکم ماننے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے آباء و اجداد کے طور طریقوں کا احیاء کیا اور لوگوں کو ان پر عمل کرایا۔ تمام عرب ان کی اس طرح عزت کرنے لگے جیسے وہ حضرت لقمان اور ان جیسے دیگر داناؤں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ ظاہری حسن و جمال بھی رکھتے تھے۔ آپ پہلے شخص تھے جنھوں نے بیت اللہ کے لئے اونٹوں کا تحفہ دیا۔(۳۹)

ابن ہشام، مصعب الزبیری، البلاذری اور ابن حزم سمیت تمام ماہرین انساب نے جناب الیاس کے تین بیٹوں کا ذکر کیا ہے: **مدرکه ، طابخه اور قمعه**۔ **مدرکه** اور **طابخه** کے نام میں اختلاف ہے۔ ابن ہشام، مصعب الزبیری اور ابن حزم نے مدرکہ کا نام عامر لکھا ہے جبکہ بلاذری نے عمرو لکھا ہے۔ اسی طرح بلاذری نے **طابخه** کا نام عامر بتایا ہے جبکہ باقی تینوں ماہرین انساب نے طابخہ کا نام عمرو بتایا ہے۔(۴۰)

ایک مرتبہ جناب الیاس رزق کی تلاش میں اپنے بیٹوں اور بیوی **لیلی** کے ساتھ روانہ ہوئے۔ دوران سفر اچانک اونٹوں کے درمیان ایک خرگوش آ گیا جس کی وجہ سے اونٹ بدک کر بھاگ نکلے۔ چنانچہ عمرو بن الیاس ان کی تلاش میں نکلے اور انہیں ڈھونڈ لیا۔ اس وجہ سے ان کے باپ نے آپ کا نام مدرکہ (پانے والا) رکھ دیا۔ لیلی اپنے بیٹے کے پیچھے دوڑی تو جناب الیاس نے کہا: ''**این تخند**

فیــن ؟ '' کہاں بھاگی جارہی ہو؟ اس وجہ سے اس کا نام خندف پڑ گیا۔ عامر بن الیاس خرگوش کے شکار کے لئے نکلا، اس نے ایک خرگوش شکار کیا اور اسے پکایا اور سب کو کھلایا تو اس کے باپ نے اس کا نام طابخہ (پکانے والا) رکھ دیا۔ اسی سفر کے دوران آپ نے اپنے بیٹے عمیر کو چھتری کے نیچے سمٹے ہوئے دیکھا تو کہا: ''انت قمعة'' تم سکڑنے والے ہو، اور وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ (۴۲)

قمعه بن الياس کو ابوخزاعہ بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر یمن چلا گیا تھا۔ طابخه کو ابو مزينه کہا جاتا ہے۔ اور یہ قبیلہ تميم ، ضبه اور عكل کا جداعلیٰ کہلاتا ہے۔ (۴۳)

قمعه کی اولاد سے عمرو بن لحی بن قمعه بن الياس تھا جس نے دین ابراہیم کو بدل ڈالا اور عربوں میں بت پرستی کو رواج دیا۔ (۴۴)

(۶) مدرکہ بن الیاس

مدركه: میم کے ضمہ، دال کی جزم، راء کے کسرہ اور کاف کی فتحہ کے ساتھ ہے اور آخر میں (ہ) مبالغہ کے لئے ہے۔ یہ (ادراک) سے اسم فاعل ہے جس کا معنیٰ ''پانے والا'' ہے۔ بلاذری نے ان کا اصل نام عمرو بن الیاس لکھا ہے جبکہ مصعب الزبیری نے عامر بن الیاس ذکر کیا ہے۔ (۴۵)

اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ الیاس بن مضر اپنے بیٹوں اور بیوی کے ساتھ رزق کی تلاش میں نکلے۔ دوران سفر ایک جگہ اچانک خرگوش نکلنے کی وجہ سے اونٹ بدک گئے اور جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلے۔ چنانچہ بلاذری کے مطابق عمرو اور مصعب الزبیری کے مطابق عامر اونٹوں کی تلاش میں نکلے اور انہیں ڈھونڈ کر اکٹھا کر لیا۔ اس لئے انھیں مدرکہ (پانے والا) کہا گیا۔ (۴۶)

ابن اسحاق، مصعب الزبیری اور بلاذری نے مدرکہ کے دو بیٹوں خزیمہ بن مدرکہ اور ھذیل بن مدرکہ کا ذکر کیا ہے جبکہ ابن حزم نے ایک تیسرے بیٹے غالب بن مدرکہ کا ذکر بھی کیا ہے ان سب کی ماں کا نام مصعب الزبیری کے مطابق سلمى بنت اسد بن ربيعه بن نزار ہے جبکہ بلاذری کے مطابق سلمى بنت اسلم بن الحاف بن قضاعه ہے۔ (۴۷)

(۷) خزیمہ بن مدرکہ

خزیمہ: (خ) کے ضمہ اور (ز) کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ان کی کنیت ابو الأسد تھی۔ خزیمہ عمدہ

اخلاق اور سخاوت کی وجہ سے مشہور تھے۔انہی کے بارے میں کہا گیا ہے:(۴۸)

أما خزيمة فالمكارم جمة　　　سبقت اليه وليس ثم عتيد

''جہاں تک خزیمہ کی بات ہے تو بے شمار عمدہ خصائل اس کے پاس جمع ہو گئے اور وہاں اس کا کوئی مدمقابل نہیں۔''

حضرت ابن عباس کا قول ہے:

''مات خزيمة على ملة ابراهيم عليه السلام''(۴۹)

خزیمہ کی وفات ملت ابراہیمی پر ہوئی

ابن حزم نے خزیمہ کے چار فرزندوں کا ذکر کیا ہے: **کنانہ بن خزیمہ ، اسد بن خزیمہ ، الھون بن خزیمہ ، اسدہ بن خزیمہ** ۔(۵۰)

ابن ہشام نے بھی خزیمہ کے چار بیٹوں: **کنانہ ، اسد ، اسدہ ، الھون** کا ذکر کیا ہے۔(۵۱)

مصعب الزبیری نے بھی انہیں چار بیٹوں کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ کنانہ بن خزیمہ کی ماں **عوانہ بنت قیس بن عیلان** تھی۔ **اسد ، اسدہ،**اور **الھون** کی ماں **برہ بنت مر** تھی۔اسدہ کی اولاد میں **جذام ، لخم** اور **عاملہ** مشہور ہوئے۔الھون کے چار بیٹے **عضل ، دیش ، القارہ ، یبشع** تھے۔ یہ سب اور خزاعہ کے دو قبیلے **الحیا** اور **المصطلق ، بنو حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ** کے حلیف تھے اور ان سب کو ''**احابیش قریش**'' کہا جاتا تھا کیونکہ قریش نے بنو حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ساتھ بکر بن عبد مناۃ کے خلاف معاہدہ کیا اور ان کے تمام حلیف قریش کے حلیف بن گئے۔(۵۲)

بلاذری نے بیان کیا ہے کہ خزیمہ کے پانچ فرزند تھے: **کنانہ بن خزیمہ ، اسد بن خزیمہ ، اسدہ بن خزیمہ ، عبدالله بن خزیمہ ، الھون بن خزیمہ**۔صرف بلاذری نے عبداللہ بن خزیمہ کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ کنانہ بن خزیمہ کی ماں **عوانہ بنت سعد قیس** تھی۔ باقی سب کی ماں برہ بنت مر ہے۔اسدہ کو ابو جذام کہا جاتا ہے۔اسد بن خزیمہ کا بیٹا عمرو تھا اور عمرو کے بیٹے **جذام ، لخم** اور **عاملہ** تھے۔(۵۳)

(۸) کنانہ بن خزیمہ

جناب نضر کے والد جناب کنانہ (کاف کے کسرہ کے ساتھ) کی کنیت ابوالنضر اور ابوقیس تھی ۔(۵۴) کنانہ اپنے دور میں عظیم القدر شخص تھے ۔عرب ان کے علم وفضل کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

حضرت کنانہ اکثر کہا کرتے تھے:''بے شک اب مکہ سے ایک نبی کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے جس کا نام احمد ﷺ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں گے اور نیکی واحسان اور مکارم اخلاق کی دعوت دیں گے۔اس کی اتباع کرنا، تمہاری عزت وعظمت میں اضافہ ہوگا۔''(۵۵)

کنانہ کی عزت وعظمت کی گواہی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوجاتی ہے:

> '' ان اللـه اصطفى من ولـد ابراهيم اسماعيل ، واصطفى من ولد اسماعيل بنى كنانه ، واصطفى من بنى كنانة قريشا ، واصطفى من قريش بنى هاشم ، واصطفانى من بنى هاشم . '' (۵٦) بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا، اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو چن لیا، اور بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب فرمایا، اور قریش سے بنو ہاشم کا انتخاب فرمایا، اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

ابن ہشام کے مطابق کنانہ بن خزیمہ کے چار بیٹے تھے: النـضر بن كنانه ، مالک بن كـنانه ، عبد مناة بن كنانه ، ملكان بن كنانه ۔ابن اسحاق نے کہا ہے کہ النضر کی ماں بره بنت مـر بـن اد بـن طابخه بن الياس بن مضر ہے، اور باقی ساری اولاد کسی اور خاتون سے ہے۔جبکہ ابن ہشام نے تحریر کیا ہے کہ النضر ، مالک اور ملکان کی ماں بره بنت مر ہے۔عبدمناة کی ماں هاله بنت سويد بن الغطريف ہے۔(۵۷)

ابن حزم نے کنانہ کے چار بیٹوں النـضر ، ملک ، ملكان ، عبدِ مناة کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ اِن چاروں سے کنانہ کی نسل چلی ۔عربوں میں ملک نام کا اور کوئی شخص نہیں گزرا، صرف ملک بن کنانہ ہے۔(۵۸)

مصعب الزبیری نے کنانہ کے بارہ بیٹوں کا ذکر کیا ہے: **النضر ، ملک ، ملکان ، ملیک ، غزوان ، عمرو ، عامر ، حدال ، سعد ، عوف ، مجربہ ، عبدِ مناۃ** ۔ پہلے سات بیٹوں کی ماں: **برہ بنتِ مُر** تھی اوران کے مادرزاد بھائی **اسد ، اسدہ اور الھون بن خزیمہ** تھے۔ کنانہ نے اپنے باپ کے بعد اسے عقد میں لیا۔(۵۹)

بلاذری نے کنانہ کے بیٹوں کی تعداد پندرہ ذکر کی ہے: **النضر ، نضیر ، مالک ، ملکان ، عامر ، عمرو ، الحارث ، سعد ، عوف ، غنم ، مخرمہ ، جرول ، غزوان ، حذال ، عبد مناۃ** ۔ پہلے نو بیٹوں کی ماں برہ بنت مرتھی۔ عبد مناۃ کی ماں **فکھہ بنت ھنی** تھی جو اپنی خوشبو کی وجہ سے **الذفراء** مشہور تھی۔(۶۰)

(۹) نضر بن کنانہ

نَضْر ،نون کے فتح اور ضاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ '' **نضر** '' کا معنی سرخی مائل ہے۔ ان کا اصل نام قیس تھا آپ کے چہرے کی تروتازگی اور حسن و جمال کی وجہ سے یہ لقب دیا گیا، اور وہ ''**ابو یخلد** '' کنیت کرتے تھے۔(۶۱)

بلاذری نے نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک مادرزاد بھائی کو قتل کر دیا اور اس کی دیت اپنے مال سے سو اونٹ ادا کی۔ اور اس طرح وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سو اونٹ دیت کا طریقہ رائج کیا(۶۲)

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ '' **نضر** '' کا ہی دوسرا نام قریش ہے۔(۶۳)

ابن حزم نے جناب **نضر** کے دو بیٹوں مالک بن **نضر** اور **یخلد بن نضر** کا ذکر کیا ہے۔(۶۴) جبکہ مصعب الزبیری، ابن ہشام اور بلاذری نے کہا ہے کہ ان کے تین صاحبزادے **مالک بن النضر ، یخلد بن النضر** اور **الصلت بن النضر** تھے۔(۶۵)

(۱۰) مالک بن النضر

ملک یملک سے اسم فاعل ''**مالک**'' ہے اور اس کی جمع ''**ملاک** '' اور ''**ملک**'' آتی ہے۔ جناب فہر کے والد مالک کی کنیت ابوالحارث تھی، ان کے دو بیٹے فہر بن مالک اور الحارث بن مالک تھے۔ دونوں کی ماں کا نام جندلہ بنت عامر تھا۔(۶۶)

مصعب الزبیری نے مالک بن النضر کی اولاد میں صرف فہر بن مالک کا ذکر کیا ہے۔(۶۷)

علامہ شامی نے بھی کہا ہے کہ فہر کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔(۶۸) جبکہ ابن حزم نے دو بیٹوں فہر بن مالک اور الصلت بن مالک کا ذکر کیا ہے۔(۶۹)

مالک بن النضر بہت دانا اور عقلمند آدمی تھے۔ دانائی اور حکمت کے کئی اقوال ان کی طرف منسوب ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے:

''رب صورة تخالف المخبرة ، قد غرت بجمالها واختبر قبيح افعالها ، فاحذر الصور ، واطلب الخبر''.(۷۰)

کئی شکلیں اپنے حسن و جمال کی وجہ سے دھوکہ دیتی ہیں اور تجربہ پر اصل کے خلاف دکھائی دیتی ہیں، اوران کے برے افعال سامنے آتے ہیں۔ لہذا شکلوں پر نہ جاؤ اور خوب تجربہ کرو۔

(۱۱) فہر بن مالک

فہر (فا) کے کسرہ اور (ھا) کے سکون کے ساتھ (الفِهْر) سے منقول ہے جس کا معنی لمبا پتھر ہے۔(۷۱)

ان کی کنیت ابو غالب تھی اور اپنے دور میں اہل مکہ کے سردار تھے۔(۷۲)

ماہرین انساب کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ فہر ہی کو ''قریش'' کہا جاتا ہے۔ مصعب الزبیری نے کہا ہے: **''اسم فهر بن مالك : قريش ،ومن لم يلد فهر ، فليس من قريش''**۔(۷۳)

فہر بن مالک کا نام قریش ہے اور جو فہر کی اولاد میں سے نہیں وہ قریش نہیں۔

امام سہیلی نے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان فهر ا لقب ، اسمه الذی سمی به : قريش'' (۷۴)

بلاشبہ فہر لقب ہے اور اس کا اصل نام قریش ہے ۔

ابن حزم نے فہر بن مالک کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

''وهم قريش لا قريش غيرهم ، ولا يكون قريش
الا منهم ، ولا من ولد فهر احد الا قريشي'' (۷۵)

وہ سب قریش ہیں، ان کے علاوہ قریش نہیں، قریشی صرف
انہی میں سے ہوگا، اور فہر کی اولاد میں جو بھی ہے وہ قریشی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش، بنونضر بن کنانہ ہیں۔ ابن ہشام نے کہا ہے:

''النضر : قريش ، فمن كان من ولده فهو قرشي ،
ومن لم يكن من ولده فليس بقرشي''(۷٦)

النضر :قریش ہے، جو اس کی اولاد سے ہے وہ قریشی ہے اور
جو اس کی اولاد سے نہیں وہ قریشی نہیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے اور اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں:(۷۷)

۱۔ ''قرش'' (وہیل مچھلی) سمندری جانوروں کی ملکہ ہے اور ان سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ قریش کو ان کی قوت کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ یہ قول حضرت ابن عباس نے اس وقت کہا جب حضرت معاویہ نے ان سے قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے میں سوال کیا اور انہوں نے اس پر جمحی شاعر وھب (۷۸) کا یہ شعر بطور استشہاد پیش کیا۔(۷۹)

وقريش هي التي تسكن البحر　　　　بها سميت قريش قريشا (۸۰)

اور قریش وہ مچھلی ہے جو سمندر میں رہتی ہے۔ اور اسی کے نام پر قبیلۂ قریش کو قریش کہا گیا۔

۲۔ قریش تجارت پیشہ تھے اور ''قرش الرجل'' کا معنی کسی آدمی کا لین دین اور تجارت کرنا ہے۔(۸۱)

۳۔ تقریش کا معنی تفتیش ہے۔ یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ ضرورت مند کو تلاش کر کے اس کی ضرورت پورا کرتے تھے۔(۸۲)

۴۔ قریش کا نام قريش بن بدر بن يخلد بن النضر بن كنانه کی وجہ سے پڑا کیونکہ یہ شخص بنو کنانہ کے تجارت قافلوں کی راہنمائی کرنے والا تھا اور عرب کہا کرتے تھے: ''قدمت عمير

قریش'' قریش کا قافلہ آ گیا۔(۸۳)

۵۔ ان کو قریش اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ قصی بن کلاب جب مکہ میں آیا تو اُس نے اِس قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور مکہ میں آباد کیا، اور ''التقرش'' کا معنی جمع ہونا ہے۔(۸۴)

کتب انساب میں ذکر کیا گیا ہے کہ قریش کے دو گروہ تھے: قریش البطاح اور قریش الظواهر . قریش البطاح وہ تھے جو قصی کے ہمراہ بطحاء میں داخل نہ ہوئے۔ یہ لوگ غارت گری کے دلدادہ تھے اور قریش البطاح کو حرم کے ساتھ چمٹے رہنے کی وجہ سے (الضب) یعنی گوہ کہتے تھے۔ (۸۵)

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت فہر بن مالک کے چار بیٹے تھے: غالب ، محارب ، حارث ، أسد ۔ابن ہشام نے ان چار بیٹوں کے ساتھ ایک بیٹی جندله بنت فهر کا ذکر کیا ہے۔ جو یربوع بن حنظله بن مالک بن زید بن مناة بن تمیم کی ماں تھی۔(۸۶)

مصعب الزبیری نے آپ کے تین بیٹوں غالب، حارث، محارب اور ایک بیٹی جندلہ کا ذکر کیا ہے۔(۸۷)

ابن حزم نے صرف دو بیٹوں محارب اور حارث کا ذکر کیا ہے۔(۸۸)

جبکہ بلاذری نے بیان کیا ہے کہ فہر بن مالک کے آٹھ فرزند تھے جن کے نام یہ ہیں

: غالب ، اسد ، عوف ، جون ، ذئب ، حارث ، محارب ، قیس . بلاذری نے ان کی بیٹی کا ذکر نہیں کیا۔(۸۹)

علامہ شامی نے فہر بن مالک کے آٹھ بیٹوں اور ایک بیٹی جندلہ کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے قیس کا نام درج نہیں کیا اور ذئب کی جگہ ریث نام ذکر کیا ہے۔(۹۰)

تمام ماہرین انساب اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ فہر کی یہ اولاد لیلی بنت سعد بن هذیل بن مدرکه (رحمت عالم ﷺ کے نسب میں سولہواں نام) کے بطن سے تھی۔

(۱۲) غالب بن فہر

جناب غالب کی کنیت ابو تیم یا ابو تمیم تھی۔ شجرہ نبویہ میں ان کا نام دسویں نمبر پر ہے۔

ان کے دو بیٹے تھے: لؤی بن غالب اور تیم بن غالب ۔تیم کو " الادرم " کہا جاتا تھا جس کا معنی '' ناقص ٹھوڑی والا'' ہے ۔(۹۱)

ابن حزم نے تیم کا نام تمیم بن غالب لکھا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ کتب انساب میں غالب کی کنیت ابو تیم یا ابو تمیم تحریر کی گئی ہے ۔ بلاذری نے آپ کے تیسرے بیٹے قیس بن غالب کا ذکر بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ بنِ قیس بن غالب کے آخری فرد نے خالد بن عبدالله القسری کی ولید بن عبدالملک بن مروان کی طرف سے مکہ پر گورنری کے دور میں وفات پائی ۔ بنو غالب کی ماں عاتکہ بنت یخلد بن النضر ہے ۔ یہ ان عواتک خواتین میں سے ہیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کو جنم دیا ۔ایک روایت کے مطابق بنو غالب کی ماں سلمیٰ بنت عمرو بن ربیعہ بن حارثہ خزاعیہ تھی ۔(۹۲)

(۱۳) لؤی بن غالب

ان کی کنیت ابو کعب تھی ۔ وہ نویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے جدامجد ہیں ۔انساب سے متعلقہ کتب میں جناب لؤی کے سات بیٹوں کے نام لکھے گئے ہیں: کعب بن لوی ، عامر بن لؤی ، سامه بن لؤی (اِن تینوں کی ماں ماویه بنت کعب بن القین بن جسر بن شیع الله بن أسد و ضاعیه ہیں)عوف بن لؤی (اس کی ماں البارده بنت عوف بن تمیم بن عبدالله بن غطفان ہے)خزیمه بن لؤی ، سعد بن لؤی .

آپ بہت بردبار اور دانا تھے، بچپن سے ہی دانائی کی باتیں کیا کرتے تھے ۔آپ کا ایک مشہور قول ہے:

''من رب معروفه لم یخلق ''

کہ جس نے اپنی نیکی کی پرورش کی وہ کبھی بوسیدہ نہ ہوگا ۔(۹۳)

(۱۴) کعب بن لؤی

مرہ کے والد جنابِ کعب کی کنیت ابو حصیص تھی ۔ یہ آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے جدامجد ہیں ۔کعب کا لفظ بلندی و رفعت اور شرف و فضیلت کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ وہ اپنے نام کی طرح اپنی قوم میں بلند مرتبہ اور صاحب شرف و فضیلت تھے ۔عربوں میں ان کی عزت و عظمت کا اندازہ

اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی وفات کے دن سے انہوں نے تاریخ کا شمار شروع کیا اور واقعہ اصحاب الفیل تک جاری رہا۔ پھر انہوں نے واقعہ فیل سے اور بعد ازاں حضرت عبدالمطلب کی وفات سے تاریخ شمار کی۔(۹۴)

کعب بن لوی نے یوم العروبة کو جمعہ کا نام دیا۔ وہ اس روز اپنی قوم کو جمع کرتا اور فصیح و بلیغ انداز میں ان سے خطاب کرتے ہوئے کہتا تھا:

'' أما بعد ، فاسمعوا وعوا ، وافهموا وتعلموا ، ليل ساج ، ونهار ضاح ، والأرض مهاد ، والسماء بناء ، والجبال أوتاد ، والنجوم أعلام ، لم تخلق عبثا ، الآخرون كالأولين ، والذكر كالأنثى ، فصلوا أرحامكم ، وأوفوا بعهودكم ، وأحفظوا أصهاركم ، و ثمروا أموالكم ، فهل رأيتهم من هالك رجع ، أو ميت نشر . هذا حرمكم زينوه وعظموه ، فسيأتي له نبا عظيم ، و سيخرج منه نبي كريم ، بذلك جاء موسى و عيسى '' (۹۵)

اما بعد! پس غور سے سنو اور یاد کرلو، سمجھو اور سیکھو، رات اندھیری ہے، دن چمکدار ہے، زمین بچھی ہوئی ہے، آسمان چھت ہے، پہاڑ میخیں ہیں، ستارے نشانیاں ہیں۔ یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا گیا آخر میں آنے والے پہلوں کی طرح ہیں، مرد بھی عورت کی طرح ہے۔ پس صلہ رحمی کرو، اپنے وعدے پورے کرو، رشتہ مصاہرت کی حفاظت کرو۔ اپنے اموال کو بڑھاؤ۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی ہلاک ہو جانے والا واپس لوٹ آئے یا کوئی مردہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ تمہارا حرم ہے، اس کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اس کی بڑی خبر آنے والی ہے۔ اس میں ایک عظمت والے نبی کا ظہور ہوگا۔ اس بات کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت کعب پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی تقریر میں ''اما بعد'' کے الفاظ استعمال کئے۔ آپ کی وفات اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ سال کا عرصہ ہے۔ ابن حزم، مصعب الزبیری، البلاذری اور ابن ہشام نے جناب کعب کے تین فرزند ذکر کئے ہیں: مرہ بن

کعب ،ھصیص بن کعب اور عدی بن کعب ۔(۹۶)

مرہ اور ھصیص کی ماں کا نام وحشیہ بنت شیبان بن محارب بن فھر بن مالک ہے۔عدی بن کعب کی ماں کا نام مصعب الزبیری نے حبیبہ بنت بجالہ بن سعد بن فھم بن عمرو بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار تحریر کیا ہے جبکہ البلاذری نے اس کا نام رقاش بنت رکبہ بن بلبلہ بن کعب بن حرب بن تیم بن سعد بن فھم بن عمرو بن قیس بن عیلان لکھا ہے۔(۹۷)

(۱۵) مرہ بن کعب

کلاب کے والد مرہ بن کعب کی کنیت ابو یقظہ تھی۔ یہ چھٹی پشت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دادا ہیں۔ان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

۱۔ مرہ: تلخی وکرواہٹ کو کہتے ہیں۔ یہ حنظل (تمہ) کے وصف سے منقول ہے۔اور عرب حنظلہ نام بہت رکھتے تھے

۲۔ مرہ: ایک سبزی ہے جو سرکہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔

۳۔ مرہ: یعنی قوت وطاقت سے ماخوذ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ذو مرۃ ﴾ (۹۸) یعنی قوت والا۔

۴۔ یہ عربوں کے اس قول سے منقول ہے: مر الشئ : اذا اشتدت مرارتہ یعنی کسی چیز کی تلخی وکڑواہٹ کا زیادہ ہوجانا۔قرآن مجید میں ہے۔﴿والساعة أدھی و امر ﴾(۹۹) قیامت بہت خوفناک اور انتہائی تلخ ہوگی۔ (۱۰۰)

مرہ کے تین بیٹے کلاب بن مرہ، تیم بن مرہ اور یقظہ بن مرہ پیدا ہوئے۔(۱۰۱)

کلاب کی ماں ھند بنت سریر بن ثعلبہ بن الحارث بن مالک بن کنانہ تھی۔ ہند کا باپ سریر پہلا شخص ہے جس نے حرمت والے مہینوں کو مؤخر کرنے کا رواج ڈالا۔(۱۰۲)

تیم بن مرہ اور یقظہ بن مرہ کی ماں کا نام اسماء بنت سعد بن عدی بن حارثہ تھا جو قبیلہ ازد کی

شاخ بارقہ سے تھیں۔ یقظہ کا ایک بیٹا مخزوم بہت مشہور ہوا جس کی اولاد بنومخزوم کہلائی۔(۱۰۳)

(۱۶) کلاب بن مرہ

ان کا نام حکیم یا مھذب یا عروہ ہے۔ مشہور مصری محقق محب الدين بن الهائم کی تحقیق کے مطابق پہلا قول درست ہے اور اس پر دلیل یہ شعر ہے:

حكيم بن مره ساد الورى   ببذل النوافل وكف الاذىٰ

حکیم بن مرہ نے سخاوت کے ذریعے اور ظلم کو روک کر دنیا پر سرداری کی۔(۱۰۴)

ان کی کنیت ابوزہرہ تھی۔ بلاذری کے مطابق زہرہ کا نام مغیرہ تھا اور کلاب کی کنیت ابو المغیرہ تھی۔(۱۰۵)

کلاب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

۱۔ یہ مصدر ہے جو مکالبة (بہادری کے ساتھ جھپٹنا) کے معنی میں ہے جیسے:

كالبت العدو مكالبة و كلابا .

میں بہادری کے ساتھ دشمن پر جھپٹا۔

۲۔ یہ کلب کی جمع ہے عرب اس سے مراد کثرت لیتے تھے جیسے وہ سباع (درندے) اور انمار (چیتے) کا نام رکھ لیتے تھے۔

۳۔ آپ شکار کے دلدادہ تھے اور بہت سارے شکاری کتے پال رکھے تھے۔ وہ جب اپنے کتوں کے ساتھ کسی قبیلے کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتے: هذه كلاب ابن مرة (یہ ابن مرہ کے کتے ہیں) چنانچہ یہ بطور لقب استعمال ہونے لگا۔(۱۰۶)

ایک اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے بیٹوں کے نام برے کیوں رکھتے ہو جیسے: کلاب، ذئب، حنظلہ، ضرار، حرب وغیرہ اور اپنے غلاموں کے نام اچھے رکھتے ہو جیسے مرزوق، رباح وغیرہ؟ انھوں نے جواب دیا: ہم اپنے بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے رکھتے ہیں اور اپنے غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں۔ یعنی ہمارے بیٹے دشمنوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ہوتے ہیں اور تیروں کی طرح اُن کے سینوں میں پیوست ہوتے ہیں اِس لیے اُن کے لیے ایسے ناموں کا انتخاب کرتے ہیں۔(۱۰۷)

کلاب پہلے شخص ہیں جنھوں نے جواہرات سے آراستہ تلواریں خانہ کعبہ میں لٹکائیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے سسر سعد بن سیل نے اپنی بیٹی فاطمہ کے جہیز میں آپ کو جواہرات سے آراستہ دو تلواریں بھی دیں۔جنہیں آپ نے کعبہ شریف کے خزانہ میں جمع کرادیا۔(۱۰۸) آپ کے دو بیٹے ، قصی بن کلاب اور زہرہ بن کلاب تھے۔مصعب الزبیری نے ایک بیٹی **نعم** کا ذکر بھی کیا ہے جس کی **سهم بن عمرو بن مصيص** کے ساتھ شادی ہوئی اور اس سے **سعد بن سهم اور سعيد بن سهم** پیدا ہوئے۔(۱۰۹)

(۱۷) قصی بن کلاب

ان کا اصلی نام زید ہے۔**قُصَی**: قاف کے ضمہ اور صاد کی فتحہ کے ساتھ اسم تصغیر اور ''**قصا يقصو قصا**'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی دور ہونا ہے۔(۱۱۰)

آپ کو قصی اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ کے باپ کلاب بن مرہ نے فاطمہ بنت سعد بن سیل کے ساتھ شادی کی۔فاطمہ نے زہرہ بن کلاب سے (۱۱۱) اور زید بن کلاب کو جنم دیا زید ابھی کم سن تھے کہ کلاب کی وفات ہوگئی۔فاطمہ نے قبیلہ قضاعہ کے ایک سردار ربیعہ بن حرام کے ساتھ شادی کر لی جو مکہ میں مقیم تھے پھر کچھ عرصہ بعد اپنے وطن کو لوٹے اور فاطمہ اور ان کے بیٹے زید کو اپنے ساتھ لے گے اور زہرہ مکہ میں ہی رہا۔چنانچہ

''**سمی زید قصيا لبعده من دار قومه ، وأنه أقصى عنهم**'' (۱۱۲)

حضرت زید کو اپنی قوم کے علاقے سے دور چلے جانے کی وجہ سے قصی کہا گیا کیونکہ وہ ان سے جدا ہو کر دور چلے گئے۔

فاطمہ کے بطن سے ربیعہ بن حرام کے بیٹے: رزاح بن ربیعہ اور حن بن ربیعہ پیدا ہوئے۔یہ دونوں قصی کے مادرزاد بھائی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ **حن بن ربيعه** فاطمہ کے علاوہ کسی اور عورت سے تھا۔(۱۱۳)

مکہ کی طرف واپسی

بلاذری نے حضرت ابن عباس کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب قصی سن بلوغ کو پہنچے تو ان کی ماں نے انھیں زادراہ دے کر تیار کیا اور سنوارا، اور وہ قبیلہ عذرہ کے حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ

گئے ۔قریش نے ان کی قدر افزائی کی، اور آپ کی بہت عزت کی، اوران لوگوں نے آپ کی سرداری کو تسلیم کر لیا۔ وہ سب قریش سے زیادہ صائب رائے ، سچے لہجے والے ، وسیع خرچ کرنے والے اور پاکیزہ سیرت تھے۔خوش قسمتی سے انہی دنوں حضرت قصی کو ایک تاجر کا کثیر مال حاصل ہوا جو مکہ میں فروخت کرنے لایا تھا۔اسی دوران اس کی موت کا وقت آ گیا اور یہاں چونکہ اس کا کوئی وارث نہ تھا، اس نے وہ مال آپ کو ھبہ کر دیا۔(۱۱۴)

تولیت بیت اللہ

اس دور میں قبیلہ خزاعہ وادی بطحاء اور خانہ کعبہ پر قابض تھا، اور قریش گھاٹیوں، پہاڑوں اور مکہ کے اطراف میں آباد تھے۔آپ نے حلیل بن حبشیہ سے اس کی بیٹی حبی بنت حلیل کا اپنے لیے رشتہ مانگا حلیل نے اسے قبول کر کے آپ کی شادی کر دی۔حلیل اس وقت بیت اللہ کا متولی تھا اور قبیلہ خزاعہ کا سردار تھا۔جب وہ سن رسیدہ ہوا اور کمزور ہو گیا تو اس نے کعبہ کی چابیاں اپنی بیٹی حبی کے حوالے کر دیں۔وہ کبھی حضرت قصی کو باب کعبہ کھولنے کا کہہ دیتی اور کبھی اپنے بھائی ابو غبشان المحترش بن حلیل کو اس کام پر مامور کرتی

پھر حلیل کی وفات ہو گئی اور سرداری اس کے بیٹے ابو غبشان المحترش کے پاس آ گئی۔حضرت قصی نے محترش سے درخواست کی کہ کعبہ کی سدانت اسے دے دے۔محترش نے اس کی درخواست مان لی۔(۱۱۵)

ابن سعد نے کہا ہے کہ حضرت قصی نے کعبہ کی سدانت محترش کو کچھ اونٹ اور ایک مشکیزہ شراب دے کر خریدی تھی۔(۱۱۶)

عربوں نے اس سودے کو ضرب المثل بنایا اور کہا:

''اخسر صفقة من أبی غبشان'' (۱۱۷)

ابوغبشان سے زیادہ خسارے کا سودا

ہشام بن الکلبی کی روایت کے مطابق ابو غبشان کے دماغ میں کچھ خلل تھا اور وہ کعبہ کے امور کی نگرانی نہیں کر سکتا۔حلیل نے بذات خود اپنی بیٹی کے اکرام کی وجہ سے بیت اللہ کے امور کی نگرانی کے لئے حضرت قصی کے لئے وصیت کر دی تھی۔(۱۱۸)

خزاعہ کا مکہ سے اخراج

جب حضرت قصی نے کعبہ کی چابیاں سنبھال لیں تو خزاعہ کو بہت برا لگا، اورانہوں نے آپ کے خلاف بہت باتیں کیں، اور انھوں نے آپ اور قریش سے جنگ کرنے اور انہیں مکہ اور گردونواح سے بھگا دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت قصی نے یہ صورت حال دیکھ کر اپنے مادرزاد بھائی رزاح بن ربیعہ اور حن بن ربیعہ سے مدد مانگی۔ رزاح اس وقت قضاعہ کا سردار اور قائد تھا، وہ ایک گروہ لے کر اس کی مدد کو پہنچ گیا۔(۱۱۹)

آپ نے خزاعہ اوران کے حلیفوں کے ساتھ جنگ کی، اوران پر غلبہ پا لیا۔ اورانہیں مکہ سے نکال دیا، اوران کی جگہ قریش کو آباد کیا، اور مکہ کو قریش پر تقسیم کر دیا، اور خود بیت اللہ کا متولی بن گئے۔ رشتہ مصاہرت کی وجہ سے کچھ دیر خزاعہ کو باقی رکھا، پھرانہیں مکہ سے نکال دیا۔ انہی دنوں ان میں ایک وبا پھوٹ پڑی جس کے باعث خزاعہ کے بہت سے افراد مر گئے۔ اورآپ کو مجمع کا لقب دیا گیا کیونکہ آپ نے قریش کو جمع کیا اورانہیں ایک جگہ آباد کیا۔ اور مکہ کو ان کی ملکیت میں دے کر تقسیم کر دیا۔ ان دنوں حرم حدود میں مکہ کا کوئی گھر نہ تھا۔ وہ دن کے وقت حرم میں ہوتے تھے اور جب شام ہوتی تو نکل جاتے اور یہ درست نہ سمجھتے تھے کہ وہاں ان سے کسی قسم کے جرم کا ارتکاب ہو۔(۱۲۰)

ابن سعد نے بیان کیا کہ جب حضرت قصی نے مکہ کے مختلف حصے کر کے اپنی قوم میں تقسیم کر دیئے اورانہیں وہاں آباد کرنا چاہا تو اس وقت مکہ میں وضاۃ اور سلم کے درخت بکثرت تھے۔ حرم کے اندران کے کاٹنے سے قریش خوفزدہ تھے۔ آپ نے خودان کے کاٹنے کا حکم دیا اور کہا: ''یہ تو محض اپنے مکانات کی تعمیر اور راستوں کے لئے تم کاٹ رہے ہو، جو بری نیت رکھے یا خرابی چاہے اس پر خدا کی لعنت'' یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے درخت کاٹے اور پھر دیگر لوگوں نے بھی انہیں کاٹ کر راستے اور مکانات بنائے۔(۱۲۱)

ایک روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو خزاعہ کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی کیونکہ جب رزاح اپنے مسلح لوگوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو خزاعہ خوفزدہ ہو گئے اور آپ کی اطاعت کرتے ہوئے مکہ سے نکل گئے۔(۱۲۲)

جناب حضرت قصی کے اختیارات

آپ نے قریش کو اکٹھا کیا تو کہا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ تم سب حرم میں بیت اللہ کے اردگرد رہو؟ بخدا ! عرب تمہارے ساتھ جنگ کو حلال نہیں سمجھیں گے اور تمہیں وہاں سے نکال نہیں سکیں گے۔ صرف تم ہی وہاں رہو گے، اور ہمیشہ کے لئے عربوں پر سرداری کرو گے۔'' قصی سب عربوں سے زیادہ صائب الرائے تھے۔ وہ سب کہنے لگے: ''آپ ہمارے سردار ہیں۔ اور ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے۔'' (۱۲۳)

جناب قصی، بنو کعب بن لوی میں پہلے شخص تھے جنہیں حکومت ملی۔ ان کی قوم نے پوری طرح ان کی اطاعت کی۔ **کعبہ کی حجابت** (دربانی کہ جسے چاہے اندر جانے دے اور جسے چاہے روک دے) **سقایہ** (حاجیوں کو پانی پلانا) **رفادہ** (حاجیوں کو کھانا کھلانے کا انتظام)، **لواء** (علم جنگ بلند کرنا)، **ندوۃ** (مجلس شوری یا ایوان حکومت) اور حکومت مکہ ان کے پاس تھی، اور انہوں نے مکہ مکرمہ کے سارے شرف وفضیلت کو سمیٹ لیا تھا۔ (۱۲۴)

آپ نے دارالندوہ تعمیر کر کے اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب رکھا۔ دارالندوہ میں سب قریش جمع ہوتے، باتیں کرتے، اپنی جنگوں اور دیگر معاملات میں مشورہ کرتے۔ علم جنگ بھی وہیں گاڑا جاتا تھا۔ نکاح و شادی کے معاملات بھی وہیں طے ہوتے تھے۔ قریش کے تجارتی قافلے بھی وہیں سے روانہ ہوتے تھے۔ اور آپ کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے اور اس کی ذات سے تبرک حاصل کرنے کے لئے سفر سے واپسی پر پہلے دارالندوہ ہی میں اترتے تھے۔ الغرض بقول بلاذری:

''وكان أمر قصي عند قريش دينا يعملون به ولا يخالفونه'' (۱۲۵)

آپ قریش کے نزدیک ایک دین و مذہب کی حیثیت رکھتے تھے، وہ آپ کے ہر حکم پر عمل کرتے اور کبھی اس کی مخالفت نہ کرتے تھے۔

اور بقول ابن سعد:

''زندگی تو زندگی، قصی کے مرجانے کے بعد بھی انہیں کے احکام پر عمل ہوتا تھا۔'' (۱۲۶)

حاجیوں کی خدمت

حضرت قصی نے مکہ کو قریش میں تقسیم کرنے کے بعد ان پر سقایہ و رفادہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا) لازم قرار دیا اور انہیں اپنے خطاب میں کہا:

"یا معشر قریش ، انکم جیران الله وسکان حرمه ، والحاج أضياف الله و زوار بيته ، فتر افدوا ، حتى تصنعوا لهم طعاما وشرابا في ايام الحج ، ينال منه من يحتاج اليه ، فلو اتسع مالي لجميع ذلک ، لقمت فيه دونكم". (۱۲۷)

اے گروہ قریش! بے شک تم اللہ کے ہمسایہ ہو، اور اس کے حرم کے باشندے ہو، اور حجاج کرام اللہ تعالیٰ کے مہمان اور اس کے گھر کے زائرین ہیں۔ باہمی چندہ جمع کرو تا کہ تم ایام حج میں ان کے لئے طعام و شراب تیار کرلو، جس کو ضرورت ہو وہ اس سے لے سکے، اگر میری دولت یہ سب کچھ کرنے کے لئے کافی ہوتی تو میں اس کام کو تمہارے بغیر اکیلا ہی سرانجام دیتا۔

چنانچہ آپ نے قریش پر حجاج کرام کی خدمت و مہمانداری کے لئے ٹیکس عائد کر دیا، جسے وہ باقاعدگی سے ہر سال ادا کرتے، اور اسے حجاج کرام کے طعام و شراب پر خرچ کیا جاتا تھا۔ آپ سے قبل قریش کو پینے کا پانی مکہ سے باہر لانا پڑتا تھا۔ قریش کے پاس دو کنویں تھے۔ ایک لؤی بن غالب نے مکہ کے باہر کھدوایا تھا اور ایک دوسرا مرہ بن کعب نے عرفات کے پاس کھدوایا تھا۔ آپ نے قریش اور حجاج کرام کی خدمت کے لئے مکہ کے اندر ایک کنواں کھدوایا جس کا نام "**العجول**" رکھا۔ یہ مکہ کے اندر قریش کا پہلا کنواں تھا۔ (۱۲۸)

امام سہیلی نے کہا ہے کہ حضرت قصی حجاج کرام کو چمڑے کے ایک حوض سے پانی پلاتے تھے، جس میں میمون نامی کنویں سے پانی لایا جاتا جو مکہ کے باہر واقع تھا۔ یہ "**العجول**" کنویں کی کھدائی سے پہلے کی بات ہے۔ (۱۲۹)

آپ نے مزدلفہ میں آگ جلا کر روشنی کرنے کا اہتمام کیا تا کہ عرفات سے واپس آنے والے اسے دیکھ سکیں۔ (۱۳۰)

آپ نے حجاج کرام کی خدمت کے امور اور دیگر کام اپنی اولاد میں تقسیم کر رکھے تھے۔عبد مناف کو سقایہ اور ندوہ کا مہتمم بنایا۔عبدالدار کو حجابت اور علم دیا۔عبدالعزی کو رفادہ اور ایام حج میں منیٰ کی ضیافت عطا کی۔وہ یہ سب کام آپ کے حکم کے تحت انجام دیتے تھے۔(۱۳۱)

اقوال حکمت

جناب قصی بڑے دانا،حکیم اور صائب الرائے رکھنے والے تھے۔آپ کے کئی اقوال حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ کتب انساب کی زینت ہیں،جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:(۱۳۲)

(۱) **من عظم لئیما شرکه فی لؤمه** (جس نے کمینے کی تعظیم کی وہ اس کمینے کی کمینگی میں شریک ہوا۔)

(۲) **من لم تصلحه کرامتکم فداووه بهوانه ، فذاک دواء یحسم الداء .**

جس کو تمہارا عزت کرنا درست نہ کر سکے تو اس کا علاج ذلت کے ساتھ کرو کیونکہ یہ ایسی دوا ہے جو بیماری کو جڑ سے اکھاڑ دے گی۔

(۳) **من سأل قوما فوق قدره استحق الحرمان .**

(جو کسی قوم سے اپنے مقام و مرتبہ سے بڑھ کر مانگے گا تو وہ محرومی کا مستحق ہوگا)

(۴) **الحسود عدو خفی المکان۔** حاسد ایک ایسا دشمن ہے جس کا ٹھکانہ خفیہ ہوتا ہے۔

وفات

آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی ،اور آپ کو حجون میں دفن کیا گیا۔ بعد ازاں لوگوں نے آپ کی قبر کے ساتھ اپنے مردوں کو بھی حجون میں دفن کرنا شروع کیا۔آپ کی قبر مرجع الخلائق تھی اور لوگ آپ کی قبر مبارک کو عظیم جانتے تھے۔(۱۳۳)

حضرت قصی کی اولاد

آپ کے چار بیٹے تھے:عبدمناف (مغیرہ)،عبدالدار (عبداللہ)،عبدالعزی اور عبدقصی۔ اور دو بیٹیاں:برہ اور **تخھمر** تھیں۔ان سب کی ماں **حبی بنت حلیل بن حبشیه بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاوعیه** تھی۔آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے:

'ولد لی أربعة بنین ، فسمیت ابنین منهم بالهی ،
واحدا بداری ، وواحدا بی"(۱۳۴)

میرے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ میں نے ان میں سے دو کا نام اپنے معبود کے نام پر رکھا۔ ایک کا نام اپنے گھر کے نام پر اور ایک کا نام اپنے نام پر رکھا۔ البلاذری نے حضرت قصی کی تیسری بیٹی ہند بنت قصی کا بھی ذکر کیا ہے۔(۱۳۵)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب بھی حضرت قصی سے جا ملتا ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب۔ اسی طرح کعبۃ اللہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ کا سلسلہ نسب عبدالدار بن قصی بن کلاب سے جا ملتا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے بھتیجے بھی حضرت قصی کی نسل میں سے تھے۔ آپ کو اپنے بیٹے عبدالدار سے بہت محبت تھی، چنانچہ آپ نے اپنے بعد دار الندوہ، حجابت، رفادہ، سقایہ اور علم برداری وغیرہ تمام مناصب عبدالدار کو تفویض کر دیئے۔ دار الندوہ عبدالدار اور اس کی اولاد کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار نے اسے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھ بیچ دیا، اور انہوں نے اسے دار الامارۃ بنادیا۔(۱۳۶)

جہاں تک حجابت کا تعلق ہے تو وہ بھی عبدالدار کے پاس رہی، اور پھر اس کے بیٹے عثمان بن عبدالدار، اس کے بیٹے عبدالعزی بن عثمان، اس کے بیٹے طلحہ بن ابی طلحہ اور پھر اس کے بیٹے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس آئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو کعبہ کی چابی اپنے چچا عباس کو دینا چاہی تو اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی:

﴿ان الله يأمركم ان تؤدوا الأمانات الى اهلها﴾(۱۳۷)

چنانچہ آپ ﷺ نے کلید کعبہ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے حوالے کی۔ عثمان بن طلحہ صفر ۸ ھ میں ایمان لا چکے تھے اور وہ مدینہ طیبہ میں مقیم ہوئے، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ پھر حجابت ان کے چچا زاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے پاس آ گئی اور بعد ازاں ان کی اولاد میں رہی۔(۱۳۸)

علم بھی بنوعبدالدار کے پاس رہا۔غزوہ بدر ۲ھ میں مشرکین کا علم طلحہ بن ابی طلحہ بن عبدالعزی بن عثمان بن عبدالدار کے پاس تھا۔اور رسول اللہ ﷺ کا علم مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کے پاس تھا۔(۱۳۹)

غزوہ احد ۳ھ میں بھی مشرکین کا علم طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس تھا۔اسے حضرت علی نے قتل کر دیا ۔اس کے بعد یہ علم اس کے بھائی ابوسعد بن ابی طلحہ نے پکڑ لیا۔اسے حضرت سعد بن ابی وقاص نے قتل کر دیا۔پھر یہ علم عثمان بن ابی طلحہ نے پکڑ لیا۔اسے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے قتل کر دیا۔پھر یہ علم یکے بعد دیگرے مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ اوراس کے بھائی جلدس بن طلحہ، پھر کلاب بن طلحہ، الحارث بن طلحہ، شرحبیل بن ہاشم، زرارہ بن عمیر بن ہاشم، قاسط بن شریح بن عثمان نے بلند کیا اور سب قتل ہوئے۔آخر میں ان کے ایک آزاد کردہ غلام **صواب الحبشی** نے علم پکڑ لیا۔قزمان نامی ایک شخص نے اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔اس نے علم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔وہ بھی کاٹ دیا گیا لیکن اس نے اسے گرنے نہ دیا اور آواز دی:

''**اعذرت یا بنی عبد الدار**'' اے بنوعبدالدار مجھے معاف کر دینا۔

پھر قزمان نے اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔(۱۴۰)

علم گر گیا اور مشرکین بکھر گئے۔ایک خاتون عمرو بنت الحارث بن علقمہ بن زرارہ بن عبد مناف بن عبدالدار نے علم اٹھا لیا۔جب بنوعبدالدار اسلام لائے تو کہنے لگے:

''**یا نبی اللہ ﷺ اللواء الینا . فقال صلی اللہ علیہ وسلم : الاسلام أوسع من ذلک ، فبطل اللواء** '' (۱۴۱)

اے اللہ کے نبی ﷺ! پرچم ہمیں عطا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام اس سے زیادہ وسعت والا ہے۔چنانچہ منصب علم ختم ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا علم حضرت مصعب بن عمیر کے پاس تھا۔جب وہ شہید ہو گئے تو بقول البلاذری علم کو ایک فرشتہ نے تھام لیا جو مصعب کی صورت میں تھا یہاں تک کہ اسے مدینہ لے آیا۔اور ایک روایت کے مطابق حضرت مصعب کے بھائی ابوالروم (۱۴۲) نے اسے پکڑ لیا۔ابوالروم حبشہ کے مہاجرین میں سے تھے۔(۱۴۳)

رفادہ اور سقایہ کے منصب حضرت قصی کی زندگی میں عبد بن قصی کے پاس تھے۔پھر آپ نے

عبدالدار بن قصی کے حوالے کر دیئے اور یہ دونوں منصب ان کی اولاد میں باقی رہے۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عبدمناف بن قصی کی اولاد حضرت ہاشم، عبدشمس اور حضرت مطلب عظمت وشان کے مالک ہو گئے تو وہ فرزندان عبدالدار سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو ان مناصب کا مستحق سمجھتے تھے کیونکہ انہیں فرزندان عبدالدار پر بھی فضیلت حاصل تھی اور اپنی قوم میں بھی ان کی عظمت و بزرگی مسلم تھی۔ قبائل **بنو اسد بن عبد العزی بن قصی ، بنو زهره بن كلاب ، بنو تيم بن مره بن كعب** (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ) **بنو الحارث بن فهر** (**ابو عبيده بن الجرح رضى الله عنه** کا قبیلہ) نے بنوعبدمناف بن قصی کا ساتھ دیا۔ (۱۴۴)

یہ سب قبائل خوشبوؤں سے بھرا ایک برتن لے آئے اور سب نے اس میں اپنے ہاتھ ڈالے اور حلف اٹھا کر انہی ہاتھوں سے کعبہ کا مسح کیا اور سخت قسمیں کھائیں کہ وہ ایک دوسرے کو کبھی رسوا نہ ہونے دیں گے جب تک کہ آب سمندر بھیڑ کی اون کو تر کر سکے۔ (۱۴۵)

بلاذری کی روایت کے مطابق یہ حلف عبداللہ بن جدعان کے گھر میں لے گیا، اور اس میں شریک قبائل کو ''**المطيبين**'' کا نام دیا گیا۔ (۱۴۶)

بنوعبدالدار کے ساتھ **المطيبين** کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے **بنو مخزوم ، بنو جمع ، بنو سهم اور بنو عدى بن كعب** (حضرت عمر کا قبیلہ) نے حلف اٹھایا۔ وہ سب جمع ہوئے تو سب نے ہاتھ ڈبو کر حلف دیا۔ (۱۴۷)

بنوعدی کو ''**لعقة الدم**'' (خون چاٹنے والے) اور ''**ولغة الدم**'' (خون میں منہ ڈالنے والے) کہا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے واقعی وہ خون چاٹا بھی تھا۔ (۱۴۸)

بنوعبدالدار کے ساتھ حلف اٹھانے والوں کو ''**احلاف**'' کہا گیا اور بنوعبدمناف کے ساتھ حلف اٹھانے والوں کو ''**مطيبين**'' کہا گیا، دونوں فریق آمادۂ جنگ ہو گئے، ایک روایت کے مطابق اِن میں باقاعدہ جنگ بھی ہوئی جبکہ دوسری روایت کے مطابق ابھی جنگ نہ ہوئی تھی کہ کچھ لوگوں نے مصالحت کرادی اور یہ طے پایا کہ:

(۱) سقایہ اور رفادہ کا منصب بنوعبدمناف بن قصی کو دے دیا جائے۔

(۲) حجابہ اور لواء اور دار الندوہ حسب سابق عبدالدار کے پاس رہے۔

اس قرارداد کے مطابق فیصلہ ہو گیا اور لوگ ایک بڑی جنگ سے محفوظ رہے۔(۱۴۹)

بنوعبد مناف نے رفادہ وسقایہ کے مناصب پر قرعہ اندازی کی تو وہ دونوں منصب حضرت ہاشم کے پاس آ گئے ۔حضرت ہاشم کے بعد حضرت مطلب بن عبد مناف ، پھر حضرت عبد المطلب بن ہاشم ، پھر حضرت زبیر بن عبدالمطلب اور پھر حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب کے پاس رہے۔حضرت ابو طالب مالدار نہ تھے۔انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس بن عبدالمطلب سے دس ہزار درہم ادھار لے کر رفادہ و سقایہ پر خرچ کیئے ۔آئندہ سال پھر چودہ پندرہ ہزار درہم ادھار مانگے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے کہا: آپ نے گزشتہ سال کا قرضہ ابھی واپس نہیں کیا۔اب جو آپ مانگ رہے ہیں وہ اس شرط پر دینے کو تیار ہوں اگر اگلے سال تک یہ سارے قرضے آپ نے واپس نہ کیئے تو رفادہ وسقایہ کے امور آپ میرے حوالے کر دیں گے ۔حضرت ابو طالب نے یہ شرط مان لی ۔آئندہ سال جب موسم حج آیا تو حضرت ابو طالب پہلے سے زیادہ مالی طور پر کمزور ہو چکے تھے اور ان میں سقایہ ورفادہ کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہ تھی بلکہ اِس قدر مفلوک الحال ہو گئے تھے کہ بنو ہاشم کے ہر شخص نے ان کا ایک ایک بیٹا اپنی کفالت میں لے لیا۔اور اس طرح رفادہ و سقایہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے پاس آ گئی اور وہ حاجیوں کو اپنے باغات کی کھجوروں سے نبیذ پلاتے تھے۔ان کے بعد یہ منصب ان کے بیٹے عبداللہ بن عباس (۱۵۰) پھر علی بن عبداللہ (۱۵۱)، پھر محمد بن علی، پھر داؤد بن علی، پھر سلیمان بن علی، پھر عیسیٰ بن علی کے پاس رہا۔(۱۵۲)۔پھر جب منصور (۱۵۳) خلیفہ بنا تو اس نے سقایہ ورفادہ اور بیت اللہ کی نگرانی پر اپنے ایک آزاد کردہ غلام زریق کو مامور کر دیا۔(۱۵۴)

(۱۸) عبد مناف بن قصی

ان کا اصلی نام مغیرہ تھا،حسن و جمال میں ایسے فائق تھے کہ اُن کا لقب قمر البطحاء (وادیء بطحاء کا چاند) پڑ گیا تھا۔(۱۵۵)

عبد مناف کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی ماں حبی بنت حلیل الخزاعیہ نے انہیں مناۃ (۱۵۶) کی خدمت پر مامور کیا۔اس نسبت سے لوگوں میں عبد مناۃ مشہور ہو گئے ۔پھر ان کے باپ قصی نے دیکھا کہ یہ لقب عبد مناۃ بن کنانہ کے ساتھ ملتا ہے،اس لئے اسے عبد مناف بنا دیا۔امام سہیلی نے کہا

ہے کہ یہ ''اناف ینیف'' سے مُفْعَل کے وزن پر ہے جس کا معنی بلند ہونا ہے۔(۱۵۷)

عبد مناف نے اپنے والد کی حیات میں اپنی قوم پر سرداری کی ۔ اپنی سرداری کے عہد میں قریش کو خدا ترسی وحق شناسی کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ ایک پتھر پر یہ تحریر ملی تھی:

''ان المغیرة بن قصی أوصی قریشا بتقوی الله وصلة الرحم'' (۱۵۸)

(مغیرہ بن قصی نے قریش کو خدا ترسی اور صلہ رحمی کی وصیت کی)۔قصی کے انتقال کرنے پر عبد مناف بن قصی ان کے قائم مقام ہوئے۔قریش کے تمام امور انہیں کے ہاتھ میں تھے۔ یہ عبد مناف ہی کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾(۱۵۹)(اپنے خاندان کے قریب ترین لوگوں کو ڈرساؤ)

نازل فرمائی تو نبی کریم ﷺ نے خصوصی طور پر خاندانِ عبد مناف ہی کو اللہ کا ڈر سنایا۔(۱۶۰)

جنابِ عبد مناف کی اولاد

جنابِ عبد مناف نے دو شادیاں کیں پہلی زوجہ کا نام عاتکہ بنت مرہ بن ھلال اور دوسری کا نام واقدہ بنت ابی عدی تھا پہلی اہلیہ سے تین بیٹے عمرو (ھاشم) . عبد شمس . مطلب اور پانچ بیٹیاں تماضر ، حیة ، قلابہ ، ھالة (ام الاخثم) ، برہ (ام سفیان) جبکہ دوسری اہلیہ سے دو بیٹے نوفل . ابو عمرو (عبید) اور ایک بیٹی ریطہ تھی۔(۱۶۱)

اس طرح آپ کی دو زوجات پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔(۱۶۲)

ابن سعد نے عبد مناف کے چھ لڑکے اور چھ لڑکیاں ذکر کی ہیں۔لڑکوں میں ابوعبیدہ بن عبد مناف کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ انتقال کر گئے تھے اور اُن کی نسل نہ چلی۔(۱۶۳)

ہاشم اور عبد شمس جڑواں بھائی تھے۔(۱۶۴)

مطلب کو ''المیض'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔مطلب باپ کے پہلے بیٹے تھے۔ان کی اولاد مُطلبی کہلاتی ہے۔حارث بن مطلب کے تین بیٹے صحابی ہیں۔ایک عبیدہ جو ابوالحارث کنیت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں تشریف فرما ہونے سے پہلے اسلام لائے ،انہوں نے اپنے دو بھائیوں طفیل اور حصین کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔عبیدہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے ، اُس وقت اُن کی عمر تریسٹھ سال تھی۔(۱۶۵)

حضرت طفیل اور حصین نے غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی اور حضرت عثمان کے دور میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔(۱۶۶)

عبدشمس کا بیٹا امیہ ہے جس کی اولاد بنو امیہ کہلائی۔حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ (۱۶۷)اسی خاندان سے تھے۔(۱۶۸)

نوفل کی اولاد بنونوفل کہلائی۔حضرت جبیر بن مطعم (۱۶۹) کا نسب ان سے ملتا ہے۔تماضر بنت عبدمناف کے ساتھ عبدمناف بن عبدالدار بن قصی نے شادی کی اور اس سے ہاشم اور کلدہ پیدا ہوئے۔**قلابه بنت عبد مناف** کا **عبد العزی بن عامرة بن عميره بن وديعه بن الحارث بن فهر** سے نکاح ہوا اور اس سے **ابو همهمه حبيب** ،طریف، جابر اور سلامان پیدا ہوئے۔

حيه بنت عبد مناف کے ساتھ **ظوبلم بن جعيل بن عمرو بن دهمان بن نصر بن معاويه بن بكر بن هوازن** نے نکاح کیا اور ان کا بیٹا عبدمناف پیدا ہوا۔ **ام الأخثم هاله** کے ساتھ **خالد بن عامر بن اميه بن ظرب بن الحارث بن فهر** نے شادی کی اور اس نے **الأخثم** کو جنم دیا۔(۱۷۰)

بلاذری کے مطابق حیه کی شادی **عمرو بن خالد بن اميه بن ظرب بن الفهری** کے ساتھ ہوئی تھی۔(۱۷۱)

ام سفيان بره بنت عبد مناف کا **سُبيع بن حبيب بن الحارث بن مالک بن حطيط بن جشم بن قسی** کے ساتھ نکاح ہوا،اور **ريطه بنت عبد مناف** کی شادی **هلال بن معيط بن عامر الكنانی** کے ساتھ ہوئی۔(۱۷۲)

(۱۹) ہاشم بن عبدمناف

حضرت ہاشم کا اصل نام عمرو تھا،اور اُن کو عمرو العلا بھی کہا جاتا ہے۔(۱۷۳)

ہاشم(**الهشم**) مصدر سے اسم فاعل ہے۔عرب کہتے ہیں: ''**هشم الثريد لقومه : أی كسر الخبز وفتّه وبله بالمرق فجلعه ثريدا** ''(۱۷۴)

هشم الثريد کا معنی ہے:اس نے روٹی توڑی اُسے ٹکڑے کیا اور اُسے شوربے میں بھگویا اور اس کی ثرید بنائی۔

بنو ہاشم اور رسول ہاشمی ﷺ کے جدامجد جناب ہاشم بن عبد مناف تھے، ان کا اصل نام عمرو ہے مگر لوگ انہیں از راہ اعزاز واکرام عمروالعلا (بلند اقبال عمرو) کہہ کر پکارتے تھے، بے حد وجیہ وحسین تھے اور حسن جسم وقامت کے ساتھ حسن اخلاق بھی عطا ہوا تھا جوانی ہی میں حسن وسیرت کے باعث اہل مکہ اور سرداران عرب میں انہوں نے ایک نمایاں مقام پیدا کرلیا تھا، لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ عبد مناف کا یہ فرزندار جمند اپنے دادا قصی بن کلاب کا مرتبہ ومقام حاصل کرلے گا، یہ قصی (قاف کے پیش اور صاد کی زبر اور یائے مشدد کے ساتھ) وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ کو ایک شہری ریاست بنادیا تھا۔ اور اپنی قوم میں عمرانی وجمہوری اور تمدنی ومعاشی شعور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں باہمی مشاورت اور جمہوری سوچ بچار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے ''دارالندوہ'' کا اسمبلی ہال بھی تعمیر کرادیا تھا، جو مدتوں تک اہل مکہ مکرمہ کے لئے سوچ بچار اور پنچایتی فیصلوں کے لئے ایک قومی مرکز کا کام دیتا رہا تھا۔(۱۷۵)

عمروالعلا کے لئے ایک اور لقب بھی مقدر ہوچکا تھا، جو انہیں اپنے ایک سخیانہ وکریمانہ اقدام کے طفیل حاصل ہوا اور لوگ احسان مندی کے باعث عمروالعلاء کی اقبال مندی والے لقب کو چھوڑ کر انہیں ہاشم کہنے لگے تھے اور یہ اس قدر مشہور ہوا کہ اصل نام اور پہلا لقب لوگوں کی زبانوں سے غائب ہی ہوگیا، ''ھشم'' کے معنی ہیں چور چور کردینا، توڑی کی طرح باریک باریک ٹکڑے بنادینا قرآن کریم میں توڑی اور فصل یا گھاس کے ریزوں کے لئے ھشیم کا لفظ آیا ہے ''ہاشم'' عالم عاقل اور شاعر کی طرح فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی بنتے ہیں توڑی کی طرح باریک باریک ٹکڑے بنانے والا یا چوری تیار کرنے والا، عرب روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے گاڑھے شوربے میں بھگو کر تر کردیتے ہیں اور اپنی اس چوری کو ''ثرید'' کہتے ہیں۔

ہوا یوں کہ نوجوان ہاشم مال تجارت لے کر رحلۃ الصیف یعنی موسم گرما کے تجارتی سفر پر شام گئے تھے، کافی مدت گزر گئی جب مال تجارت کے منافع وصول کر کے واپسی کا وقت آیا تو ''عمروالعلا'' کو اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ شدید قحط کی زد میں ہے اور لوگ بھوک سے بلبلا رہے ہیں، عبد مناف کے سخی اور اولو العزم فرزند نے مال تجارت سے اہل مکہ کا استحصال کرنے اور ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی قوم کے لوگوں کی بھوک مٹانے کا فیصلہ کیا، تمام اندوختہ سرمایہ سے آٹا اور روٹیاں خریدیں اور اونٹوں پر لاددیں، مکہ مکرمہ واپس پہنچتے ہی تمام اونٹ ذبح کر کے گوشت پکوانے کا حکم دیا، روٹیوں کے

باریک باریک ٹکرے کروائے اور گاڑھے شوربے مین دال کر ثرید یا ''عربی چوری'' تیار کرادی، بڑے بڑے تھال طباق بھر کے رکھ دیئے پھر اعلان کر دیا کہ تمام مکہ والے آئیں اور اپنی بھوک کا ازالہ کریں، اہل مکہ نے عمرو بن عبد مناف کی ثرید یعنی عربی چوری خوب سیر ہو کر کھائی ، یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔(۱۷۶)

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اب قحط سالی کے بھاگنے اور خوشحالی کے آ پہنچنے کا مرحلہ بھی آ گیا تھا، لوگ خوشحالی کے موسم کی آمد آمد سے قحط سالی کو بھول ہی گئے، لیکن وہ عمرو العلا کو بھول کر عبد مناف کے ایک نئے بیٹے سے آشنا ہو گئے تھے، اب انہیں عمرو العلا کے بجائے سب ''ہاشم'' یعنی چوری والا کہنے لگے، یہ سخاوت اور کڑے وقت میں دریا دلی لوگوں کے دلوں پر نقش ہو گئی تھی وقت کے شعراء نے ہاشم بن عبد مناف کی دل کھول کر مدح و ستائش کی۔

بلاذری نے ہشام بن الکلبی سے روایت نقل کی ہے کہ قریش پر ایسا قحط پڑا کہ مال و دولت سب کچھ جاتا رہا۔ حضرت ہاشم اُن دنوں شام میں اپنے تجارتی سفر پر تھے۔ انہیں یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بڑی مقدار میں روٹیاں تیار کروائیں اور بوروں میں بھر کر اپنے اونٹوں پر لادلیں اور مکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے روٹیوں کو توڑنے اور ٹکڑے کرنے کا حکم دیا اور وہ اونٹ جن پر روٹیاں لدی تھیں ذبح کر دیئے اور ثرید بنا کر اُن اہل مکہ کو کھلائی جو بھوک سے نڈھال ہو چکے تھے اور انہیں مسلسل کھلاتے رہے یہاں تک کہ ان کی تنگی دور ہو گئی۔(۱۷۷)

اس فیاضی کے باعث آپ کو ہاشم (ثرید کھلانے والا) کہا جانے لگا اور یہ لقب اس قدر زباں زدِ عام ہوا کہ آپ کا اصل نام پس منظر میں چلا گیا اور آپ کو اسی نام سے پکارا جانے لگا۔

عبداللہ بن الزبعری (۱۷۸) نے اس بارے میں کہا ہے:(۱۷۹)

عمرو العلى هشم الثريد لقومه ورجال مكة مسنتون عجاف (۱۸۰)

علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

کہ قبیلہ قریش کے ہاں زمانہ جاہلیت میں ایک رسم ''اعتفاد'' کے نام سے مروج تھی۔ جب کوئی خاندان مفلس وہ قلاش ہو جاتا وہ شہر سے دور صحرا میں نکل جاتے وہاں جا کر اپنے خیمے نصب کر دیتے پھر ان خیموں میں روپوش ہو جاتے۔ یہاں تک کہ وہ وہیں فاقہ کشی سے یکے بعد دیگرے دم توڑ دیتے۔ اور

کسی کو خبر نہ ہونے دیتے کہ وہ مفلس اور کنگال ہو گئے ہیں۔اوراب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ انہیں ایک نوالہ تک بھی میسر نہیں تا کہ وہ سدرمق ہی کر سکیں۔جب ہاشم جوان ہوئے اور انہیں اس ہولناک رسم کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا۔

یا معشر قریش ! ان العزة مع كثرة العدد وقد اصبحتم اكثر العرب اموالا واعزهم نفرا وان هذا الاحتفاد قد اتى على كثير منكم وقد رايت رايا قالوا: رايكم رشيد فمرنا ناتمر .قال رايت ان اخلط فقراء كم باغنياء كم فاعمد الى رجل غنى فاضم اليه فقير عدده بعدد عياله فيكون يؤازه فى رحلتين رحلة الشتاء ورحلة الصيف الى الشام واليمن فما كان فى مال الغنى من فضل عاش الفقير و عياله فى ظله وكان ذلک قطعا للاحتفاد . قالوا نعم ما رايت فالف بين الناس.

''اے گروہ قریش! قبیلہ کی عزت افراد کی کثرت سے ہوتی ہے۔اہل عرب میں جو مال کی فراوانی اور افراد کی کثرت کے اعتبار سے تمہیں برتری حاصل ہے۔لیکن احتفاد کی قبیح رسم نے تمہارے بہت سے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔میری تجویز ہے اگر آپ اس کو سنیں قوم نے کہا فرمائیے۔آپ کی ہر تجویز بہت عمدہ ہوتی ہے۔آپ ہمیں حکم دیں تا کہ ہم اس کی تعمیل کریں۔ہاشم نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے جو مفلس اور کنگال ہے ان کو میں دولت مند خاندانوں کے ساتھ ملا دوں۔ہر غنی کے ساتھ ایک فقیر مع اس کے کنبہ کے ملا دوں۔جب تم لوگ اپنے تجارتی کارواں لے کر موسم گرما اور موسم سرما میں شام اور یمن کی طرف جاؤ تو تمہارے یہ نادار بھائی تمہارا ہاتھ بٹائیں اور جب اس کاروبار میں تمہیں نفع ہو تو اس نفع میں تم ان کو شریک

کر لو تا کہ وہ تمہارے سایہ میں عزت اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔فاقہ کشی کے باعث انہیں مرنے کی نوبت نہ آجائے۔اس طرح یہ اختفاد کی قبیح رسم ختم ہو جائے گی۔سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔پس حضرت ہاشم نے ہر غنی کے ساتھ ایک مفلس کا ندان ملا دیا۔اس حکمت عملی سے ساری قوم کو ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع کر دیا۔''(۱۸۱)

ہاشم اوران کے بھائیوں کو المجیر ون یعنی پناہ دینے والے کہا جاتا۔کیونکہ یہ لوگ اپنی سخاوت اور سیادت کے باعث سارے عرب کے لئے بہترین پناہ گاہ تھے۔

ایک دفعہ قحط سالی کے باعث شدید فاقہ تک نوبت پہنچ گئی لوگوں کو کئی کئی روز تک کھانے کے لئے کچھ میسر نہ آتا۔ہاشم مکہ سے شام گئے وہاں سے آٹا اور کعک خریدا اور حج کے ایام میں لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ مکہ واپس آئے۔روٹیاں پکائی گئیں۔اونٹ قطار در قطار ذبح ہوتے رہے ان کے گوشت کو پکایا گیا سالن کے شوربے کوٹ کوٹ کر ڈالی گئیں اور ثرید بنایا گیا تمام لوگوں کے لئے دسترخوان بچھایا گیا اور سب کو کھانے کی دعوت دی گئی۔سب نے خوب کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے اس وجہ سے آپ کو ہاشم کہا جانے لگا۔ہاشم کا معنی ہے روٹیاں توڑ توڑ کر شوربے میں ملانے والا۔آپ کو ابوالبطحاء اور سید البطحاء بھی کہا جاتا عسر و یسر میں ان کا دسترخوان مہمانوں کے لئے بچھا رہتا۔

ایک صحابی سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باب بنی شیبہ کے پاس دیکھا وہاں سے ایک شخص گزرا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

یـایھـا الرجل المحول رحله　　　الا نزلت بال عبد الدار

''اے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا کیا ہوا ہے کیا تو عبدالدار کی اولاد کے پاس مہمان نہیں ٹھہرا۔''

ھبلتک امک لو نزلت برحلھم　　　منعوک من عدم ومن اقتار

''تیری ماں تجھے روئے اگر تو ان کے صحن میں اترتا تو وہ تجھے افلاس اور تنگ دستی سے بچا لیتے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سنا تو حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا شاعر نے یوں ہی کہا۔صدیق اکبر نے عرض کیا'' **لا والـذی بـعثک بـالحق** '' اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے

ساتھ مبعوث فرمائی ہے شاعر نے ایسا نہیں کہا بلکہ اس نے یوں کہا ہے۔

یایھا الرجل المحول رحلہ　　　الا نزلت بال عبد مناف

''اے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا کیا ہوا ہے کیا تو عبدمناف کی اولاد کے پاس مہمان نہیں ٹھہرا۔''

ھبلتک امک لو نزلت برحلھم　　　منعوک من عدم ومن اقراف

''تیری ماں تجھے روئے اگر تو ان کے صحن میں اترتا تو وہ تجھے افلاس اور تنگ دستی سے بچا لیتے۔''

الخالطین غنیھم بفقیرھم　　　حتیٰ یعود فقیرھم کالکافی

''وہ اپنے غنی کو اپنے فقیر کے ساتھ مال دیتے ہیں۔ یہاں تک ان کا فقیر ان کے ہاں سے جب لوٹتا ہے تو وہ بھی ایک غنی کی طرح اپنی ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے۔''

یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا میں نے بھی یہ اشعار اسی طرح سنے ہیں۔(۱۸۲)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

وقد کان یحمل ابن السبیل ویودی الحقوق وکان نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتلا لا فی وجھہ لا یراہ احد الا قبل یدہ ولا یمر بشیء الا سجد لہ وکان یضرب بجودہ المثل وھو اول من سن الرحلتین لقریش رحلۃ الشتاء و رحلۃ الصیف.

''آپ مسافروں کو سوار کیا کرتے تھے لوگوں کے مالی حقوق اپنی جیب سے ادا کرتے اللہ کے رسول کا نور آپ کے چہرہ پر ضوفشاں رہتا تھا۔ جو آدمی آپ کی زیارت کرتا آپ کے ہاتھ چوم لیتا جب بھی آپ کسی چیز کے پاس سے گزرتے تو وہ سجدہ میں گر جاتی آپ کی سخاوت بطور ضرب المثل عرب میں مشہور تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش

کے دوسفروں کا آغاز کیا۔ایک تجارتی سفر سردیوں میں دوسرا تجارتی سفر گرمیوں میں۔''(۱۸۳)

عبد مناف کے بیٹوں نے اہل مکہ کے لئے مختلف بادشاہوں سے اجازت نامے حاصل کئے تا کہ یہ لوگ تجارتی مقاصد کے لئے ان ممالک میں آزادی سے آمدورفت جاری رکھ سکیں اور کوئی ان سے تعرض نہ کرے انہیں اجازت ناموں کی وجہ سے اہل مکہ کے کاروبار کا دائرہ وسیع ہوا جہاں بھی یہ لوگ جاتے وہاں کی حکومت ان کی جانوں اور تجارتی کاروانوں کی حفاظت کی ضمانت دیتی۔یہ لوگ آزادی سے خرید فروخت کرتے اور خوب نفع کماتے۔حضرت ہاشم نے شام، روم اور غسان کے حکمرانوں سے اجازت نامہ حاصل کیا عبد شمس نے نجاشی والی حبشہ سے نوفل نے کسر شاہ ایران سے، مطلب نے حمیر کے سلاطین سے اجازت نامے حاصل کئے تھے۔(۱۸۴)

حضرت ہاشم جس شام کو ذی الحجہ کا چاند نظر آتا صبح سویرے حرم میں تشریف لاتے اور کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔

''اے گروہ قریش تم عرب کے سردار ہو۔تمہارے چہرے بڑے حسین ہیں۔تم زیرک اور دانشمند ہو۔اے گروہ قریش! تم اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا متولی ہونے کی عزت عطا فرمائی ہے۔اور اس کا ہمسایہ بننے کی خصوصیت سے نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے والے اور اس کا ادب واحترام کرنے والے ابھی آئیں گے۔اور وہ اس کے مہمان ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی عزت وتکریم کرنے کے تم زیادہ حق دار ہو۔پس تم اس کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کی عزت کرو۔اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اتنا سرمایہ ہوتا تو میں خود ہی یہ سارا بوجھ اٹھاتا۔میں اپنے پاکیزہ اور حلال مال سے اس مقصد کے لئے کچھ حصہ نکالوں گا ایسا مال جس کے حاصل کرنے میں نہ قطع رحمی کی گئی ہے اور نہ ظلم روا رکھا گیا ہے۔اور نہ اس میں کچھ حرام داخل ہے۔میں تم سے یہ التماس کرتا ہوں

کہ جو چاہے اس نیک مقصد کے لئے مالی تعاون کرے۔کوئی آدمی ایسا
مال نہ دے جو پاکیزہ نہ ہو جس کے حصول میں کسی کے ساتھ ظلم کیا گیا ہو
اور کسی سے زبردستی چھینا گیا ہو۔''

اہل مکہ آپ کی اس دعوت کو بسر وچشم قبول کرتے اور بڑھ چڑھ کر مالی تعاون کرتے۔یہ سب چیزیں دارالندوہ میں جمع کر دی جاتیں۔(۱۸۵)

حضرت ہاشم کا ایک خطبہ جو فصاحت و بلاغت کے علاوہ حکیمانہ اقوال کا ایک مرقع زیبا ہے۔اس کے مطالعہ سے حضرت ہاشم کی بلند نظری اور قوم کی اصلاح و فلاح کے لئے حکیمانہ انداز فکر کی گہرائیوں اور وسعتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔وہ مکارم اخلاق جن سے ان کی ذات متصف تھی اس کا بھی کو کچھ نہ کچھ علم ہو جائے گا۔

قریش اور خزاعہ کے دو قبیلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باہمی منافرت میں ان سے فیصلہ چاہا کہ بجائے اس کے کہ آپ ایک قبیلہ کے فضائل بیان کرتے اور دوسرے کی کمزوریوں اور رذائل کا ذکر کرتے۔آپ نے بڑے نرالے انداز سے ان کے متنفر دلوں کو جوڑنے کی اور اخوت و محبت کے رشتہ میں پرونے کی سعی مشکور فرمائی۔

**ایها الناس ! نحن ال ابراهیم وذریة اسماعیل و
بنو النضر بن کنانة و بنو قصی ابن کلاب وارباب مکة
وسکان الحرم لنا ذروة الحسب و معدن المجد ولکل فی
کل حلف یجیب علیه نصرته واجابة دعوته الا ما دعا الی
عقوق عشیرة وقطع رحم.یا بنی قصی ! انتم کغصنی
شجرة ایهما کسر او حش صاحبه والسیف لا یصان الا
بغمده ورامی العشیرة یصیبه سهمه یایها الناس الحلم
شرف والصبر ظفر و المعروف کنز والجود سؤدد
والجهل سفه والایام دول والدهر غیر والمرء منسوب
الی فعله وماخوذ بعلمه فاصطنعوا المعروف تکسبوا**

الحمد ودعوا الفضول تجانبكم السفهاء. واكرموا الجليس يعمرناديكم وحاموا الخليط يرغب في جواركم وانصفوا من انفسكم يوثق بكم وعليكم بمكارم الاخلاق فانها رفعة واياكم والاخلاق الدنيئة فانها تضع الشرف وتهدم المجد.

''اے لوگو! ہم آل ابراہیم ہیں اولاد اسماعیل ہیں نضر بن کنانہ کے فرزند ہیں قصی بن کلاب کے بیٹے ہیں اور مکہ کے مالک ہیں اور حرم میں رہنے والے ہیں۔حسب کی بلندی اور بزرگی کی پختگی ہمارے لئے ہے۔جس نے کسی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے اس کی مدد ضروری ہے۔اور اگر وہ پکارے تو اس کو لبیک کہنا لازمی ہے بجز اس کے کہ اس کی دعوت اپنے قبیلہ سے سرکشی اور قطع رحمی کی ہو۔اے قصی کے بیٹو! تم اس طرح ہو جس طرح درخت کی دو ٹہنیاں ہوتی ہیں اگر ان میں سے ایک ٹوٹ جائے تو دوسری بھی وحشت اور نقصان سے دو چار ہوتی ہے تلوار کی حفاظت اس کی نیام ہی سے ہوسکتی ہے جو آدمی اپنے قبیلہ پر تیر اندازی کرتا ہے وہ خود بھی تیر کا نشانہ بنتا ہے اے لوگو! حلم اور بردباری بزرگی ہے صبر کامیابی کی کلید ہے۔اچھائی ایک خزانہ ہے اور سخاوت سرداری ہے اور جہالت کمینگی ہے۔دن بدلتے رہتے ہیں زمانہ تغیر پذیر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنے کام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اپنے عمل کے باعث اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔اچھے کام کرو لوگ تمہاری تعریف کریں گے فضول باتوں سے دامن کش رہو۔بے وقوف لوگ تم سے علیحدہ رہیں گے۔اپنے ہم نشین کی عزت کرو تمہاری مجلسیں آباد رہیں گی اپنے شریک کار کی حفاظت کرو لوگ تمہاری پناہ لینے کے مشتاق ہوں گے۔اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرو۔تم پر اعتماد کیا جائے

گا۔ مکارم اخلاق کی پابندی کرو کیونکہ اس میں تمہاری بلندی ہے اور کمینہ
عادتوں سے دور رہو کیونکہ اس سے عزت خاک میں مل جاتی ہے اور
ناموری کا قصر منہدم ہو جاتا ہے۔'' (۱۸۶)

بنی ہاشم و بنی امیہ میں عداوت کی ابتداء

امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی مالدار شخص تھا۔ اس نے بھی حضرت ہاشم کی طرح قریش کو کھانا کھلانے کی کوشش کی مگر عاجز آ گیا۔ قریش کے کچھ لوگوں نے طعنہ زنی کی اور کوتاہی و عاجزی پر شماتت کی تو امیہ غصہ میں آ گیا اور حضرت ہاشم کو سیاہ آنکھوں والے پچاس اونٹوں اور دس سال جلاوطنی کی شرط پر منافرہ (۱۸۷) کی دعوت دی۔

بنوخزاعہ کے ایک کاہن کو دونوں نے ثالث بنایا، جس نے حضرت ہاشم کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ حضرت ہاشم نے امیہ سے وہ شرط میں ذکر کئے گئے اونٹ لے کر ذبح کر دیئے اور حاضرین کی ضیافت کی۔ امیہ ملک شام کی طرف جلاوطن ہو گیا اور وہاں دس برس تک مقیم رہا۔ بلاذری کے مطابق یہ پہلی عداوت تھی جو ہاشم و امیہ کے قبائل میں واقع ہوئی۔ (۱۸۸)

اس عداوت نے بعد میں کیا سے کیا رنگ اختیار کر لیا مگر اس واقعہ نے جناب ہاشم کی فیاضی اور غریب پروری کا تاثر اور گہرا کر دیا، اور واضح طور پر نظر آتا ہے کہ جناب ہاشم کا عداوت کی آگ بھڑکانے میں کچھ بھی حصہ نہیں تھا۔ بلکہ کتب تاریخ کے مطالعہ سے ایسا کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ جناب ہاشم نے اپنے اس کارنامے پر فخر کا اظہار کیا ہو جس کے سبب امیہ بن عبدالشمس کے دل میں آپ سے سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا ہوا۔

حضرت ہاشم پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش میں دو تجارتی سفروں کو رواج دیا۔ انہوں نے شام کے بادشاہوں سے قریش کے لئے پروانہ راہداری حاصل کیا تاکہ وہ امن و امان اور حفاظت کے ساتھ سفر کر سکیں اور انہیں کسی قسم کا ٹیکس نہ دینا پڑے۔ اپنے بھائی عبد شمس کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا اور وہ اس سے پروانہ راہداری لے آیا۔ اور دوسرا بھائی نوفل بن عبد مناف عراق کے والی کسری کے پاس گیا اور اُس سے امان نامہ لے آیا۔ اِس طرح مطلب بن عبد مناف یمن کے حمیری بادشاہ کے پاس گیا اور اُس سے اِسی طرح کا اجازت نامہ لے آیا۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل کو ''المجیزون'' (

اجازت ناموں والے) کہا جاتا تھا، اوران سب نے سرداری وحکومت کی۔(۱۸۹)

زائرین کعبہ کی خدمت

جب حضرت ہاشم کو سقایہ ورفادہ (۱۹۰) کا منصب ملا تو وہ ہر سال زائرین بیت اللہ پر کثیر مال خرچ کرتے تھے اور وہ قریش میں سب سے زیادہ خوشحال اور فراخ دست تھے۔ وہ یکم ذوالحجہ کو حجاج کرام کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔ اپنی پشت باب کعبہ کی طرف دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑے ہو جاتے اور ایک فصیح وبلیغ خطاب کرتے تھے:

''اے گروہ قریش! تم لوگ اللہ کے ہمسائے ہو، بیت اللہ والے ہو، اِس موسم میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے زائرین آتے ہیں، جو اس گھر کی حرمت کی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ قابل احترام ہیں، پس اللہ کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائرین کا اکرام کیا کرو۔ بلاشبہ یہ لوگ پراگندہ بال، غبار آلود چہروں کے ساتھ لاغرو نحیف سواریوں پر آتے ہیں، ان کی ضیافت کرو، اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا کہ میں یہ سب کچھ برداشت کرسکتا تو تمہاری طرف سے میں اکیلا ہی یہ سب کچھ کرتا۔ میں اپنا عمدہ وحلال مال نکال رہا ہوں جو کسی قسم کی قطع رحمی یا ظلم کے ذریعے حاصل نہیں کیا گیا اور اس میں کسی قسم کا حرام شامل نہیں۔ میں اس مال کو تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں، تم میں سے جو چاہے اپنا مال اس میں شامل کرے۔ اور میں تمہیں بیت اللہ کی حرمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میں سے جو بھی زائرین بیت اللہ کی خدمت کے لئے اپنا مال دے اس کا مال ظلم کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو اور اس میں کسی قسم کا حرام شامل نہ ہو۔'' (۱۹۱)

تمام قریش اور بنو کعب بن لؤی اِس کارِخیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، دیگر لوگ بھی حسب استطاعت اپنا مال نکالتے، یہ سب مال بنو ہاشم کے پاس لاتے اور اس کے دارالندوہ میں جمع کرا دیتے تھے، حضرت ہاشم نے حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے ایک چمڑے کا حوض تیار کروایا تھا جسے زمزم کی جگہ پر نصب کیا جاتا، ابھی تک زمزم کی کھدائی نہیں ہوئی تھی، اُس حوض کو مکہ کے کنوؤں سے پانی لا کر بھر دیا

جا تا اور حاجی اُس سے پانی پیتے تھے، حضرت ہاشم آٹھ ذوالحجہ (یوم الترویہ) سے پہلے مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کرتے۔ پھر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی کھانے کا اہتمام کرتے۔ وہ روٹی اور گوشت کی ثرید، روٹی اور گھی، جو اور کھجور کھلاتا تھا، یہ سلسلہ جاری رہتا۔ یہاں تک کہ وہ سب لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے تھے۔

عقد نکاح

جناب ہاشم بن عبد مناف تجارت کی غرض سے شام آتے جاتے یثرب سے گزرتے ہوئے اپنے والد کے دوست عمرو بن زید بن لبید کے پاس ٹھہرے تھے۔ ایک سفر کے دوران وہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ان کی نظر عمرو کی بیٹی سلمیٰ پر پڑی، وہ انہیں اچھی لگی، اُس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بیوہ ہے، وہ احیحہ بن الجلاح کے عقد نکاح میں تھیں۔ عمرو اور معبد دو لڑکے بھی اُن کی صلب سے پیدا ہوئے۔ پھر ان میاں بیوی میں جدائی ہوگئی اور دونوں بیٹے بھی ہلاک ہو گئے تھے۔ اور بعد ازاں احیحہ بھی مر گیا تھا۔ حضرت ہاشم نے اُس کا رشتہ مانگا اور اُس کے باپ نے اس شرط پر نکاح کر دیا کہ وہ پہلا بچہ اپنے میکے میں پیدا کرے گی۔ حضرت ہاشم اُسے مکہ لے گئے۔ جب حاملہ ہوئیں تو ان کے باپ کے پاس یثرب لے آئے اور وہاں چھوڑ کر تجارت کے لئے شام چلے گئے۔ (۱۹۲)

وفات

حضرت ہاشم اپنے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کو روانہ ہو گئے۔ اسی دوران اُن کے بیٹے عبد المطلب پیدا ہوئے جن کے سر میں کچھ بال سفید تھے، جس کی مناسبت سے اُن کا نام شیبہ رکھا گیا۔ حضرت ہاشم غزہ میں پہنچے تو بیماری کی شکایت پیدا ہوئی اور وفات ہوگئی، غزہ ہی میں اُن کو دفن کیا گیا، ابو رہم بن عبد العزیٰ العامری ان کا ترکہ لے کر اُن کے فرزندوں کے پاس آئے تھے۔ وفات کے وقت اُن کی عمر ۲۰ سال یا ۲۵ سال تھی۔ بلاذری نے ۲۵ سال کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ (۱۹۳)

حضرت ہاشم بنو عبد مناف میں سے وفات پانے والے پہلے شخص تھے۔ پھر عبد شمس بن عبد مناف نے مکہ میں وفات پائی اور اجیاد میں مدفون ہوا۔ اس کے بعد نوفل بن عبد مناف عراق جاتے ہوئے موضع سلمان میں وفات پا گیا اور آخر میں مطلب بن عبد مناف نے یمن کے راستے پر ردمان کے علاقے میں وفات پائی۔ (۱۹۴)

حضرت ہاشم نے اپنے بھائی مطلب بن عبد مناف کو اپنا وصی بنایا تھا۔ امیہ بن عبد شمس کو چچا ہاشم سے جو اختلاف شروع ہو گیا تھا وہ آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوا، ہاشم اور مطلب کی اولاد ایک جانب اور نوفل اور عبد شمس کی اولاد ایک جانب رہا کرتی، ان ہر دو کی عداوت و منافرت کے کئی واقعات مشہور ہیں (۱۹۵)۔

ہاشم اور مطلب دونوں کو حسن و جمال کی وجہ سے ''البدران'' دو چودھویں کے چاند کہا جاتا تھا ۔(۱۹۶) ہاشم اور عبد شمس جڑواں پیدا ہوئے تھے، عبد شمس ولادت میں ہاشم سے پہلے تھا۔(۱۹۷) یہ بھی کہا گیا ہے کہ پیدائش کے وقت ان میں سے ایک کی انگلی دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی تھی جسے جدا کیا گیا تو خون بہہ نکلا، اور اِس کی تعبیر یہ کی گئی کہ دونوں کے درمیان خون ریزی ہوگی ۔(۱۹۸)

جناب ہاشم کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا مگر آپ نے کم عمری میں بہت عزت کمائی، سقایہ اور افادہ کا منصب حاصل کیا اور اسے بخوبی نبھایا، گرمیوں اور سردیوں کے تجارتی سفر کو رواج دیا، کئی بادشاہوں سے تجارت کے پروانے حاصل کئے یہ سب کچھ آپ کی فراست اور ذہانت پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ہاشم کی اولاد

جناب ہاشم نے چھ شادیاں کیں جن سے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔(۱۹۹)

	نام اهلیه	پسران	دختران
۱۔	سلمی بنت عمرو بن زید بن لبید (از قبیله بنو النجار)	عبد المطلب (شبیه)	رقیه
۲۔	هند بنت عمرو بن ثعلبه (قبیله خزرج)	صیفی . أبو صیفی	
۳۔	قیلة المقلب به جزور بنت عامر بن مائک بن جذیمه المصطلق (قبیله خزاعه)	أسد	

۴۔	امیمه بنت عدی بن عبدالله (قبیله قضاعه)	نضله	شفاء
۵۔	واقدة بنت ابی عدی (قبیله هوازن)		صعیفه . خالده
۶۔	ام عدی بنت حبیب بن الحارث (قبیله ثقیف)		حیه
	زوجات : ۶	پسران : ۵	دختران: ۵

(۲۰) جناب حضرت عبدالمطلب بن ہاشم

عبدالمطلب ''طلب'' مصدر سے ''**مفتعل**'' کے وزن پر ہے۔ان کا نام شیبۃ الحمداور ایک روایت کے مطابق عامر ہے۔کنیت ابوالحارث اورابوالبطحاء ہے۔والدہ کا نام: **سلمی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار** ہے۔(۲۰۰)

جناب ہاشم بن عبدمناف تجارت کی غرض سے شام آتے جاتے تھے۔جب یثرب کے پاس گزرتے تو عمرو بن زید بن لبید کے پاس ٹھہرتے جو ان کے والد کا دوست تھا۔ایک سفر کے دوران وہاں ٹھہرے ہوے تھے کہ ان کی نظر عمرو کی بیٹی سلمی پر پڑی۔وہ انھیں اچھی گی۔پہلے اس کی شادی **احیحه بن الجلاح بن الحریش الأوسی** کے ساتھ ہوئی تھی جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔(۲۰۱)

وہ دونوں کسی حادثے میں ہلاک ہو گئے اور بعدازاں **احیحه الأوسی** بھی وفات پا گئی۔جناب ہاشم نے سلمی کا رشتہ مانگا۔اوراس کے باپ نے نکاح کر دیا۔لیکن شرط لگائی کہ وہ پہلا بچہ اپنے میکے میں ہی جنم دے گی۔جناب ہاشم شادی کے بعد اسے مکہ لے آئے۔اور جب وہ حاملہ ہوئی اور وقت ولادت قریب آیا تو ہاشم اسے اس کے باپ کے پاس یثرب لے گے اور اسے وہاں چھوڑ کر تجارت کے لئے شام چلے گے دوران سفر غزہ فلسطین میں آپ کی وفات ہو گئی۔۔اور سلمی نے **شیبة الحمد** کو جنم دیا۔(۲۰۲)

شیبہ اور عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ

آپ کی والدہ نے آپ کا نام شیبہ اس لئے رکھا کیونکہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے سر میں چند سفید بال تھے۔عبدالمطلب اس لئے کہا گیا کیونکہ جب وہ سات آٹھ سال کے ہوئے تو ان کے چچا مطلب بن عبدمناف کو ان کی خوبصورتی، نظافت، خوش لباسی اور ہاشم کے ساتھ شباہت کے بارے میں خبر پہنچی۔(۲۰۳)

چنانچہ انھیں اپنے بھتیجے کو دیکھنے کا شدید اشتیاق ہوا۔وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور یثرب پہنچ گے۔اس وقت جناب شیبہ بچوں کے ساتھ تیراندازی میں مصروف تھے جب ان کا نشانہ لگا تو نعرہ لگایا:

أنا ابن هاشم ، أنا ابن سيد البطحاء ''(میں ہاشم کا بیٹا ہوں، میں بطحاء کے سردار کا بیٹا ہوں)۔مطلب قریب ہوئے اور پوچھا: بیٹا، تم کون ہو؟ کہنے لگے: میں شیبہ بن ہاشم بن عبدمناف ہوں ۔مطلب نے کہا: میں تیرا چچا مطلب بن عبدمناف ہوں۔میں تجھے تیرے شہر، تیری قوم، تیرے باپ کے گھر اور بیت اللہ کے ہمسایہ میں لے جانے کے لئے آیا ہوں۔مطلب نے اسے مکہ کا خوب شوق دلایا۔وہ کہنے لگے: اے چچا جان! میں آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں۔بنونجار کا ایک شخص یہ منظر دیکھ رہا تھا، کہنے لگا: ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم اس کے چچا ہو۔اسے ابھی لے کر چلے جاؤ، اس سے پہلے کہ اس کی ماں کو علم ہو جائے، اور وہ ہمیں منع کر دے اور ہم تمہیں اس کو نہ لے جانے دیں۔(۲۰۴)

چنانچہ وہ فوراً اسے لے کر چل پڑے اور جب مکہ میں داخل ہوئے تو وہ بچہ ان کے پیچھے سوار تھا ۔مطلب قریش کی جس محفل کے پاس گزرتے تو وہ پوچھتے: اے ابوالحارث! یہ بچہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو وہ جواب دیتے: میرا غلام ہے، میں نے اسے خریدا ہے۔(۲۰۵)

پھر انھیں گھر لے گے، آپ کی بیوی خدیجہ بنت سعید بن سعد بن سہم نے انھیں اپنے پاس رکھا۔نہلایا دھلایا، خوشبو لگائی اور عمدہ لباس پہنایا اور جب مطلب کے ساتھ قریش کی مجلس میں پہنچے تو وہ کہنے لگے:

''**هـذا عبد المطلب** ''(یہ مطلب کا غلام ہے) چنانچہ اصل نام کی جگہ یہ نام معروف ہو گیا۔(۲۰۶)

جناب عبدالمطلب کی ماں سلمی نے اس موقع پر کہا تھا:

انتزعوه غيلة من امه　　　وغلب الاخوال حق عمه

ترجمہ: انہوں نے خفیہ طریقہ سے اسے اپنی ماں سے چھین لیا اور ماموؤں پر اس کے چچا کا حق غالب آ گیا۔

اور مطلب نے جوابا کہا:

یا سلم یااخت بنی النجار　　　　ما ابن اخی بالهین المعار

ترجمہ: اے سلمی! اے بنونجار کی بہن! میرا بھتیجا کم قیمت اور قابل عار نہیں ہے۔

جناب عبد المطلب اکثر اپنے ننہال جایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ احسان و نیکی کرتے تھے۔(۲۰۷)

جناب عبدالمطلب عربوں میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے وسمے کے ساتھ خضاب کیا کیونکہ ان پر جلد بڑھاپا آ گیا تھا۔ کسی یمنی بادشاہ کے پاس مہمان ٹھہرے تو اس نے انہیں خضاب کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے مہندی کے ساتھ بالوں کا رنگ بدلا اور پھر اس پر خضاب لگایا۔ جب واپس ہوئے اور مکہ کے قریب پہنچے تو دوبارہ خضاب لگایا۔ اور وہ اپنے ساتھ خضاب کی بڑی مقدار لائے تھے۔ جب گھر داخل ہوئے تو ان کے بال کوے کی طرح سیاہ تھے۔ ان ی بیوی نتیلہ (ام عباس) نے دیکھا تو کہا:

یا شیب ، ما أحسن هذا الصبغ لو دام فعله!،

اے شیبہ! یہ رنگ کتنا اچھا ہے اگر ہمیشہ لگاتے رہو۔

جناب عبدالمطلب نے کہا:

لو دام لی هذا السواد حمدته　　　　فکان بدیلا من شباب قد انصرام

تمتعت منه والحیاة قصیرة　　　　ولا بد من موت نتیلة أو هرم

ترجمہ: یہ سیاہی اگر میرے لئے ہمیشہ رہتی تو میں اس کی تعریف کرتا اور اس صورت میں یہ اس جوانی کا بدل ہوتی جو ختم ہو چکی ہے۔ میں نے اس سے فائدہ تو اٹھایا مگر زندگی تھوڑی ہے، اور اے نتیلہ! موت یا بڑھاپا تو لازمی امر ہے۔

اس کے بعد اہل مکہ بھی آپ کی تقلید میں خضاب کرنے لگے۔(۲۰۸)

بلاذری نے الکلبی کے حوالہ سے جناب عبد المطلب کے عوام پر احسانات اور سخاوت و

ایفائے عہد کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ جذام کے کچھ لوگوں نے حج کیا۔ ان کا ایک شخص مکہ میں اغوا ہو گیا۔ انہوں نے شک کی بنا پر حذافہ بن غانم کو پکڑ کر باندھ دیا۔ عبدالمطلب طائف سے آ رہے تھے۔ اس وقت ان کی بینائی جا چکی تھی اور ابولہب ان کی سواری پکڑ کر چل رہا تھا۔ حذافہ نے انہیں دور سے دیکھا تو مدد کے لئے آواز دی۔ عبدالمطلب قبیلہ جذام کے لوگوں کے پاس گئے اور کہا: تمہیں میری تجارت اور کثرت مال و دولت کا علم ہے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں تمہیں بیس اوقیہ سونا یا دس اونٹ یا جس پر تم راضی ہو دے دوں گا اور یہ میری چادر گروی رکھ لو، اور میری ضمانت پر خذافہ کو چھوڑ دو۔ انہوں نے یہ مال قبول کر لیا اور حذافہ کو آزاد کر دیا۔ عبدالمطلب نے اسے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور اسے مکہ لے آئے، اور قبیلہ جذام سے جو وعدہ کیا تھا پورا کر دیا۔ حذافہ نے اظہار احسان مندی کے لئے ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں:

أخارج (٢٠٩) اما أهلكن فلا تزل — لشيبة منكم شاكرا آخر الدهر

وأولاده بيض الوجوه وجو ههم — تضئ ظلام الليل كالقمر البدر

لساقي الحجيج ثم للشيخ هاشم — وعبد مناف ذلک السيد الفهری

ابوكم قصی كان يدعى مجمعا — به جمع الله القبائل من فهر (٢١٠)

ترجمہ: اے خارجہ! میں مر بھی جاؤں تو تم لوگ قیامت تک شیبہ کے احسان مند رہنا۔ اور اس کی اولاد کے شکر گزار رہنا جو روشن چہروں والے ہیں اور ان کے چہرے رات کے اندھیروں کو چودھویں کے چاند کی طرح روشن کر دیتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلانے والے اور پھر ہاشم سردار اور عبدمناف جو قریشی سردار تھا۔ اور ان کا باپ قصی جسے مجمع کا نام دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے قریش کے قبائل کو اکٹھا کیا۔

واقعہ فیل

کنانہ کی عزت وعظمت کی گواہی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہو جاتی ہے:

”ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل ، واصطفى من ولد اسماعيل بنى كنانه ، واصطفى من بنى كنانة قريشا ، واصطفى من قريش بنى هاشم ، واصطفانى من بنى هاشم . “ (٥٦)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا، اور

اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو چن لیا، اور بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب فرمایا، اور قریش سے بنو ہاشم کا انتخاب فرمایا، اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

ابرھه الاشرم (ابویکسوم) نے ایک حبشی کو قتل کیا جو یمن پر قابض تھا اور خود اس کی جگہ لے لی۔ اس نے دیکھا کہ یمن میں رہنے والے عرب ہر سال حج کے موسم میں تیاریاں کرتے ہیں۔ اس نے ان کے بارے میں معلومات لیں تو اسے بتایا گیا کہ وہ مکہ جانے کی تیاری کرتے ہیں جہاں پر اللہ کا گھر ہے اور اس کی زیارت کے ذریعے تقرب الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ ابرہہ نے بھی صنعاء میں سونے اور جواہرات سے آراستہ ایک گھر بنایا اور عربوں کو آمادہ کیا کہ وہ اس کا حج کریں، اور جو کچھ کعبہ کے پاس جا کر کرتے ہیں وہ تمام عبادات یہاں کریں۔ یہ سن کر کچھ عرب غصہ میں آ گئے اور انہوں نے ابرہہ کے گھر کے دربانوں کو شراب پلا دی اور پھر گندگی کے انبار لا کر اسے بھر دیا۔ ابرہہ غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا: مسیح کی قسم! میں عربوں کے گھر پر حملہ کروں گا جس کا وہ حج کرتے ہیں۔ اس نے نجاشی کو پیغام بھیجا کہ میں تمہارا غلام ہوں۔ میرے ملک میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارا ہے۔ اسے کچھ تحائف بھی بھیجے اور التماس کی کہ اسے اپنا ہاتھی عطا کرے جس کے ساتھ وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ نجاشی نے اپنا ہاتھی اور لشکر اس کی طرف بھیج دیا۔ پھر ابرہہ بیت اللہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ہاتھی سب سے آگے آگے تھا۔ دلیل راہ کے طور پر نفیل بن حبیب **الـخثعمی** اس کے ساتھ تھا۔ جب حرم کے قریب پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا۔ انہوں نے نیزے مار مار کر اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ اٹھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لشکر پر پرندے بھیج دیئے۔ ہر پرندے کے پاس تین کنکر تھے۔ انہوں نے کنکر لشکر پر برسا دیئے اور کوئی فرد زندہ نہ بچ سکا۔ (۲۱۱)

بلاذری کی ایک روایت کے مطابق جب حبشی مکہ کے قریب پہنچا تو اپنے ساتھ آنے والے لشکر کو حملے کے لئے پھیلا دیا۔ ان میں ایک شخص اسود بن مقصود نے جناب عبدالمطلب کے اونٹ ہانک لئے۔ عبدالمطلب حبشی کے پاس آئے۔ اور اسے آپ کے حسب و نسب کے بارے میں بتایا۔ عبدالمطلب دراز قد تھے۔ زلفیں کندھوں تک لٹکتی تھیں۔ گھنی پلکوں والے، اونچی ناک والے، خوبصورت و نرم جلد والے اور حسین رخسار والے تھے۔ حبشی نے آپ کی عزت و توقیر کی اور کام پوچھا۔ آپ نے فرمایا: تمہارا آدمی میرے اونٹ ہانک لایا ہے۔ حبشی نے فوراً اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا اور کہنے لگا: میرا خیال تھا کہ تم بیت اللہ کے معاملے کے بارے میں میرے پاس آئے ہو۔ جناب عبدالمطلب نے کہا:

''ان لـلبيـت ربـا سيـمـنعه و يحميه ''(اس گھر کا ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت و دفاع کرے گا)۔ جناب عبدالمطلب اور عـمـرو بـن عـائـذ بن عمران بن مخزوم ہر روز مکہ میں لوگوں سے ملتے تھے جبکہ حبشی نے ان کا حصار کر رکھا تھا۔ زیادہ تر اہل مکہ خوف سے بھاگ گئے تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر اپنے رب کریم سے عرض کیا تھا:

یـارب ان الـمـرء یـمنع	رحـلـه فـامـنع حلالک
لا یـــغـــلبـــن صـــلیبهـــم	ومـحالهم غدوا محالک

ترجمہ: اے پروردگار! بے شک انسان اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے۔ س تو اپنی متاع (کعبہ) کی حفاظت کر۔ ان کی صلیبیں اور ان کے مکر و فریب کل تیری قوت وقدرت پر ہرگز غالب نہ آنے پائے۔

فیل کی آمد محرم کے وسط میں ہوئی اور یہ واقعہ ولادت نبوی سے کچھ دن کم دو ماہ قبل پیش آیا۔(۲۱۲)

نوفل بن عبدمناف کا عبدالمطلب کی وادی پر قبضہ

جب مطلب بن عبدمناف وفات پا گیا، اور وہ عبدالمطلب کا سہارا اور حامی و ناصر تھے، تو نوفل بن عبدمناف نے عبدالمطلب کی وادیوں پر قبضہ کر لیا۔ عبدالمطلب، نوفل کے اس رویے سے بہت پریشان ہوئے۔ اپنی قوم سے اس ظلم پر فریاد کی مگر کسی نے مدد نہ کی۔ پھر آپ نے اپنے ننھیال بنونجار کو ایک قصیدے کی شکل میں خط لکھا اور انہیں مدد کے لئے پکارا۔ اس قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں: (۲۱۳)

یـا طـول لیـلـی لأحـزانی واشغالی	هل من رسول الی النجار أخوالی
قد کنت فیکم وما اخشی ظلامة ذی	ظـلـم عـزیـز امـنیـعا ناعم البال
حتی ارتحلت الی قومی وأزعجنی	لـذاک مـطلب عمی بتر حالی
فـغـاب مـطـلـب فـی قـعـر مظلمة	ثـم انتری نوفل یعدو علی مالی
فـاستـنفروا وامنعوا ضیم ابن اختکم	لا تـخـذلـوه فـمـا انتم بخذال

ترجمہ: ہائے! میرے غموں اور دکھوں سے بھری طویل رات! کیا کوئی قاصد ہے جو میرے ماموؤں بنونجار تک میرا احال پہنچا دے۔ بے شک میں تم میں تھا تو کسی ظالم کے ظلم کا کوئی ڈر نہ تھا۔ محفوظ اور

خوشحال تھا۔ یہاں تک کہ اپنی قوم کی طرف کوچ کر گیا۔ اور اس سفر پر مجھے میرے چچا مطلب نے مجبور کیا۔ پھر مطلب قبر کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اور نوفل میرے مال پر قبضہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بس تم لوگ آ ؤ اور اپنے بھانجے پر ہونے والے ظلم کو روکو۔ اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑو، بے شک تم کسی کو بے سہارا چھوڑنے والے نہیں۔

چنانچہ یہ خط پہنچتے ہی بنونجار کی ایک بڑی تعداد مسلح ہو کر پہنچ گئی۔ انہوں نے کعبہ کے صحن میں اپنے اونٹ بیٹھائے۔ نیزے گاڑ دیئے اور ان پر ڈھالیں لٹکا دیں۔ جب نوفل نے انہیں دیکھا تو کہا: یہ لوگ ضرور جنگ کے لئے آئے ہیں۔ پھر انہوں نے نوفل سے بات چیت بھی کی۔ تو وہ ڈر گیا اور عبد المطلب کی تمام وادیاں واپس کر دیں، بلکہ کچھ زیادہ دیا اور اپنے فعل پر معذرت بھی کی۔

بنوخزاعہ اور جناب عبدالمطلب کے درمیان معاہدہ نصرت

بلاذری نے ہشام بن الکلبی کی روایت نقل کی ہے کہ جب بنونجار عبدالمطلب کی مدد کے لئے آئے تو خزاعہ یہ کہنے لگے:

''والله ما رأينا بهذا الوادى أحدا أحسن وجها ، ولا أتم خلقا ، ولا اعظم حلما ، ولا أبعد من جكل موبقة تفسد الرجال من هذا الانسان '' (بخدا! اس وادی میں اس انسان (عبدالمطلب) سے زیادہ خوبصورت اور خوش اخلاق آدمی نہیں دیکھا اور نہ ہی فتنہ فساد سے بچنے والا اس سے بڑا حلیم و بردبار دیکھا ہے) اس کے ننہال نے سا کی مدد کی ہے جبکہ اس نے ہم میں پرورش پائی ہے اور اس کا دادا عبدمناف، **حبى بنت حليل بن حبشيه** (۲۱۴) کا بیٹا ہے جو خزاعہ کے سردار کی بیٹی تھی۔ اگر ہم اس کے ساتھ معاہدہ نصرت کر لیں تو ہم اس سے اور اس کی قوم سے مستفید ہوں گے اور وہ ہم سے نفع حاصل کرے گا۔ چنانچہ ان کے چند سردار عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوالحارث! جس طرح بنونجار کا تمہارے ساتھ نسبی تعلق ہے اسی طرح ہمارا بھی تمہارے ساتھ نسبی تعلق ہے، اور مزید براں ہم تمہارے ہمسایہ بھی ہیں۔ مرور زمانہ نے ہمارے بعض لوگوں کے دلوں میں قریش کے خلاف بغض و کینہ کو ختم کر دیا ہے۔ لہذا آ و ہم باہم حلیف و مددگار بن جائیں۔ عبدالمطلب کو یہ بات پسند آئی اور اس نے فوراً حلف قبول کر لیا۔ چنانچہ بنوخزاعہ کے تمام سربراہان دارالندوہ میں جمع ہوئے اور ایک معاہدہ تحریر کیا۔ عبدالمطلب کے ساتھ بنوعبدالمطلب میں سے سات افراد تھے۔ بنونوفل اور عبدشمس کے لوگ اس معاہدہ

میں شریک نہ ہوئے۔اس معاہدہ کوانہوں نے کعبہ میں لٹکایا۔اسے ابوقبیس بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب نے تحریر کیا۔عبدالمطلب نے اسی روز لبنی بنت ھاجر بن عبدمناف بن ضاطر سے شادی کی جس نے ابولہب کوجنم دیا،اورانہیں دنوں ممنعہ بنت عمرو بن مالک بن مؤمل سے بھی شادی کی جس سے غیداق پیدا ہوا۔(۲۱۵) بلاذری (م۲۷۹ھ/۸۹۲ء) نے مذکورہ معاہدہ نصرت کامکمل متن نقل کیا ہے جومندرجہ ذیل ہے:

"هذا ما تحالف عليه عبد المطلب بن هاشم ورجالة عمرو بن ربيعة من خزاعة ومن معهم من أسلم ومالک ابني افضى بن حارثة . تحالفوا على التناصر والمؤاسادة ما بل بحر صوفة ، حلفا جامعا غير مفرق ، الأشياخ ، والأصاغر على الأصاغر ، والشاهد على الغائب ، وتعاهدوا وتعاقدوا أو كد عهد ، وأوثق عقد ، لا ينقض ولا ينكث ما شرقت شمس على ثبير ، وحن بفلاة بعير ، وما قام لاخشبان ، ومعر بمكة انسان ، حلف أبد ، لطول أمد ، يزيده طلوع الشمس شدا ، وظلام الليل مدا . وان عبد المطلب وولده ومن معهم دون سائر بني النضر بن كنانة ، ورجال خزاعة متكافتون ، متعاونون . فعلى عبد المطلب النصرة لهم ممن تابعه على كل طالب وتر ، في بر أو بحر ، أو سهل أو وعر . وعلى خزاعة النصرة لعبد المطلب وولده ومن معهم على جميع العرب ،في شرق أو غرب ، أو حزن أو سهب . وجعلوا الله على ذلک كفيلا ، وكفى به " (۲۱۶)

یہ معاہدہ ہے جوعبدالمطلب بن ہاشم کے درمیان اورخزاعہ میں سے عمرو بن ربیعہ کے لوگوں اوران کے حلیف افضی بن حارثہ کے بیٹوں

اسلم اور مالک کے درمیان طے پایا۔انہوں نے نصرت و مدد پر معاہدہ کیا
جب تک سمندر اون کو تر کر سکتا ہے۔ایک جامع معاہدہ جس میں کسی قسم
کی تفریق نہیں۔ بزرگوں نے بزرگوں کے ساتھ۔کم سنوں نے کم سنوں
کے ساتھ۔حاضر نے غیر حاضر کے ساتھ۔اب سب نے باہمی معاہدہ
اور پکا عہد لیا اور مضبوط عقد کیا، جو نہ ٹوٹے گا اور نہ کمزور ہوگا جب تک
سورج مکہ کی پہاڑیوں میں چمکتا رہے گا،صحراء میں اونٹ بلبلاتے رہیں
گے۔دن رات قائم رہیں گے،اور مکہ میں انسان آباد رہیں گے۔دائمی
اورطویل المدت حلف جسے ہر روز سورج کا طلوع ہونا مزید مضبوط بنائے
گا۔اور ارت کا اندھیرا اسے طوالت عطا کرے گا۔اور بے شک عبد
المطلب اور اس کی اولاد اور تمام بنو نضر بن کنانہ میں سے جو ان کے
ساتھ ہیں اور خزاعہ کے تمام لوگ باہم ہم پلہ،ایک دوسرے کے مددگار
اور ایک دوسرے کے اتھ متعاون ہوں گے۔عبدالمطلب پر لازم ہے کہ
ان کی اور ان کے پیروکاروں کی ان کے دشمنوں کے خلاف خشکی،تری
،میدان اور پہاڑ ہر جگہ نصرت و اعانت کرے اور خزاعہ پر لازم ہے کہ عبد
المطلب ان کی اولاد اور تمام عربوں میں سے،مشرق و مغرب،ہموار و
چٹیل میدانوں میں جو ان کے ساتھ ہیں،ان کی نصرت و اعانت کریں۔
اور اس معاہدہ پر انہوں نے اللہ کو گواہ بنایا اور وہی کافی ہے

حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر فرمایا:

سأوصی زبیرا ان اتتنی منیتی　　بامساک ما بینی و بین بنی عمرو

ترجمہ: میں زبیر کو وصیت کروں گا اگر مجھے موت آگئی تو وہ میرے اور بنو عمرو کے درمیان طے
پانے والے معاہدے کو برقرار رکھے گا۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے زبیر کو وصیت کی اور زبیر نے اپنے بھائی ابو طالب کو
وصیت کی۔ پھر حضرت ابو طالب نے اپنے بھائی حضرت عباس کو وصیت کی ۔ ابن الکلبی (م

۲۰۴ھ/۸۱۹ء) نے کہا ہے کہ یہی وہ حلف ہے جس کا عمرو بن سالم الخزاعی نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنے اس شعر میں ذکر کیا ہے۔ (۲۱۷)

لا هم انی ناشد محمدا حلف أبينا و أبيه الا تلدا

کوئی غم کی بات نہیں، بے شک میں محمد ﷺ کو اپنے دادا اور ان کے دادا کے درمیان طے پانے والے قدیم معاہدہ کا واسطہ دے رہا ہوں۔

چشمہ زمزم

جناب عبدالمطلب کو خواب میں دیکھا گیا کہ زمزم کی کھدائی کرو۔ خواب میں اس جگہ کی نشان دہی بھی کر دی گئی۔ قبیلہ جرہم کو جب خزاعہ نے مکہ سے نکالا تو انہوں نے اسے دفن کر دیا۔ اور وہ اس وقت سے بند پڑا تھا۔ خواب میں کہنے والے نے کہا۔

''زمزم، وما زمزم؟ هزمة جبريل برجله، و سقيا اسماعيل وأهله، زمزم البركات، تروى الرفاق الواردات شفاء سقام، و خير طعام''

زمزم، اور زمزم کیا ہے؟ حضرت جبرائیل کے پاؤں کی ٹھوکر، اور حضرت اسماعیل اور ان کے اہل خانہ کے لئے مشروب ہے۔ زائرین کو سیراب کرنے والا، بیماروں کے لئے شفا اور بہترین کھانا ہے۔ (۲۱۸)

چنانچہ جناب عبدالمطلب نے اسے کھدوایا اور اس میں تلواریں، زیورات، چاندی سونے سے بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ایک ہرن مدفون پایا۔ آپ نے اسے کعبہ کے اندر لٹکا دیا جو بعد میں چوری ہو گیا۔ (۲۱۹)

محمد بن سعد نے محمد بن عمر الواقدی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن جعفر سے پوچھا: کہ حضرت عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کب کھدوایا تو انہوں نے جواب دیا: اس وقت آپ عبدالمطلب کی عمر چالیس سال تھی۔ واقدی نے پوچھا: اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کب کیا؟ عبداللہ نے جواب دیا؟ زمزم کی کھدائی کے تیس سال بعد۔ واقدی نے پوچھا: کیا ولادت نبوی سے پہلے؟ کہا: ہاں اور حمزہ کی ولادت سے بھی پہلے۔ واقدی نے پوچھا: بعض راوی خیال کرتے ہیں کہ اس وقت عبدالمطلب کی عمر ایک

سو دس سال تھی؟ کہا: ابھی اس عمر کو نہ پہنچے تھے۔ واقدی نے پوچھا: اپنے بیٹے کی قربانی کی نذر کیوں مانی تھی؟ کہا: جب عبدالمطلب نے زمزم کی کھدائی کا ارادہ کیا تو قریش نے مخالفت کی۔ اور اس وقت آپ کا صرف ایک بیٹا حارث تھا۔ عدی بن نوفل بن عبد مناف نے طعنہ دیا اور کہا: اے عبدالمطلب! کیا تم ہم پر اظہارِ تفاخر کرتے ہو جبکہ تم تنہا ہو تمہاری اولاد زیادہ نہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا: کیا تم یہ بات کہہ رہے ہو جبکہ تمہارے باپ نوفل نے ہاشم کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ مزید کہا: کیا تم مجھے قلت اولاد کا طعنہ دے رہے ہو۔ بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا کئے تو میں ایک کو اس کی راہ میں کعبہ کے پاس قربان کروں گا۔(۲۲۰)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو دس بیٹے عطا کئے۔ آپ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام نکلا۔ رسول اللہ ﷺ کے والدہ گرامی حضرت عبداللہ انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: کیا اسی کی قربانی کر دوں یا اپنے سو بہترین اونٹ تیری راہ میں قربان کر دوں۔ قرعہ ڈالا تو وہ سو اونٹوں پر نکلا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ ذبح کئے اور مکہ کے فقراء اور خانہ بدوشوں میں تقسیم کر دیئے۔ ایک روایت کے مطابق زمزم کی کھدائی مشکل ہو گئی تو عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اس کی کھدائی مکمل ہو گئی تو میں اپنا ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کروں گا۔ بلاذری کے مطابق حضرت عبدالمطلب نے قربانی کے اونٹ واقعہ فیل سے پانچ سال قبل ذبح کئے اور جس سال اونٹ ذبح کئے اسی سال ان کے بیٹے حارث کا انتقال ہوا۔ اور حارث کے بیٹے ربیعہ کی عمر دو سال تھی اس طرح ربیعہ رسول اللہ ﷺ سے سات سال بڑا تھا۔(۲۲۱)

نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت

حضرت عبدالمطلب نے هالہ بنت أهيب بن عبد مناف بن زهرہ (اُم حمزہ) کے ساتھ شادی کی۔ پھر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زہرہ کے ساتھ شادی کی۔ بنو زہرہ میں حضرت عبداللہ کی شادی کوئی سطحی فیصلہ یا وقتی حوادث کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ رشتہ ازدواج ایک تو ازل سے طے تھا، قدرت ربانی کا طے شدہ نظام تھا اور اللہ تعالیٰ کے علم و تدبیر اور تحفظ و نگرانی کے مطابق نورِ مصطفیٰ ﷺ کو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں تحول و انتقال کے مراحل طے کرنا تھے، اس لئے ایفائے نذر اور مرحلہ قربانی کے بعد اپنے محبوب ترین اور اس وقت سب سے چھوٹے بیٹے کو

لے کر بنوز ہرہ کے ہاں حضرت عبدالمطلب کا جا پہنچنا ایک تاریخی پس منظر بھی رکھتا تھا۔

سیدہ آمنہ کی ان کے چچا اُہیب بن عبد مناف نے پرورش کی تھی۔ حضرت آمنہ پہلے تین دنوں میں امانت دار نورِ محمدی بن گئی تھیں۔ انہوں نے خواب میں کسی آنے والے کو کہتے سنا:

"یا آمنة ، انک قد حملت بسید هذه الأمة ،
فاذا وقع فی الارض ، فقولی؛ اعیذک بالواحد ، من شر
کل حاسد ، و سمیه أحمد "

اے آمنہ! تو اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہے۔ جب اس کی پیدائش ہو تو کہو: میں اسے ہر حاسد کے شر سے اللہ واحد کی پناہ میں دیتی ہوں، اور اس کا نام احمد رکھنا۔

جب ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت عبدالمطلب کو خوش خبری بھیجی گئی وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے فرزندان کے ساتھ حضرت آمنہ کے پاس آئے، نومولود کو دیکھا۔ حضرت آمنہ نے ولادت کے حوالے سے جو خوارق عادات دیکھیں، انہیں بتائیں۔ حضرت عبدالمطلب نے انہیں آغوش میں لیا اور کعبہ لے گئے اور یہ اشعار کہے: (۲۲۲)

الحمد لله الذی اعطانی   هذا الغلام الطیب الأردان
اعیذه بالبیت ذی الأرکان   من کل ذی بغی و ذی سناآن

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ پاکیزہ حسب ونسب والا بچہ عطا کیا میں اسے ہر سرکش و باغی شخص سے اسے اس گھر کی پناہ میں دیتا ہوں جو ارکان والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت

بلاذری نے حضرت عبدالمطلب کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ:

" ان عبد المطلب کان اذا أتی بالطعام ، أجلس
النبی صلی الله علیه وسلم الی جانبه ، وربما أقعده علی
فخذه ، فیؤثره بأطیب طعامه ، فربما أتی بالطعام ولیس

رسول الله صلى الله عليه وسلم حاضرا فلا يمس شيئا منه حتى يؤتى"

جب جناب عبدالمطلب کے پاس کھانا لایا جاتا تو وہ نبی کریم ﷺ کو اپنے پہلو میں بٹھاتے اور بعض دفعہ اپنی آغوش میں اپنی ران پر بٹھا لیتے اور عمدہ کھانا ان کے آگے رکھتے۔ بعض دفعہ کھانا لایا جاتا اور رسول اللہ ﷺ موجود نہ ہوتے تو جناب عبدالمطلب کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگاتے جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لاتے۔ حضرت عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے سائے میں مسند بچھائی جاتی اور ان کے تمام بیٹے مسند کے اردگرد براجمان ہوئے تھے اس دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے اور مسند پر سب سے آگے بیٹھ جاتے ان کے چچا انہیں پکڑ کر پیچھے بٹھانے لگتے تو عبدالمطلب کہتے انہیں چھوڑ دو انہیں سب سے آگے بیٹھنے دو۔ تم دیکھتے نہیں یہ بڑی شان والے ہیں۔ پھر انہیں گود میں بٹھاتے، سر چومتے اور آپ کی باتوں سے محظوظ ہوتے۔ (۲۲۳)

ایک مرتبہ اونٹوں کی تلاش میں رسول اللہ ﷺ کو بھیجا آپ ﷺ نے دیر کر دی تو حضرت عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے بیت اللہ کا طواف شروع کر دیا اور آپ ﷺ کی بخیریت واپسی کے لئے دعائیں مانگنے لگے۔ اور کہنے لگے:

رد علی راکبی محمدا واصطنعن برده عندی یدا

ترجمہ: میرے شہسوار محمد ﷺ کو میرے پاس واپس لاؤ اور اسے واپس لا کر مجھ پر احسان کرو۔

جب آپ ﷺ اونٹ لے کر واپس پہنچے تو فرمایا:

"یا بنی، لقد جزعت علیک جزعا، لا تفارقنی بعده حتی أموات" (۲۲۳)

میرے پیارے بیٹے، میں تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہو گیا تھا۔ آج کے بعد مجھ سے کبھی جدا نہ ہونا یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔

بلاذری نے مخرمہ بن نوفل الزہری (۲۲۴) کی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں اپنی ماں **رقیقه بنت أبی صیفی بن هاشم** کو بیان کرتے سنا کہ قریش پر لگاتار قحط کے سال آئے، اور خشک سالی کی وجہ سے تمام جانور ہلاک ہوگئے۔ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا: یہ وقت ہے، تم میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اے گروہ قریش! اس کے طفیل تم پر خوشحالی آئے گی۔ تم میں سے ایک شخص جو دراز قد وقامت والا، سفید رنگ، باہم پیوست ابروں والا، لمبی پلکوں والا، گھنگھریالے بالوں والا اور اونچی ناک والا ہے، اپنی اولاد اور اپنے پوتے کے ساتھ جبل ابوقبیس پر آئے اور ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد بھی آئے۔ پھر وہ شخص آگے بڑھے اور بارش کے لئے دعا کرے۔ جب میں صبح بیدار ہوئی تو اپنا خواب بیان کیا۔ سب لوگ فوراً سمجھ گئے کہ ان نشانیوں والے شخص حضرت عبدالمطلب ہیں ۔ وہ سب آپ کے پاس جمع ہوئے اور آپ سے دعا کے لئے التماس کی۔ نبی کریم ﷺ بھی حضرت عبدالمطلب کے ساتھ گئے۔ جناب عبدالمطلب نے اس طرح دعا کی:

> **’’هؤلاء عبادک ، بنو امائک ، وقد نزل بهم ماترى ، وتتابعت عليهم السنون ، فذهبت بالخف والقلف ، واشفت الأنفس منهم على التلف والحتف ، فاذهب عنا الجدب ، وائتنا بالحياة والخصب ‘‘**
>
> یہ تیرے بندے ہیں، تیری بندیوں کے بیٹے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے جو ان پر مصائب اترے ہیں اور ان پر لگاتار خشک سالی ہے، جس کے باعث ہر قسم کے جانور مر چکے ہیں، اور انسانی جانیں تباہی اور موت کے کنارے پہنچ چکی ہیں۔ اس قحط سالی کو ہم سے دور فرما، اور ہمیں زندگی اور زرخیزی عطا فرما ۔

ابھی وہ مقام دعا سے واپس نہ ہوئے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، اور تمام وادیاں بہہ نکلیں، اور رسول اللہ ﷺ کی برکت سے ان کو باران رحمت نصیب ہوئی۔

رقیقہ نے اس موقع پر مندرجہ ذیل اشعار کہے: (۲۲۵)

بشيبة الحمد أسقى الله بلدتنا	**وقد فقدنا الحيا واستبطئ المطر**
مبارک الوجه يستسقى الغمام به	**ما فى الانام له عدل ولا خطر**

ترجمہ: **شيبة الحمد** کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر پر باران رحمت نازل فرمائی جبکہ

ہم خوشحالی سے محروم ہو چکے تھے اور بارش میں بہت تاخیر ہوگئی تھی۔ وہ مبارک چہرے والا ہے، اس کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے۔ مخلوق میں اس کے ہمسر و ہم مرتبہ کوئی نہیں۔

وفات

کنانہ کی عزت و عظمت کی گواہی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہو جاتی ہے:

'' ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل ، واصطفی من ولد اسماعیل بنی کنانہ ، واصطفی من بنی کنانۃ قریشا ، واصطفی من قریش بنی ھاشم ، واصطفانی من بنی ھاشم . " (۵۶) بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا، اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو چن لیا، اور بنو کنانہ سے قریش کا انتخاب فرمایا، اور قریش سے بنو ہاشم کا انتخاب فرمایا، اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

حضرت عبدالمطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی اور انہیں مکہ میں بمقام حجون دفن کیا گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی۔ جناب حمزہ تقریباً بارہ سال کے تھے، اور حضرت عباس کی عمر گیارہ سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اٹھاسی سا کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ام ایمن نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے دن ان کی چارپائی کے پیچھے رور ہے تھے اور آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی۔(۲۲۶)

مخرمہ بن نوفل الزہری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت میں موجود تھا، اور میری عمر تقریباً بیس سال تھی، اور میری ماں رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم نے مجھے کہا: اپنی قمیص اپنے ماموں پر پھاڑ ڈالو، اس کے بعد کس کے لئے بچا رکھی ہے۔ میں نے بنو عبد مناف کی خواتین کو بال کھولے دیکھا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر اسی اور نوے سال کے درمیان تھی۔ اگرچہ وہ بالکل صحت مند تھے۔

حضرت عبدالمطلب پہلے شخص تھے جنہوں نے حراء (۲۲۷) میں عبادت کی۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ جبل حراء پر چلے جاتے اور سارا مہینہ وہیں گزارتے۔ آپ فقراء و مساکین کو کھانا کھلاتے، مکہ میں ظلم و زیادتی نہیں ہونے دیتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کثرت سے کرتے تھے۔

واقدی کی روایت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کی وفات ایک سو دس سال کی عمر میں ہوئی

۔ بلاذری نے واقدی کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: ''ولیس ذلک بثبت ''(۲۲۸) یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ ہشام بن الکلبی کے مطابق حضرت عبدالمطلب کی وفات ھرمز بن انوشروان اور قابوس بن المنذر (۲۲۹) کے عہد میں ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آخری عمر میں آپ کی بینائی چلی گئی۔

وصیت

جب موت کا وقت قریب پہنچا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں وصیت کی۔ زبیر بن عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب دونوں سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے اور زبیر ان دونوں سے بڑے تھے۔ زبیر اور ابوطالب نے قرعہ ڈالا کہ رسول اللہ ﷺ کی کفالت کون کرے گا۔ قرعہ حضرت ابوطالب کے نام نکلا۔ یہ بھی کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت ابوطالب کی کفالت اختیار کی اور جناب عبدالمطلب نے حضرت ابوطالب کو کفالت کی وصیت کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پہلے زبیر نے کفالت کی، پھر اس کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوطالب نے کفالت کی۔

بلاذری نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

'' وذلک غلط لأن الزبیر تعهد حلف الفضول ولرسول الله صلی الله علیه وسلم یومئذ نیف و عشرون سنة '' (۲۳۰)

یہ غلط ہے کیونکہ زبیر نے حلف الفضول میں شرکت کی اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر بیس سال سے زیادہ تھی

علماء نسب کے نزدیک اس میں اختلاف نہیں کہ شام کی طرف حضرت ابوطالب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا سفر عبدالمطلب کی وفات کے بعد پانچ سال سے کم عرصہ میں واقع ہوا تھا۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات پر ان کی دختران نے مرثیے کہے۔ جنہیں بلاذری ابن ہشام اور ابن سعد نے نقل کیا ہے۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے کہا ہے:

اعینی جودا و لا تبخلا — بدمعکما بعد نوم النیام

ترجمہ: اے میری آنکھو! سونے والوں کے سو جانے کے بعد اپنے آنسوؤں کو موسلا دھار برساؤ اور کنجوسی نہ کرو۔

ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب نے کہا:

ألا یاعین جودی واستھلی　　　　وبکی ذا الندی والمکرمات

ترجمہ: اے میری آنکھ! سخاوت کر اور سخاوت کرنے والے اور عظیم کارناموں والے پر آنسو بہا۔

برہ بنت عبدالمطلب نے کہا:

ألا یا عین ویحک اسعدینی　　　　وأذری الدمع سجلا بعد سجل

ترجمہ: اے میری آنکھ! تیرا برا ہو، مجھے سرخرو کر اور ڈولوں کے ڈول بھر بھر کر آنسو بہا۔

امیمہ بنت عبدالمطلب نے کہا:

أعینی جودا بدمع درر　　　　علی طیب الخیم والمعتصر

ترجمہ: اے میری آنکھو! کثرت سے آنسو بہاؤ، عمدہ خصائل اور عطیات دینے والے پر۔

اروی بنت عبدالمطلب نے کہا:

بکت عینی و حق لھا بکاھا　　　　علی سمع سجیتہ الحیاء (۲۳۱)

ترجمہ: میری آنکھ نے آنسو بہائے اور اس کا رونا برحق ہے۔ اس سخی سردار پر جس کی فطرت میں حیا ہے۔

بلاذری نے نقل کیا ہے کہ

''لم یقم لموت عبد المطلب بمکۃ سوق ایاما کثیرۃ''

(مکہ کے بازار حضرت عبدالمطلب کے سانحہ ارتحال کی وجہ سے کئی روز بند رہے)۔(۲۳۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو کثیر اولاد سے نوازا تھا۔ ذیل میں ان کی اولاد کو مختلف روایات کی روشنی میں ایک نقشے کے اندر تحریر کیا جاتا ہے

نقشہ اولاد عبدالمطلب بن ہاشم

حضرت عبدالمطلب نے مختلف اوقات میں چھ عورتوں سے شادیاں کیں اور ان سے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں، یہ ساری تفصیل درج ذیل نقشہ میں پیش ہے۔

(ا) بروایت مصعب الزبیری مندرجہ ذیل کتاب "نسب قریش" (۲۳۳)

	نام اهليه	پسران	دختران
ا۔	فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم	عبدالله (ابو رسول الله صلى الله عليه وسلم) . ابو طالب (عبد مناف) . الزبير	أم حكيم البيضاء (۲۳۴) عاتكة . برة . أميمة . أروى
۲۔	هالة بنت أهيب بن عبد مناف بن زهره	حمزه . المقوم . حجل (المغيره)	صفية
۳۔	نتيلة بنت جناب بن كليب بن مالك بن عمرو بن عامر بن النمر بن قاسط .	العباس . ضرار .	
۴۔	صفية بنت جندب بن حجير بن رئاب بن حبيب بن سواءة بن عامر بن صعصعه بن معاوية بن بكر بن هوازن .	الحارث (۲۳۵) . قثم .	
۵۔	لبنى بنت هاجر بن عبد مناف بن ضاطر بن حبشيه بن سلول خزاعيه .	ابو لهب (عبد العزى)	
۶۔	ممنعة بنت عمرو خزاعيه	الغيداق (مصعب)	

	زوجات : ٦	پسران : ١٢	دختران : ٦

(٢) بروایت بلاذری مندرجہ کتاب ''انساب الأشراف'' (٢٣٦)

	نام اهليه	پسران	دختران
ا۔	فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن يقطة بن مره بن كعب بن لؤى .	عبدالله . الزبير (٢٣٧) عبد مناف (ابو طالب)	ام حكيم البيضاء (الحصان) . عاتكة . برة . أميمة . أروى .
٢۔	نتيلة بنت جناب بن كليب بن مالک بن عامر بن زيد مناة بن عامر الضحان بن سعد بن الخزرج .	العباس . ضرار .	
٣۔	هالة بنت أهيب بن عبد مناف بن زهره بن كلاب .	حمزه . المقوم (ابو بكر) . حجل (المغيره)	صفية
۴۔	صفية بنت جنيدب بن حجير بن رئاب بن حبيب بن سواء ة بن عامر بن صعصعه بن معاوية بن بكر بن هوازن .	الحارث . قثم . (٢٣٨)	

۵۔	لبنی بنت هاجر بن عبد مناف بن ضاطربن حبشیه بن سلول خزاعیه .	عبد العزی (ابو لهب) (۲۳۹)	
۶۔	ممنعة بنت عمرو بن مالک بن مؤمل بن اسعد خزاعیه	الغیداق (نوفل)	
	زوجات : ۶	پسران : ۱۲	دختران : ۶

مصعب الزبیری اور بلاذری نے حضرت عبدالمطلب کی زوجات، بیٹوں اور بیٹیوں کی ایک جیسی تعداد ذکر کی ہے مگر ابن حزم نے ان دونوں حضرات سے مختلف تعداد دی ہے جو درج ذیل ہے۔

(۳) بروایت ابن حزم مندرجہ ''جمهرة أنساب العرب''(۲۴۰)

	نام اهلیه	پسران	دختران
ا۔	فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظة بن مره .	عبدالله . ابو طالب . الزبیر	البیضاء (ام عثمان)
۲۔	نتیلة بنت جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو بن عامر بن النمر بن قاسط بن ربیعه بن نزار .	العباس . ضرار	
۳۔	هالة بنت وهیب بن عبد مناف بن زهره .	حمزه . المقوم	صفیة
۴۔	لبنی الخزاعیه .	ابو لهب (عبد العزی)	
۵۔	صفیة (بنو عامر بن صعصعه سے) .	الحارث	
	زوجات : ۵	پسران : ۹	دختران : ۲

مندرجہ بالا نقشہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلب بارہ بیٹوں اور چھ بیٹیوں کا والد تھے۔بعض مورخین اور سیرت نگاروں نے تین بیٹوں عبد الکعبہ،مغیرہ اور مصعب کا اضافہ کر کے فرزندان کی تعداد پندرہ بتائی ہے۔(۲۴۱)

دوسری فصل

سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی

نام

عبداللہ اسم علم ہے جو مرکب اضافی پر مشتمل ہے،مضاف الیہ اور اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ عبد سے مراد غلام اور بندہ ہے۔یہ لفظ **تعبد** سے مشتق ہے جس کا معنی بندگی و عبادت ہے۔(۱)

ابوبکر ابن الانباری (۲) نے کہا ہے:

" العبد : الخاضع الله "(۳)

عبد سے مراد اللہ تعالیٰ کے لئے خضوع وخشوع کرنے والا ہے۔

عبودیت عبد کے عمدہ اوصاف میں سے ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی اس لفظ کے ساتھ تعریف سب سے اعلیٰ مقام یعنی اسراء ومعراج کے وقت کی ہے اور فرمایا:

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ(۴)

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کروائی۔''

کنیت

بلاذری کے مطابق آپ کی کنیت: **ابو قُثَم ، أبو محمد** اور **أبو احمد** ہے۔ ''**القُثَم**'' نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ہے جو ''**قَثَمٌ**'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی عطا کرنا یا جمع کرنا ہے۔خیر و برکت کو سمیٹنے والے کو(**قَثُوم و قُثَم**) کہا جاتا ہے۔(۵)

قریش مکہ کے سرکردہ رہنما اور بنو ہاشم کے سرداد عبدالمطلب کے فرزندار جمند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والدگرامی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ بلاشبہ اطیب واطہر الآباء اور بنو ہاشم کے پاک طینت، معصوم مگر خوبصورت ترین نوجوان تھے، ظاہری حسن ورعنائی اور باطنی محاسن واخلاق میں خاندان قریش کیا پوری وادی بطحا میں کوئی بھی ان کا ثانی نہ تھا۔ دھیمی طبیعت، پرسکون اور خاموش مگر شگفتہ مزاج، پروقار اور مکارم اخلاق کی مجسم تصویر تھے۔ یہ جوان معصوم ورعنا ایک ایسی ہستی کے والدگرامی بننے والے تھے جس ہستی نے اپنے مکارم اخلاق ااور محاسن اعمال کی رونق ورعنائی سے رخ آدمیت کو سجانا تھا، جس نے دنیا کو علم ودانش سے روشن کرنا تھا، وہ جو انسانیت کی عزت ووقار، احترام وآزادی اور دونوں جہانوں کی خوشی و کامیابی کا پیغام اولین وآخرین لے کر مبعوث ہونے والے تھے ﷺ! وہی جو تخلیق کے لحاظ سے سب سے پہلے نبی اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی تھے قضاوقدر کی ربانی مجلس ازل میں تمام ارواح انبیاء سے انہی پر ایمان لانے، اپنا منصب نبوت ختم کر کے انہی کا اتباع کرنے اوران کی نصرت کا عہد و پیمان لیا گیا تھا پھر اسراءومعراج کے موقع پر صحن اقصیٰ میں انبیاء نے مصطفیٰ ﷺ کی ہی امامت وقیادت میں نماز ادا کر کے اس عہد و پیمان کو عملی طور پر نبھا بھی دیا۔ اب سیدنا مسیح بن مریم علیہ السلام تشریف لائیں یا سیدنا موسیٰ بن عمران علیہ السلام آجائیں تو سب کو شریعت مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرنا ہے اوراس سے **اول النبیین خلقا اور آخرھم بعثا** کی ختم نبوت پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا، چنانچہ یہی عبداللہ بن عبدالمطلب سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر کے تاج بنے اور وہ رب ذوالجلال کو اتنے عزیز ومحبوب تھے کہ عین عنفوان شباب میں ہی اس نے انہیں اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تھا۔(٦)

لقب

آپ کا لقب الذبیح ہے جس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے جسے ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کو خواب میں **بئر زمزم** (٧) کی کھدائی کا حکم ملا تو اس وقت ان کا صرف ایک بیٹا حارث تھا جس کے ساتھ وہ کنیت کرتے تھے، تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس بیٹے عطا کرے جو اس **بئر زمزم** کی جوان ہوکر حفاظت کریں تو ان میں سے ایک کو خانہ کعبہ کے پاس ذبح کریں گے۔(٨)

بلاذری نے اس نذر کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب نے زمزم کھودنے کا

ارادہ کیا تو قریش نے سخت مخالفت کی اور اس وقت ان کا صرف ایک بیٹا حارث تھا۔ ابو مطعم عدی بن نوفل بن عبدمناف نے انہیں طعنہ دیتے ہوئے کہا: اے عبدالمطلب! کیا تم ہم پر اظہار فخر کرتے ہو جبکہ تم تنہا ہو، تمہاری کثیر اولاد نہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا: کیا تم یہ بات کہہ رہے ہو جبکہ تمہارے باپ نوفل نے ہاشم کی آغوش میں پرورش پائی ہے عدی نے کہا: تم بھی اپنے ماموں بنوالنجار کے پاس تھے اور تمہارا چچا مطلب تمہیں واپس لایا تھا۔ عبدالمطلب نے کہا: کیا تم مجھے قلت اولاد کا طعنہ دے رہے ہو؟! بخدا! اگر اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے گا تو میں ایک کو کعبہ کے پاس قربان کروں گا۔(۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت عبدالمطلب کو دس بیٹے عطا کیے۔ انہوں نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبداللہ انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ! کیا اس کی قربانی کو دوں یا اپنے سو بہترین اونٹ پیش کروں؟ پھر قرعہ ڈالا تو وہ سو اونٹوں پر نکلا۔ چنانچہ سو اونٹ ذبح کئے اور مکہ معظّمہ کے فقراء اور خانہ بدوشوں میں تقسیم کر دیئے۔ ایک روایت کے مطابق زمزم کی کھدائی مشکل ہوگئی تو اس وقت حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اس کی کھدائی مکمل ہوگئی تو میں اپنا ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کروں گا۔ بلاذری کے مطابق انہوں نے یہ اونٹ واقعہ فیل سے پانچ سال قبل ذبح کئے تھے۔(۱۰)

علامہ محمد بن یوسف الشامی نے ابن شہاب زہری کا یہ قول نقل کیا ہے:

کان عبد المطلب اول من سن دیة النفس مئة من الابل ، فجرت فی قریش والعرب ، وأقرها رسول الله ﷺ ''(۱۱)

عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے انسانی جان کی دیت سو اونٹ مقرر کی۔ یہ سنت قریش اور عربوں میں رائج ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔(۱۲)

حضرت معاویہ سے ایک روایت ہے:

''ان اعرابیا قال للنبی ﷺ : یا بن الذبیحین ! فتبسم رسول الله ، ولم ینکر علیه . فقیل لمعاویة : من

الذبیحان ؟ قال : اسماعیل وعبدالله''(۱۳)

ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ کو یوں مخاطب کیا : اے دو قربان ہونے والوں کے فرزند۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا اوراسے ناپسند نہ کیا۔حضرت معاویہ سے پوچھا گیا: دوذبیح کون ہیں؟ کہا :سیدنا اسماعیل اورسیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہم۔

قریش کے تجارتی قافلے یمن جایا کرتے تھے، جناب سیدنا عبداللہ کے والدمحترم حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت کے عظیم اور کامیاب تاجر تھے، اورلین دین میں امانت ودیانت اور قابل اعتماد اصول تجارت کے باعث شام وفلسطین کے علاوہ یمن میں بھی بڑی عزت ووقار کے مالک قریشی تاجر سمجھے جاتے تھے، ہر جگہ ان کے واقف حال اور بااعتماد دوست تھے، ایک دفعہ یمن میں ایک دوست کے ہاں مقیم تھے کہ اتفاق سے ایک قیافہ شناس اور ماہر تورات یہودی عالم سے ملاقات ہوگئی، اس نے یہ بتایا کہ ہمارے ہاں یہ راز اب عام ہوگیا ہے کہ آنے والا نبی بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے ہاں جنم لینے والے والدین سے ہوگا، اس لئے اگر آپ بنو زہرہ میں شادی کرلیں تو ہوسکتا ہے آپ ان کے والدین میں سے ہوں جن کے حصے میں یہ سعادت آنے والی ہے، حضرت عبدالمطلب کو واپس آنے کے بعد یہ خیال نہ رہا اور وہ یومیہ مشاغل میں لگے رہے، تاہم وہ ایک طرف تو اہل کتاب کے احبار ورہبان کی باتیں بکثرت سنتے رہے اور دوسرے کاہنوں اور قیافہ شناسوں کے اندازے بھی ان کے علم میں آتے رہے مگر چاہ زمزم کی کھدائی کا کٹھن مرحلہ رکاوٹ بنا رہا اور دوسری جانب وہ اپنی نذر پوری کرنے اور مستقبل کے متعلق خوابوں کی تعبیر ڈھونڈتے رہے۔(۱۴)

تجارت سے واپسی پر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو بھول بھی گئے ہوں، مگران کے مبارک ہاتھوں سے چاہ زمزم کا ازسرنو دریافت ہونا اور پھر دس بیٹوں کی تعداد مکمل ہونے پر حضرت عبداللہ کی قربانی کے بدلے سواونٹوں کا فدیہ قبول ہونا ایسے واقعات تھے جن سے حضرت عبدالمطلب کے فرزند سیدنا عبداللہ کا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام سے گہری مماثلت رکھنا بھی عیاں ہو چکا تھا، ہوسکتا ہے انہیں جناب عبداللہ کے ذبیح بن جانے کے بعد یمنی یہودی اور اس کی باتیں یاد آئی ہوں اور اندازہ ہوا ہو کہ شاید تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی ہے، اس لئے وہ نذر پوری کرنے اور اپنے فرزند کے ''ذبیح'' قرار پانے

کے بعد بیٹے کو بنوزہرہ کی نیک پاک دوشیزہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا سے بیاہنے لے گئے تاکہ اس رشتہ ازدواج سے ایک خواب حقیقت میں بدل جائے۔ہوا یوں کہ بنوزہرہ کے دو سرکردہ رہنما آپس میں سگے بھائی تھے،ان میں سے بڑے کا نام وہب اور چھوٹے کا نام وہیب تھا وہب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوست، ساتھی اور شریک سفر بھی تھے،تاریخ کے اوراق (۱۵) میں یہ بات محفوظ ہے کہ عبد المطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ اور وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ایک روز دونوں قریش کے ایک نمائندہ وفد کے ساتھ شاہ یمن سیف بن دیزن کے دربار میں اکٹھے موجود تھے اس شاہی دربار میں بھی نبی منتظر کا ذکر ہوا تھا اور شاہ یمن نے آنے والے سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا، یہ سب کچھ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد تھا اور اس پس منظر میں وہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ مانگنے گئے تھے۔(۱۶)

وہب فوت ہو چکے تھے مگر وہیب زندہ تھے، وہیب کی بیٹی ہالہ اور وہب کی بیٹی سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ساتھ وہیب کے گھر پرورش پاتی رہی تھیں۔یوں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دوست اور ساتھی وہب بن عبدمناف اور ان کی دختر نیک اختر آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ کتنی نیک، سعادت منداور پاک دامن دوشیزہ ہیں۔اپنی نذر کے مرحلے سے اچھی طرح سرخ رو ہو کر نکلنے کے بعد اور ان کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ''ذبیح'' قرار پانے کے بعد سردار عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس یقین کو پہنچ گئے تھے کہ ان کا بیٹا بنوہاشم کا معصوم و رعنا نوجوان کوئی معمولی قریشی ہاشمی نہیں ہے، کیوں نہ اس یمنی یہودی ماہر تورات وقیافہ شناس کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے انہیں آمنہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔(۱۷)

کتب سیرت وتراجم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدلے سو اونٹوں کا فدیہ پورا ہونے کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر وہب زہری کے گھر گئے اور باپ کا بیٹے کو بطور نذر ذبح کرنے کا عزم اور بیٹے کے ننھیال کا اضطراب اور بھائیوں کی بے قراری کوئی معمولی واقعات نہ تھے جو مکہ کے گلی کوچوں میں گونج نہ رہے ہوں تین مرتبہ قرعہ فال کا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بجائے ان سو اونٹوں کے نام پر نکلنا اور پھر سب سے بڑھ کر مکہ مکرمہ میں ان سو اونٹوں کا ذبح ہونا اور گوشت کا لوگوں میں تقسیم ہونا بھی کوئی معمولی واقعات نہ تھے، کم سے کم مکہ میں موجود صحف

سماویہ کے ماہر جیسے ورقہ بن نوفل وغیرہ جہاں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کا موازنہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے واقعات سے کرر ہے ہوں گے وہاں انہیں بنو ہاشم کے نوجوان معصوم ورعنا کی عظمت واہمیت کا اندازہ بھی یقیناً ہوگیا ہوگا۔(۱۸)

یہ شادی کوئی سطحی فیصلہ یا وقتی حوادث کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ رشتہ ازدواج ازل سے ہی طے تھا، قدرت ربانی کا طے شدہ نظام تھا اور اللہ تعالیٰ کے علم وتدبیر اور تحفظ ونگرانی کے مطابق نور مصطفیٰ ﷺ کو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں تحول وانتقال کے مراحل طے کرنا تھے، اس لئے ایفائے نذر اور مراحل قربانی کے بعد اپنے محبوب ترین اور اس وقت سب سے چھوٹے بیٹے کو لے کر بنوزہرہ کے ہاں حضرت عبد المطلب کا جا پہنچنا ایک تاریخی پس منظر بھی رکھتا تھا۔ جناب سیدنا عبدالمطلب نے اسی دن اسی مجلس میں اپنا نکاح بھی حضرت ہالہ بنت وہیب سے ازراہ احتیاط کرادیا کہ بنو ہاشم اور بنوزہرہ کے دو جوڑوں کے رشتہ ازدواج سے یمنی قیافہ شناس کی پیشین گوئی کے حقیقت کا روپ دھارنے کے امکانات مزید روشن ہو جائیں گے۔ واقعاتی شہادات اس خیال کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ کے ہاں در یتیم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

آپ ﷺ کی پیدائش پر حضرت عبدالمطلب بے حد خوش ہوئے، اپنے ہونہار پوتے کا نام ''محمد ﷺ'' رکھا لوگوں نے اس پر بہت تبصرے کیے کہ عبداللہ اپنے باپ عبدالمطلب پر سبقت لے گئے ہیں حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کا نام محمد یا احمد رکھنے کی بجائے ''حمزہ'' رکھا اور یہ نام رکھنا بھی معنی خیز تھا۔(۱۹)

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک متقی، پاک طینت اور ہر قسم کی اخلاقی آلائشوں سے پاک نوجوان تھے بلکہ واقعاتی شہادت یہ ہے کہ قدرت ربانی ان کی سیرت وکردار کی محافظ رہی، چنانچہ ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال اپنے بھائی سے نبی منتظر کی علامات کتاب مقدس اور صحف سماویہ میں جو کچھ آیا تھا سیکھ چکی تھیں اور چاہ زمزم کی از سرنو دریافت اور حضرت عبدالمطلب کی نذر وقربانی (جس میں سو اونٹ فی سبیل اللہ ذبح کر کے خلق خدا کے لئے چھوڑ دیئے گئے تھے جو چاہے لے اور جو چاہے کھائے، یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس کی وادی بطحا میں ایک دھوم مچ گئی تھی) سے آگاہی کے علاوہ اس غرۃ النور (نور کا نشان) کو بھی پہچانتی تھیں جو

آبائے مصطفیٰ ﷺ کے مقدس چہروں پر چمکتا دمکتا صرف اہل نظر کو دکھائی دیتا تھا، اس لئے ام قتال کو حضرت عبداللہ کی پیشانی پر وہ غرۃ النور دکھائی دیا تو نبی منتظر کی ماں بننے کی تمنا میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وقتی نکاح کی التجا کے ساتھ ساتھ رواج کے برعکس ایک سو اونٹ اپنی طرف سے گویا بطور حق مہر کی پیشکش بھی کی مگر حضرت عبداللہ نے اسے بظاہر دو وجوہ سے قبول نہ کیا، ایک تو والد کی معیت میں ایک معزز گھرانے میں شادی کے لئے جانے کی وجہ سے یہ جسارت اپنے والد گرامی کی شان میں گستاخی تصور کی جو ان کے حسن اخلاق و بلندی کردار کی کھلی شہادت ہے، دوسرے انہوں نے نکاح وقتی کی اس صورت کو شرفائے عرب کے ہاں نا قابل قبول بلکہ حرام تصور کیا۔(۲۰)

لیکن قدرت ربانی یہ شہادت محفوظ کروا رہی تھی کہ ارشاد نبوی کے مطابق مصطفیٰ ﷺ کے تمام آباء اور امہات سفاح (شہوت رانی و نطفہ پاشی) سے پاک تھیں اور آپ اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے رہے اور قدرت ربانی کا نظام خاص ان کے تحفظ اور عصمت کا بندوبست کرتا رہا، حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا پاکیزہ ملاپ اور ام قتال کو انکاری جواب دینا اس طہارت و پاکیزگی کی روشن دلیل ہے۔شادی کے بعد یہ دیکھنے کے لئے کہ ام قتال محض سفاح کے لئے دعوت دے رہی تھی یا واقعی ان کی رفیقہ حیات بننے کی آرزو مند تھی چنانچہ حضرت عبداللہ شادی کے لوازمات سے فراغت کے بعد اس کے پاس گئے کہ اگر وہ رفاقت زندگی کی پختہ آرزو رکھتی ہے تو دوسری شادی کرے۔ کیونکہ دوسری شادی عربوں میں مرغوب و مروج تھی مگر ام قتال کو ان کے چہرہ پر وہ غرۂ نور مصطفوی نظر نہ آیا تو صاف انکار کرتے ہوئے ایک جملہ کہا جو عربی زبان کی ضرب الامثال میں شامل ہے کہ:

''قد کان ذاک مرۃ فالیوم لا''

''یعنی یہ تو ایک دفعہ کی بات تھی مگر اب تو نہیں۔''(۲۱)

لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ جنہیں ''ذبیح اللہ'' ہونے کا شرف حاصل ہے، اپنے والد کے مسلک حنیفیت پر کاربند تھے اور عہد جاہلی کی تمام قباحتوں اور آلائشوں سے پاک تھے۔

اپنے تمام بہن بھائیوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نصیب ترین بلکہ محبوب ترین فرزند عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ایک تو ان کا نام سب سے زیادہ مبارک اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام ہے، دوسرے وہ اپنے باپ کے پیارے اور لاڈلے بیٹے تھے، تیسرے انہیں سیدنا

اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی طرح ذبیح کا لقب پانے کا شرف حاصل ہوا، چوتھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سید ولد آدم رسول اعظم وآخر مصطفیٰ ﷺ کے والد گرامی ہونے کا فخر رکھتے تھے، پانچواں امتیاز انہیں یہ عطا ہوا کہ وہ نہ صرف اولاد عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے بلکہ اپنے وقت کے تمام قریشی نوجوانوں میں ان کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ قریش کی دوشیزائیں ان کی شریکہ حیات بننے کی آرزو کرتی تھیں، ان کے حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار سے تمام اہل مکہ خوش تھے اور ان کی عزت کرتے تھے، یہ حسن و جمال کی رعنائی اور اخلاق و کردار کی یہ شہرت دراصل ایک عظیم وخاتم ﷺ کے نور نبوت کی رونقیں تھیں۔ علامہ علی حلبی سیرت حلبیہ فرماتے ہیں:

''عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ قریش میں حسن و جمال، شکل وصورت اور اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے سب سے برتر اور اچھے نوجوان تھے، رسول اکرم ﷺ کا نور ان کے چہرے پر صاف دکھائی دیتا تھا۔''(۲۲)

ایک روایت ہے کہ وہ قریش کے تمام نوجوانوں میں سب سے زیادہ حسین وخوبصورت نوجوان مانے جاتے تھے، بعض کا کہنا تھا کہ قبیلہ قریش کے لوگوں کے نزدیک حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ کی تمام اولاد میں ہر لحاظ سے سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ پاک دامن اور سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کی رہنمائی فرمائی اور انہوں نے اپنے اس خوش نصیب بیٹے کا نام نامی ''عبداللہ'' (اللہ کا بندہ وعبادت گزار) رکھا کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ومحبوب نام ''عبداللہ'' اور ''عبدالرحمٰن'' ہیں، یہ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ ''ذبیح'' (اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے والا) کے لقب سے بھی نوازے گئے۔ یعنی جس طرح سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ذبیح کہلائے، اسی طرح عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ذبیح کے لقب سے مشہور ہوئے، ان کے والد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نذر مانی تھی چنانچہ مراد پوری ہونے پر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا چاہا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ایک مینڈھا مگر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فدیہ سو اونٹ قرار پائے تھے۔(۲۳)

علامہ ابن حزم ظاہری نے ''جمهرة انساب العرب'' میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے سلسلہ نسب اور اولاد کی بات کرتے ہوئے بڑے جامع اور اخوبصورت اسلوب میں ان کا اور ان کی اولاد کا تعارف پیش کیا ہے، فرماتے ہیں۔

''یہ ہے عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کا نسب نامہ: عبداللہ بن عبدالمطلب کی اولاد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اولاد آدم کے سردار ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن وانس پر ان کی اطاعت فرض کر دی ہے، انہیں اپنا خلیل وکریم بنالیا ہے، ان پر نبیوں اور رسولوں کا اختتام ہوا اور ان کی امت پر امتوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، ان کے ہاتھ پر معجزات عطا فرمائے جیسے: شق القمر، پانی کا چشمہ نکالنا، تھوڑی سی خوراک بہت سے لوگوں کے لئے کافی ہو جانا وغیرہ صحیح عزت وشرف اسی کے لئے ہے جو ان کی اطاعت کرے اور پیروی بنے، آپ ﷺ کے علاوہ حضرت عبداللہ کے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔'' (۲۴)

عرب جاہلیت کی رسوم بد میں سے نکاح کی اقسام بھی ہیں، نکاح کی ایک صورت اتخاذ اخدان یعنی یار بنانا بھی تھا، نکاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ عورت کسی مرد کو وقتی نکاح کی اجازت بھی دے دیتی تھی اور اس باہمی رضا مندی سے ایک قسم کا عقد نکاح ہو جاتا تھا اور مرد اور عورت ایک ساتھ رہ سکتے تھے، شریف لوگ نکاح کی اس صورت کو حرام قرار دیتے تھے مگر کچھ لوگ اسے بھی گوارا کر لیتے تھے اور اس تعلق یا دعوت تعلقات کو نسل کشی کے لئے جواز مل جاتا تھا یوں لگتا ہے کہ یہ کاہن، راہب اور قیافہ شناس وغیرہ جو نور نبوت محمدی ﷺ کی چمک دمک کو پہچان چکے تھے اسے معاذ اللہ لوٹ کا مال تصور کرتے تھے جو جائز و ناجائز ہر طریقے سے منتقل ہو سکتا تھا، انہیں کیا معلوم تھا کہ اس نور مقدس نے تو تحفظ اور عصمت وصیانت کا تو نظام خداوندی ازل سے ابد تک طے ہو چکا تھا اور اس نور مقدس نے تو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہونا تھا لیکن ''قسمت آزمائی'' میں کیا حرج ہے۔ علامہ علی حلبی صاحب سیرت حلبیہ کا یہ بیان یہاں توجہ کا مستحق ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ قریش میں سے سب سے زیادہ حسین وجمیل نوجوان تھے، نور نبوت محمدی ﷺ ان کے چہرے سے یوں چمکتا تھا جیسے کوئی روشن ستارہ ہو، ان کے اس حسن وجمال کی وجہ سے قریش

کی نوجوان لڑکیاں انہیں بہت چاہتی تھیں اور سب ان پر جان دیتی تھیں ، کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی ہوگئی تو قبیلہ قریش کے بنومخزوم ، بنو عبدشمس اور بنوعبدمناف میں کوئی بھی دوشیزہ ایسی نہ تھی جو احساس محرومی سے غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو، ہر ایک اس غم سے نڈھال تھی کہ اس کی شادی سردار عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں نہ ہوسکی؟ (۲۵)

چنانچہ تیاری کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی کے ساتھ بنوزہرہ کے گھرانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اٹھارہ برس ہوگی ، راستہ میں قبیلہ بنو اسد بن عبدالعزی کی ایک عورت کا سامنا ہوا جس کا نام قتیلہ بنت نوفل بتایا جاتا ہے، اور ورقہ بن نوفل کی بہن بتائی گئی تھی ، یہ بھی اپنے بھائی کی طرح مسیحیت کی پیرو تھی اور صحف سماویہ خصوصاً انا جیل کی عالمہ تھی ، وہ خود بھی قیافہ شناسی اور کہانت میں ماہر تھی اور اپنے بھائی سے بھی سن رکھا تھا کہ اس امت کے لئے کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے اور اس نبی منتظر کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہوگی کہ اس کا نور نبوت اس کے والد کے چہرے پر جھلکتا ہوگا ، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد گرامی عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس عورت کے پاس سے گزرے تو وہ اس وقت خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی ، شاید قتیلہ نے ایسا سوچا یا اپنے بھائی کے منصوبے سے ایسا کیا ، بہر حال اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عارضی اور وقتی نکاح کی پیش کش کی اور اس وقت اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کی کہ اگر تم میرے ساتھ چلنے پر رضامند ہو تو پھر میں تمہیں اتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے (یعنی سو اونٹ) تمہارے فدیے کے طور پر قربان کیے گئے ہیں ، ظاہر ہے یہ ایک قسم کی شادی کی پیشکش تھی جس کا عرب میں رواج تھا ، تاہم عرب کے شرفاء اس کو بدکاری ہی تصور کرتے تھے اور نیک و پاک دامن لوگ اس سے بچتے تھے اس لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پیشکش ٹھکراتے ہوئے کہا:

امـا الـحـرام فـالـمـمـات دونه والحل لا حل حتى
استبينـه يـحـمـى الكريم عرضه و دينه فكيف بالامر الذى
تبغينه .(٢٦)

”یعنی رہا حرام تو اس سے مرجانا ہی بہتر ہے، اور یہ کام حلال تو

ہے نہیں کہ میں اسے آزماؤں، شریف آدمی تو اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے، بھلا وہ بات اب کیسے ممکن ہے جو تو چاہ رہی ہے۔''

پھر سیدنا عبداللہ اپنے والد کے ساتھ بنوزہرہ کے پاس چلے گئے اور حضرت آمنہ سے شادی کر لی اور تین دن وہاں ٹھہرے رہے۔ ان لوگوں میں یہ رواج تھا کہ نکاح کے بعد بیوی کے پاس جاتے تو تین دن تک اسی گھر میں رہتے۔ بہر حال حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے کو بنوزہرہ کے سردار وہیب بن عبد مناف کے گھر لے گئے، جہاں ان کا حضرت آمنہ بنت وہب سے نکاح انجام پایا، اسی مجلس میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نکاح ہوا حضرت عبداللہ اور آپ کے والد محترم عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تین دن اپنے سسرال میں رہے اور اس طرح نور نبوی ﷺ صلب طاہر سے رحم طاہر میں منتقل ہو گیا اور یہ پیر کا دن تھا۔ (۲۷)

اپنے والد گرامی کے یقین کو دیکھ کر اور جزیرہ عرب میں احبار ورہبان کی مروج پیشین گوئیوں سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ جان گئے تھے کہ ان کے چہرے پر جو رونق ہے وہ کسی نور سرمدی کی وجہ سے ہے اسی لئے نہ صرف یہ کہ وہ تقویٰ وطہارت اختیار کرتے تھے بلکہ اس نور عصمت کو محفوظ رکھنے میں بھی ان کا کردار مثبت تھا اس ضمن میں علامہ حلبی اور دیگر سیرت نگاروں کی اس رائے کی بڑی اہمیت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عورت کی پیشکش پر حیرت تھی کہ ایسا کرنا شریف عورت کی فطرت کے خلاف ہے اس لئے وہ دوبارہ اس عورت کے پاس بطور آزمائش گئے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کا سبب محض اس عورت کی نفسانی خواہش تھی، یا واقعی اسے ان کے چہرے پر کچھ دکھائی دیا تھا چنانچہ خشک سا اور دوٹوک جواب دے کر اس عورت نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر نور نبوت کی رونق تھی جو اسے اب دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔ وہ مزید کہنے لگی

''انی رایت فی وجھک نورا ساطعا ، وقد ذھب الآن ''

''میں نے تمہارے چہرہ پر ایک روشن نور دیکھا تھا لیکن اب وہ غائب ہو چکا ہے۔'' تم نے کیا کام کیا ہے؟ حضرت عبداللہ نے اسے آمنہ کے ساتھ شادی کا بتایا تو وہ کہنے لگی:

''انی لأحسبک أبا النبی قد أظل وقت مولدہ ''

میرا خیال ہے کہ تم اس نبی کے باپ ہو جس کی ولادت کا وقت آچکا ہے۔

ایک روایت کے مطابق جس عورت نے سیدنا عبداللہ کو پیشکش کی تھی وہ **قتیلہ بنت نوفل بن أسد بن عبد العزی بن قصی** ہے جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی اور سابقہ کتب پر نظر رکھتی تھی۔(۲۸)

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی عظیم تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

یہاں پر قابل توجہ یہ بات ہے کہ ہمارے سیرت نگار، تذکرہ نگار اور مؤرخین اکثر و بیشتر، **الا ما شاء اللہ** آنکھیں بند کر کے اپنے سے پہلے والوں کی عبارات واقوال کو بڑی بے نیازی سے اور انتہائی لاپروائی سے مکھی پر مکھی مارنے کے انداز میں من وعن اور بغیر نام لیے یا حوالہ دیئے نقل کرتے چلے جانے کی آسان ڈگر کو پسند کرتے رہے ہیں۔ جگالی کرنے کا یہ رویہ آسان و آرام دہ تو ہے مگر کئی ایک قباحتوں کا حامل بھی ہے، مثلاً کسی پہلے والے نے حضرت عبدالمطلب کی نذر کے نتیجے میں حضرت عبداللہ کو قربان کرنے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ ''حضرت عبداللہ اپنے والد کے سب سے چھوٹے اور سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے''۔ چنانچہ ہر بعد میں آنے والا اسے جوں کا توں لے اڑا، یا مثلاً حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے سلسلے میں گئے تو یثرب میں بیمار پڑ گئے پھر فوت ہو کر وہیں دفن کر دیئے گئے اب کسی ایک نے لکھ دیا کہ حضرت عبداللہ اپنے اخوال یعنی ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں جا کر فوت ہو گئے اور نابغہ کی حویلی میں دفن کر دیئے گئے تھے اب کیا تھا سب نے بنو عدی بن نجار کو حضرت عبداللہ کے ننھیال بنا دیا، اسی طرح حضرت آمنہ کے آخری سفر یثرب کا ذکر آیا تو ابن اسحاق اور پھر اس کے تتبع میں ابن ہشام نے بھی لکھ دیا کہ:

كانت قد قامت به (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم)
على اخواله من بنى عدى بن النجار تزيره اياهم. (۲۹)

''یعنی حضرت آمنہ انہیں یثرب میں ان کے ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں ان سے ملوانے لائی تھیں۔''

بعد میں آنے والوں نے مکھی پر مکھی مارنا شروع کر دی کہ والدہ ماجدہ رسول اکرم ﷺ کو چھ سال کی عمر میں ننھیال سے ملانے یثرب لے کر آئی تھیں حالانکہ یثرب کے بنو عدی بن نجار نہ تو حضرت عبداللہ کے ننھیال تھے اور نہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال تھے بلکہ وہ تو عمرو العلا ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کے ننھیال تھے جو اس آخری سفر یثرب میں اپنی بہو اور پوتے کے ہمراہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سلسلے میں ہمارے ان جگالی پسند مصنفین سے یہ تسامح بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو اپنے والد گرامی کے سب سے محبوب اور سب سے ؛ چھوٹے بیٹے بنا دیا ہے حالانکہ یہی حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ قربانی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد بنو زہرہ میں حضرت عبداللہ کی شادی ہوئی تو اسی دن اور اسی مجلس میں حضرت عبدالمطلب کا نکاح بھی حضرت ہالہ بنت وہیب سے ہوا جو حضرت حمزہ شیر خدا اور مقوم، حجل اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھیں تو یہ سب بھائی بہن حضرت عبداللہ سے چھوٹے تھے، اس کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی ضرار بھی بعد میں پیدا ہوئے، حضرت عباس آقا علیہ وسلم سے صرف تین سال بڑے تھے مگر اس کے بعد آنے والے سیرت نگار حضرات اکثر و بیشتر یہی الفاظ دہراتے گئے حتی کہ دسویں صدی ہجری کے فاضل محدث، سیرت نگار اور سبل الہدی والرشاد کے مصنف امام محمد بن یوسف صالحی شامی بھی یہی لکھ گئے کہ:

وكان عبدالله بن عبد المطلب أصغر بن أبيه و أحبهم اليه . (۳۰)

''یعنی عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے والد کے سب سے چھوٹے اور سب سے محبوب بیٹے تھے۔''

حالانکہ چھٹی صدی ہجری کے اندلس کے نابینا سیرت نگار اور شارح سیرت ابن ہشام امام سہیلی نہ صرف یہ کہ ابن ہشام کے الفاظ کی بھی اصلاح کر گئے تھے کہ اصغر ابن ابیہ کے بجائے اصغر ابن امہ ہونا چاہئے یعنی اپنی والدہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے بلکہ یہ بھی وضاحت کر گئے تھے کہ حضرت عبد

المطلب کے بیٹے بارہ یا تیرہ تھے۔(۳۱)

امام المؤرخین ابوجعفر طبری اور پھر ان کے تتبع میں صاحب الکامل فی التاریخ حافظ ابن الاثیر اور علامہ ابن خلدون بھی اسی رو میں بہہ گئے، صاحب البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی حضرت عبدالمطلب کے سب سے محبوب اور سب سے چھوٹے بیٹے قرار دیتے ہیں، ابن اسحاق نے اور پھر اس کے تتبع میں ابن ہشام نے بھی صرف اتنا لکھا تھا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد کی محبوب ترین اولاد تھے۔(۳۲)

اہلیہ محترمہ

آمنہ بنت وهب بن عبد مناف بن زهرة بن مره ۔(۳۳)

ابن حزم نے کہا ہے:

''لم یکن لها زوج غیرعبدالله والد رسول الله ﷺ ، لا قبله ولا بعده ''(۳۴)

رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی سیدنا عبداللہ کے علاوہ، ان سے پہلے یا بعد میں، ان کی کہیں شادی نہیں ہوئی۔

حضرت آمنہ کی ان کے چچا اہیب بن عبد مناف نے پرورش کی تھی۔(۳۵)

اولاد

ابوالقاسم محمد رسول اللہ ﷺ۔

ابن حزم نے کہا ہے:

''لم یکن لعبدالله ولد غیر رسول الله ﷺ أصلا .'' (۳۶)

حضرت عبداللہ کی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی اولاد نہ تھی

ابن سعد نے لکھا ہے:

''لم تلد آمنة ولا عبدالله غیر رسول الله ﷺ ''(۳۷)

حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کو جنم نہیں دیا۔

حضرت عبداللہ کی والدہ

فاطمه بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم(۳۸)

حضرت عبداللہ کی شاعری

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما شعر گوئی کا ذوق بھی رکھتے تھے، بعض کتب سیرت وتراجم میں ان کے یہ دو شعر بھی نقل کیے گئے ہیں جو ادبی چاشنی اور فصاحت کی رونق سے بھی مزین ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''**مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی**'' میں آپ کے مندرجہ بالا اشعار نقل کئے ہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں:

لقد حكم البادون فی كل بلدة — بأن لنا فضلا علی سادة الأرض

وأن أبی ذو المجد والسودد الذی — یشاربه مابین نشز الی خفض

وجدی وآباء له أثّلو العُلی — قدیماً بطیب العرق والحسب المحض (۳۹)

''یعنی دیہاتی اعرابیوں نے ہر جگہ یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ ہم (بنو ہاشم) کو روئے زمین کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے، اور یہ کہ میرے والد گرامی (عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس عزت اور سرداری کے مالک ہیں جس کی طرف ہر نشیب وفراز میں اشارہ کیا جاتا ہے۔ میرے دادا اور ان کے آباء نے عمدہ نسب اور خالص حسب کے ذریعے قدیم دور سے عظمت کے علم بلند کئے ہوئے ہیں۔''

وفات

سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کے بارے میں تین اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ ابھی شکم مادر میں تھے کہ سیدنا عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ بلاذری نے اس قول کو (**ذلک الثبت**) کہا ہے۔

(۲) ابھی رسول اللہ ﷺ سات ماہ کے تھے کہ سیدنا عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔

(۳) سیدنا عبداللہ کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر بیس ماہ سے زیادہ تھی۔(۴۰)

مدینہ طیبہ میں انتقال کرنے کے بارے میں بلاذری نے دو قول نقل کئے ہیں۔

(۱) حضرت عبدالمطلب نے انہیں کھجوریں حاصل کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ وہ اپنے ننہال بنونجار کے پاس ٹھہرے اور وہیں انتقال ہو گیا۔

(۲) غزہ سے تجارت کا مال لے کر واپس آ رہے تھے۔ مدینہ طیبہ میں بیماری کی حالت میں داخل ہوئے۔ ننہال کے پاس ٹھہرے اور وہیں وفات ہوگئی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر پچیس یا اٹھائیس سال تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کے بھائی زبیر کو مدینہ بھیجا۔ اور وہ ان کے جنازے میں شامل ہوئے۔ اور انہیں دارالنابغہ میں دفن کیا گیا۔ (۴۱)

حضرت آمنہ نے آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم وجارو لحدا خارجا فی الغماغم

دعته المنایا دعوة فأجابها وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم

عشیة راحوا یحملون سریره تعاوره أصحابه فی التزاحم

فان یک غالته المنایا وریبها فقد کان معطاء کثیر التراحم (۴۲)

''وادی بطحا کا گوشہ ہاشم کے فرزند (عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے خالی اور ویران ہو گیا، اس نے ڈراؤنی جگھوں میں باہر جا کر ایک قبر میں بسیرا کر لیا ہے۔ موت نے انہیں بلایا تو انہوں نے لبیک کہہ دیا اس موت نے ابن ہاشم یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا انسان بھی نہیں چھوڑا۔ شام تھی جب لوگ ان کا جنازہ اٹھائے ہوئے چلے جا رہے تھے، ان کے احباب باری باری انہیں کندھا دے رہے تھے سو اگر موت نے اور اس کی آفت نے انہیں ختم کر دیا تو کیا ہوا؟ وہ تو بہت بڑے سخی اور مہربانی کرنے والے تھے۔''

یہ اشعار اعلیٰ عربی اسلوب بیان کے حسن و رونق کے ساتھ ساتھ معنی کی سادگی اور حقیقت بیانی کا رنگ لیے ہوئے ہیں لیکن اس کے علاوہ مخلصانہ ہمدردی، وفا اور مدح ستائش سے بھی لبریز ہیں۔

استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر یہاں مزید لکھتے ہیں کہ سب سیرت نگار اور تذکرہ نویس یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ منورہ یا یثرب میں اپنے ننھیال میں ٹھہر گئے تھے، پھر جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو یثرب لے کر جاتی ہیں تو وہاں بھی یہ سب اصحاب علم وفضل یہی لکھتے ہیں کہ والدہ ماجدہ انہیں ان کے ننھیال سے ملانے لے گئیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال تو بنوزہرہ ہیں جو قریش مکہ کا ایک معروف اور معزز قبیلہ ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ کا تعلق بھی مکہ مکرمہ کے ایک قبیلے بنو یقظہ بن مرہ سے ہے۔(۴۳)

اسی طرح دونوں باپ بیٹے (حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے ننھیال کو یثرب یا مدینہ منورہ میں بتایا جا رہا ہے جبکہ ان دونوں ہستیوں کے ننھیال کا تعلق تو مکہ مکرمہ کے قبائل قریش سے ہے۔

دراصل یثرب میں تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شیبۃ الحمد) کے ننھیال تھے ان کے والد گرامی ہاشم (عمرو العلا) بن عبد مناف نے یثرب میں بنوعدی بن نجار کی ایک معزز اور پروقار بیوہ خاتون سلمی بنت عمرو سے نکاح کیا تھا اور چند روز اپنے سسرال میں رہ کر شام چلے گئے تھے اور فلسطین کے شہر غزہ میں جا کر بیمار پڑ گئے اور فوت ہو گئے، حضرت شیبۃ الحمد (بعد میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے جلیل القدر پوتے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے، بے چاری سلمی بنت عمرو پہلے احیحہ بن جلاح کی بیوہ کے طور پر دو یتیم بچوں کی پرورش کر رہی تھیں، اب ہاشم کی بیوہ بننے کے بعد تیسرے یتیم بچے (شیبۃ الحمد) کی پرورش کی ذمہ داری بھی آن پڑی مگر سلمی بڑی بہادر اور حوصلہ مند خاتون تھیں، انہوں نے احیحہ کے دونوں بیٹوں اور ہاشم کے ایک بیٹے کی پرورش اور تربیت ایک عظیم عرب ماں کے سے انداز میں کی تھی۔(۴۴)

بہرحال سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی اس غلطی کا سبب اور اصل ماخذ معلوم کرنا ضروری ہے، دراصل یہ غلطی یا تو ابن اسحاق اور ابن ہشام کے کسی نسخہ نویس کی ہے جس نے **فی اخوال ابیہ** (اس کے والد کے ننھیال) اور **فی اخوال جدہ** (ان کے دادا کے ننھیال) میں لکھ دیا اور بعد میں آنے والے تمام حضرات مکھی پہ مکھی مارتے چلے آرہے ہیں۔شاید یہ اس لئے ہو کہ باپ اور دادا کے ننھیال

بیٹے اور پوتے کے ننھیال بھی مراد لیے جاسکتے ہیں؟ مگر عربی زبان اور عرب معاشرے میں اس کا کوئی ثبوت یا جواز نہیں مل سکتا۔ یہ تو درست ہے کہ یثرب کے بنوعدی بن نجار اوس وخزرج کے ان قبائل میں سے تھے جو بڑے سخی، فراخ دل اور مہمان نواز تھے اس لئے وہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا شیبۃ الحمد کی طرح ان کے بیٹے اور پوتے کا استقبال بھی اسی طرح کرتے ہوں گے جس طرح وہ اپنے نواسے کا کرتے تھے تاہم اس صورت میں بھی ہمارے سیرت نگار اور تذکرہ نویس اپنی غلطی سے بری الذمہ کسی طرح بھی قرار نہیں دیئے جاسکتے۔(۴۵)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شام وعراق میں بعض شہید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور صدیوں بعد حالات کی مجبوری کے باعث کھودنا پڑیں تو دنیا نے یہ حیرت انگیز مناظر دیکھے کہ روم و ایران کے خلاف عہد صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں جو اصحاب رسول اللہ ﷺ شہید ہوکر خون آلود لباس میں دفن کیے گئے تھے ان کے اجساد مبارک صحیح وسالم تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی کرامات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شان کو بلند فرمایا ہے اور شہدائے حق کا یہ اعزاز وانعام ہے جو آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان غیر فانی بندگان حق کو عطا ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وطن سے دور سفر میں فوت ہوئے اور غریب الوطن کی حیثیت سے یثرب کے ایک احاطہ (دار نابغہ یعنی نابغہ کا احاطہ یا حویلی) میں دفن کیے گئے تھے، حال ہی میں مدینہ منورہ کی جدید خطوط پر تعمیر نو کے سلسلے میں داخلی احاطوں کی قبور میں مدفون میتوں کو نکال کر جنت البقیع میں دوبارہ دفن کیا گیا، دار نابغہ سے جب حضرت عبداللہ کی میت نکالی گئی تو آپ کی میت بھی سالم تھی جو دنیا نے دیکھی، اس موقع کی ایک خبر ہے جو روزنامہ نوائے وقت 21 جنوری 1978ء بمطابق 11 صفر المظفر 1398ھ میں شائع ہوئی۔

’’کراچی 20 جنوری 1978 کو یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسد مبارک، جس کو دفن کیے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، بالکل صحیح اور سالم حالت میں برآمد ہوا، علاوہ ازیں صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت مالک بن انس کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنہیں جنت البقیع میں نہایت

عزت واحترام کے ساتھ دفنا دیا گیا جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جسم نہایت تروتازہ اوراصلی حالت میں تھے۔''(۴۶)

تیسری فصل

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایمان

نسب کا جاننا ہر بندے کے لیے ضروری ہے اسی لیے علمائے انساب نے علم الانساب پر بحث کرتے ہوئے اس علم کے فرائض وفوائد بھی متعین کیے ہیں۔علم الانساب کا کچھ حصہ ایسا ہے جس کا جاننا ہر شخص پر فرض ہے کچھ حصہ ایسا ہے جوفرض کفایہ ہے۔اور کچھ حصہ مستحب ہے۔چنانچہ اس میں یہ جاننا فرض ہے۔کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ سیدنا عبداللہ ہاشمی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں کیونکہ جس نے یہ کہا کہ آپ ﷺ ہاشمی نہ تھے تو وہ کافر ہے۔

جاہلی معاشرے حسب ونسب کو بہت اہمیت دیتے تھے۔کسی بے حیثیت اورنسبی اعتبار سے کم تر شخص کو انسان سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔گھٹیا نسب والے کی طرح اس شخص کو بھی معاشرے میں کوئی مقام نصیب نہیں ہوتا تھا جس کا شجرہ نسب مشکوک ہو اور وہ لوگوں کی نظروں میں مجھول النسب ہو وہ جدھر جاتا لوگ انگلیاں اٹھاتے اوراس پر آوازے کستے۔عزت وتکریم نام کا کوئی جذبہ اس کے لئے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا تھا۔اسی لئے جتنے انبیاء کرام اس دنیا میں مبعوث ہوئے اور جتنے جلیل المرتبت رسول تشریف لائے وہ سب خاندانی اوراعلیٰ حسب ونسب کے مالک تھے۔قدرت نے ایسے بلند مرتبہ خندانوں میں انہیں پیدا فرمایا جن کی عظمت وفوقیت کو اس دور کے لوگ نہ صرف تسلیم کرتے تھے بلکہ اپنے سے برتر واعلیٰ سمجھتے تھے۔

اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔وہ ذات گرامی جسے اللہ تعالیٰ نے دین حق عطا فرما کر جن وانس کی طرف مبعوث کیا وہ جناب عبداللہ کے فرزند ہیں اورانہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کی،مگر بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔اور جو شخص ان کے

بارے میں اس قسم کا شک کرے کہ وہ قریشی تھے یا یمانی، عجمی تھے یا تمیمی، وہ کافر ہے، اپنے دین سے نا واقف ہے۔ ایمان کے صحیح ہونے کے لیے نبی اکرم ﷺ کے نسب کا جاننا ضروری ہے اور کسی مسلمان کو اس کے نہ جاننے پر معذور نہ سمجھا جائے گا۔ قیامت کے دن باقی رہنے والا نسب نبی اکرم ﷺ کا ہی ہے، اس کے علاوہ تمام معدوم ہو جائیں گے۔ ''**کل سبب و نسب منقطع یوم القیامة الا سببی ونسبی**''(۱)

نبی اکرم ﷺ کے سلسلہ نسب کی ایک ایک کڑی جس سے آپ ﷺ کا سلسلہ پیدائش مربوط ہے، نجابت و شرافت اور عزت و نیک نامی کا پیکر تھی۔ آپ ﷺ کے آباء واجداد اور امہات یعنی والدہ ماجدہ، نانیاں اور دادیاں نہایت پاکباز، نیک اور باوقار خواتین تھیں۔ آپ کے تمام بزرگ شرعی نکاح سے پیدا ہوئے تھے آپ ﷺ کے سارے خاندان میں کبھی کوئی شخص زنا کاری کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ آپ ﷺ کا سارا سلسلہ نسب محترم اور نامور بزرگوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب کے سب سردار اور قائد تھے اور معاشرے میں بڑی معزز و موقر حیثیت رکھتے تھے۔ شرافت نسبی آپ ﷺ کی امتیازی وانفرادی خصوصیت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اور اپنے خاندان کے مقام و مرتبے کی وضاحت کئی احادیث میں فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی، پس مخلوق میں سے بنی آدم کا انتخاب کیا، اور بنی آدم سے عربوں کا انتخاب کیا، اور عربوں میں سے مضر کا انتخاب کیا، اور مضر سے قریش کا انتخاب کیا، اور قریش کا انتخاب کیا۔ اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب کیا۔ اور بنو ہاشم سے مجھے چنا۔ چنانچہ میں انتخاب در انتخاب کے ذریعے چنا گیا ہوں۔ پس جس نے عربوں سے محبت کی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس تو اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔(۲) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ(۳) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم و اسماعیل و اصطفی کنانه من بنی اسماعیل و اصطفی من کنانه قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم.(۴)

بے شک اللہ تعالی نے اولاد ابراہیم سے حضرت اسماعیل کو
چن لیا اور اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو چن لیا
اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنی ہاشم میں سے چن لیا۔

نسب نبوی کے شرف وفضیلت اور طہارت و پاکیز گی کے بیان کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ بلا شبہ آپ ﷺ بنو ہاشم اور قریش کی اولاد میں منتخب وممتاز ہیں۔تمام عربوں سے زیادہ افضل اور ماں باپ کی طرف سے سب سے زیادہ عالی نسب۔سب شہروں سے زیادہ معظم ومکرم شہر مکہ کے باشندوں میں اور اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے افضل واعلی ہیں۔آپ ﷺ کے ہمعصر دشمن مخالفین بھی اس بات کی گواہی دیتے تھے اور اس وقت کے سب سے زیادہ مخالف ابوسفیان بن حرب (۵) نے شاہ روم کے سامنے اس بات کی گواہی ان الفاظ میں دی

فاشرف القوم قومه واشرف القبائل قبيلته واشرف الافخاذ فخذه (صلى الله عليه وسلم)(٦)

ان کی قوم سب قوموں سے زیادہ معزز ان کا قبیلہ سب قبائل سے زیادہ معزز ان کا خاندان سب خاندانوں سے زیادہ معزز اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

''**الله اعلم حيث يجعل رسالته**''۔(۷) حضرت عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے(**وتقلبک فی الساجدین**) (۸) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں: **من صلب نبی الی صلب نبی حتی صرت نبیا** (۹)(کہ ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب میں یہاں تک کہ آپ نبوت سے سرفراز ہوئے)۔ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے؛ آپ اللہ کے نبی ﷺ انبیاء پشتوں میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپکی والدہ نے آپ کو جنم دیا ۔(۱۰) کائنات ہستی میں عظیم المرتبت اور افضل ترین نسب نبی اکرم ﷺ کا ہے۔ مذکورہ روایات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خاندان بھی مصطفیٰ (چنا ہوا) ہے اور وہ خود بھی مصطفیٰ ہیں۔

اور مزید برآں جس زمانہ وساعت میں ولادت باسعادت ہوئی وہ زمانہ بھی مصطفیٰ ہوا۔دلیل اس بات کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح

میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**بعثت من خير قرون بني آدم قرناً فقرنا حتى كنت من القرن الذي كنت فيه** “(۱۱)(میری بعثت بنو آدم کے بہترین زمانہ میں ہوئی۔ ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ یہ زمانہ آ گیا کہ جس میں میری ولادت ہوئی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عربوں میں سب سے بہتر مضر ہیں، اور مضر میں سب سے بہتر عبد مناف ہیں، اور عبد مناف میں سب سے بہتر بنو ہاشم اور بنو ہاشم میں سب سے بہتر عبدالمطلب۔ بخدا تخلیق آدم سے لے کر آج تک جب بھی دو قبیلے الگ الگ ہوئے ہیں تو میں ان دونوں میں سب سے بہتر قبیلے میں رہا ہوں۔(۱۲)

حضرت ابن عباس سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” اللہ نے اپنی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں سے بہتر میں رکھا۔ پھر دو حصوں کو تین میں تقسیم کیا تو مجھے ان تینوں میں سے بہترین میں رکھا۔ پھر جب قبائل کی تشکیل کی تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر قبائل کو گھرانوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہترین گھرانے میں رکھا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت** (۱۳)(۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل نے کہا ہے کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو دیکھا ہے مگر محمد ﷺ سے افضل کوئی نہیں پایا اور کسی باپ کی اولاد، ہاشم کی اولاد سے بہتر نہیں پائی۔(۱۵)

جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل آئے اور کہنے لگے: اے محمد (ﷺ)! مجھے اللہ نے بھیجا اور میں نے روئے زمین کے مشرق و مغرب اور میدانوں اور پہاڑوں کا چکر لگایا۔ میں نے زندہ لوگوں میں مضر سے زیادہ بہتر کسی کو نہ پایا، پھر مجھے حکم دیا تو میں نے قبیلہ مضر کا چکر لگایا تو میں نے ان کے زندہ لوگوں میں کنانہ سے زیادہ بہتر کسی کو نہ پایا۔ پھر مجھے حکم دیا تو میں نے کنانہ کا چکر لگایا تو ان کے زندہ لوگوں میں قریش سے بہتر نہ پایا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ میں ان میں سے بہترین کا انتخاب کروں تو میں نے آپ کی ذات سے بہتر کسی کو نہ پایا۔(۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” جب سے میں صلب آدم سے نکلا ہوں کسی بدکار عورت کے رحم میں منتقل نہیں ہوا۔ بہتر سے بہتر اقوام مجھے منتقل

کرتی رہیں یہاں تک کہ میری ولادت عربوں کے سب سے بہتر دو قبیلوں ہاشم اور زہرہ میں ہوئی۔(۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مبارکہ ﴿لقد جاء کم رسول من أنفسکم﴾(۱۸)(میں انفسکم یعنی فاء کی زبر کے ساتھ) پڑھا اور فرمایا: میں نسب، سسرال اور حسب میں تم سب سے نفیس ہوں اور میرے آباء و اجداد میں حضرت آدم تک ''سفاح'' (۱۹) نہیں، سب نکاح کی اولاد ہیں۔ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرجت من نکاح غیر سفاح .(۲۰)

حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کے مجھے پیدا کرنے تک میں نکاح کے ذریعے منتقل ہوتا رہا۔کہیں بدکاری سے منتقل نہ ہوا اور جاہلیت کے نکاح بھی میرے تک نہ پہنچے۔صرف اسلام کے نکاح کی طرح نکاح کے ذریعے میری ولادت ہوئی۔(۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش جو مشرف باسلام ہوئے، حضرت آدم کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک نور کی صورت میں تھے جو تسبیح بیان کرتا اور ملائکہ اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح بیان کرتے۔پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی تخلیق کی تو اس نور کو ان کی صلب میں ڈالا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین پر آدم کی صلب میں اتارا۔اور مجھے نوح کی صلب میں رکھا۔اور ابراہیم کی صلب میں ڈالا۔پھر اللہ تعالیٰ مجھے معزز اصلاب سے پاکیزہ ارحام میں منتقل کرتا رہا حتی کہ مجھے اپنے والدین سے پیدا کیا جنہوں نے کبھی بدکاری نہ کی۔(۲۲)

ابن سعد نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ: **کتبت للنبی ﷺ خمس مئة أم فما وجدت فیھن سفاحا ولا شیئاً من أمر الجاھلیة** ۔(میں نے نبی اکرم ﷺ کی پانچ سو ماؤں کے احوال لکھے، ان میں سے کسی میں بدکاری نہ پائی اور نہ ہی جاہلیت کی گندگی میں سے کوئی چیز۔)(پانچ سو ماؤں سے مراد والد گرامی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے جملہ جدات اور جدات الجدات ہیں)

ابن ہشام کا قول ہے:

''**فرسول الله ﷺ أشرف ولد آدم حسباً ، وأفضلھم نسباً من قبل ؤبیه وأمه .**''(۲۳)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ آدم کی اولاد میں حسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ عظمت والے اور باپ اور ماں کی طرف نسب کے لحاظ سے ان سب سے افضل ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے۔اللہ تعالیٰ معاشرے میں سب سے بہترین افراد ہی کو نبی بنا کر بھیجتا تھا۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمیں حضور ﷺ نے بتایا:

ان اللہ اذا اراد ان یبعث نبیا نظر الی خیر اھل الارض قبیلة فیبعث خیرھا رجلا . (۲۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا تھا کہ نبی مبعوث فرمائے تو زمین پر سب سے بہترین قبیلے پر نظر فرماتا تھا اور پھر اس کے بہترین آدمی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا تھا۔''

سرزمین عرب میں تو خاندانی وجاہت اور نسبی شرف کو کچھ زیادہ اہمیت دی جاتی تھی اہل عرب اس بارے میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے۔وہ اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر اور کارنامے اس طرح بیان کرتے تھے جیسے دنیا میں کرنے کے لئے یہی ایک کام رہ گیا ہو پھر جو شخص آبائی بڑائی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتا اسے سب عظمت کے سنگھاسن پر بٹھا دیتے تھے اور دل وجان سے اس کی سیادت وآقائی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سرور کائنات، فخر موجودات، صاحب لولاک، امام الانبیاء، نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی باری آئی تو آپ کو ایک ایسے معزز گھرانے میں تولد بخشا گیا جس کی شرافت ونجابت اور وقار وجلال کا سارے عرب میں شہرہ تھا سب اس خاندان کی خوبیوں اور نیکیوں کے گیت گاتے تھے۔سب کو اعتراف تھا کہ ''بنو ہاشم'' ایک ایسا گھرانہ ہے جو سخاوت وشجاعت، علم و فضل، تقویٰ وطہارت، خلوص وایثار، عدل ودیانت، استقلال وجرأت اور صورت وسیرت غرضیکہ ہر اعتبار سے بے مثال ہے اور یہ گھرانہ اپنے اوصاف کے حوالے سے پورے عرب جھومر ہے۔

جناب سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کے ایمان کے بارے سب سے پہلے قرآن پاک پھر احادیث طیبات آخر میں اسلاف کا نقطہ نظر پیش کروں گا۔

طہارت نسب کے قرآن وحدیث سے دلائل

حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی اپنے اعلیٰ حسب ونسب کی پاکیزگی اور طہارت کو بڑے

اہتمام کے ساتھ معنی خیز انداز میں بیان فرمایا ہے۔علاوہ ازیں قرآن پاک سے بھی اس سلسلہ زریں کے حسین اشارات ملتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

(۱) لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ (۲۵)

''بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم رسول تشریف لائے۔''

اَنْفُسٌ ۔ نَفْسٌ کی جمع ہے۔لیکن اگر اسے **اَنْفَسُ** پڑھا جائے تو پھر یہ اسم تفضیل کا صیغہ بن جاتا ہے جس کا معنی ہے سب سے زیادہ نفیس، چنانچہ ایک قرأت میں **اَنْفَسِکُمْ** بھی آیا ہے۔جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں موجود ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:۔

قرأ النبی ﷺ لقد جاء کم رسول من انفسکم بفتح الفاء وقال انا انفسکم نسبا وصهرا و حسبا لیس فی ابائی من لدن ادم سفاح کلنا نکاح.(۲۶)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور حرف ''فاء'' کو زبر کے ساتھ **''مِنْ اَنْفَسِکُمْ''** پڑھا اور فرمایا: میں حسب ونسب اور خاندانی قرابت کے حوالے سے تم سب سے افضل ہوں میرے آباؤ اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کوئی بھی بے راہ رو نہیں نکلا سب نکاح کرتے رہے ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الشفاء میں امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے **اَنْفَسِکُمْ** میں ''فاء'' کو مفتوح پڑھنے کا قول نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لم یصبه شئی من ولا دة الجاهلیة.(۲۷)

''آپ کے نسب پاک پر جاہلی طرز زندگی کا کوئی دھبہ نہیں پڑا۔''

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت کیا ہے جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ روایت بالکل جید وعمدہ ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

ما افترق الناس فرقتين الا جعلنى الله فى خير هما فاخرجت من بين ابوى فلم يصبنى شئى من عهد الجاهلية و خرجت من نكاح ولم اخرج من سفاح من لدن ادم حتى انتهيت الى ابى و امى فانا خيركم نفسا و خيركم ابا. (۲۸)

''جب بھی نسل انسانی کو دو طبقات میں تقسیم کیا گیا تو مجھے (یعنی میرے نور کو) ان میں سے بہتر طبقہ میں رکھا گیا، پس میرے نسب کو ہر جگہ ایسے والدین (کی صلبوں اور رحموں میں) سے نکالا گیا کہ میرے نسب کو دور جاہلیت کی کسی برائی نے چھوا تک نہیں۔ میرے سلسلہ نسب میں ہمیشہ نکاح قائم رہا کبھی میرے تولد (یعنی نور کی منتقلی) میں غلط کاری کا دخل نہیں ہوا۔ یہ پاکیزگی اور طہارت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے حقیقی والدین (حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ) تک برقرار رہی حتیٰ کہ (اسی طہارت نسبی کے ساتھ) میری ولادت ہوئی۔ پس میں اپنے ذاتی شرف اور نسبی شرف دونوں میں تم سب سے بہتر ہوں۔

(۲) قرآن مجید میں مذکور ہے:

وتوكل على العزيز الرحيم . الذى يراك حين تقوم . و تقلبك فى الساجدين. (۲۹)

''غالب ومہربان رب پر توکل کیجئے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام فرماتے ہیں اور ساجدین میں آپ کا اٹھنا بیٹھنا بھی (دیکھتا ہے)۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کا ایک یہ مفہوم بھی مروی ہے کہ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے نورانی سلسلہ نسب کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور اس کی طہارت وعظمت اور

نورانیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ نبوت کے سلسلہ نسب میں تمام ہستیاں ساجد و عابد رہی ہیں۔ان کے کردار و عمل میں کوئی کجی اوران کی ذات میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں تھی،نور نبوت کی امین یہ پاکباز ہستیاں جائز وحلال طریقہ سے اور شریعت خداوندی کے مطابق نور محمدی کی امانت ایک دوسرے کو منتقل کرتی رہی ہیں تا آنکہ حضرت آمنہ کو تفویض ہوئی اورانہوں نے منشائے خداوندی کے مطابق اسے دنیا والوں کو عطا کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے:۔

(و تقلبک فی الساجدین)ما زال النبی ﷺ یتقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدته امه. (۳۰)

" تقلبک فی الساجدین کا مفہوم یہ ہے کہ نور نبی ﷺ انبیاء کرام کی پاکیزہ پشتوں میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ کی گرامی مرتبت والدہ کے ہاں آپ کا تولد ہوا۔

اسی باب کی دوسری روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

لم یزل اللہ عزوجل ینقلنی من اصلاب طیبة الی ارحام طاهرة صافیا مهذبا لا تتشعب شعبتان الا کنت فی خیرهما.(۳۱)

''اللہ تبارک وتعالیٰ بڑی ہی پاکیزہ اور مہذب وشستہ حالت میں میرے نور کو طیب وطاہر پشتوں سے پاکیزہ شکموں میں منتقل فرماتا رہا، جونہی کوئی خاندان وحصوں میں تقسیم ہوتا تھا مجھے بہترین خاندان میں رکھ دیا جاتا تھا۔''

آپ رضی اللہ عنہ ہی سے ابن سعد، بزار اور ابن ابی حاتم کی روایت سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

من صلب نبی الی صلب نبی حتی اخرجه نبیا. (۳۲)

''آپ کو نسل درنسل انبیاء کے پاکیزہ نسب میں سے گزارا ہے حتیٰ کہ آپ کو بطور نبی پیدا فرمایا۔''

ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

بعثت من خیر قرون نبی ادم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیه. (۳۳)

''بنی آدم کے طبقات اور زمانے گزرتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس طبقے سے بھیجا گیا جو سب سے بہترین تھا۔''

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی امر کی تائید میں حضور ﷺ کی اس حدیث مبارک سے استدلال کیا ہے:

لم ازل انقل من اصلاب الطاهرین الی ارحام الطاهرات۔ (۳۴)

''کہ میں ہمیشہ بلا انقطاع پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں۔''

مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک دفعہ اس باب میں کوئی غلطی کی حضرت عباس نے بارگاہ رسالت میں آ کر اس کا ذکر کیا جس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فورا لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور نسبی طہارت کی اہمیت واضح کرنے کے لئے آپ خصوصی طور پر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: بتاؤ ''میں کون ہوں؟'' سب نے بیک زبان عرض کیا:

انت رسول الله ''آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا و خیرهم نفسا. (۳۵)

''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر جو بہترین مخلوق تھی مجھے اس میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اس حصے کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جو بہترین گروہ تھا مجھے اس میں رکھا، پھر

اس گروہ کو قبائل میں تقسیم کیا پھر جو بہترین قبیلہ تھا مجھے اس میں رکھا، پھر اس قبیلے کو گھرانوں میں تقسیم کیا جو بہترین گھرانہ تھا مجھے اس میں رکھا سو میں ذات اور گھرانہ دونوں حوالوں سے سب سے بہتر ہوں۔''

مسند البزار میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر لوگوں کو اپنا نسب مبارک بیان کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو میرے نسب اور اصل میں طعن کرتے ہیں، ارشاد فرمایا:۔

فواللہ انی لافضلھم اصلا و خیرھم موضعا۔(۳۶)

''پس خدا کی قسم میں ان سب سے اپنی اصل ونسب اور اپنے مقام ومنصب ہر دو اعتبار سے افضل ہوں۔''

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے نسب مبارک میں آپ کے جملہ آبائے اطہار اور امہات طاہرات میں سے کسی پر بھی زبان طعن دراز کرنا اور ان کی عزت وتکریم کے خلاف کوئی بات کرنا براہ راست حضور ﷺ پر طعن کے مترادف ہے اور آپ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

اس ارشاد سے مقصود یہ تھا کہ میرے نسب مبارک میں طعن نا قابل برداشت ہے۔ جب قدرت نے مجھے ایک منفرد نسب عطا کیا ہے جو چاند کی طرح روشن اور سپیدہ سحر کی طرح اجلا اور پاکیزہ ہے، تو پھر اس کے بارے میں ذرا سا طعن بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس فرمان سے واضح کر دیا کہ کوئی گھرانہ اور خاندان نسبی طہارت، پاکیزگی اور نورانیت کے حوالے سے ایسا نہیں جو میرے نسب کا مقابلہ کر سکتا ہو، یہ وہ سلسلہ عالیہ ہے جس میں خیر ہی خیر ہے اور ہر طرف نیکی، شرافت، شریعت مطہرہ کی پابندی اور اخلاق و کردار کی بلندی ہی نظر آتی ہے۔ ہر مخلوق، قوم، گروہ، خاندان اور برادری سے ''سراپا خیر'' کو چن لیا گیا ہے۔ اس لئے ہر جگہ اور ہر طبقہ میں وہی لوگ نظر آتے ہیں جو مقبول بارگاہ ایزدی ہوتے اور منتخب روزگار ہیں جن کے سیرت و کردار پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل واصطفی من ولد اسماعیل بنی کنانۃ واصطفی بنی کنانہ قریشا

واصطفی من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم.(۳۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چنا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ''بنو کنانہ'' کو چنا اور ''بنو کنانہ'' سے قریش کو چنا اور قریش سے ''بنو ہاشم'' کو چنا اور ''بنو ہاشم'' سے مجھے منتخب فرمایا۔''

خوش نصیب بنو ہاشم کے انتخاب اور برگزیدگی کا ذکر ایک اور حدیث میں بھی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔

قال رسول الله ﷺ قال لی جبریل ، قلبت الارض من مشارقها ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد وقلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم.

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے مشرق ومغرب چھان ڈالے ہیں لیکن اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اعلیٰ و افضل کسی کو نہیں پایا۔ اسی طرح زمین کا چپہ چپہ کھنگال دالا ہے لیکن کسی خاندان کو بنی ہاشم سے افضل نہیں پایا۔'' (۳۸)

اسے طبرانی نے ''اوسط'' میں اور بیہقی نے ''دلائل'' میں بھی روایت فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

ان الله خلق الخلق فاختار من الخلق بنی ادم ...

واختارنی من بنی هاشم فانا من خیار الی خیار الی خیار.(۳۹)

''بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو بنی آدم کو ساری مخلوق سے افضل منتخب کیا (اور اسی طرح چنتے چنتے) مجھے بنی ہاشم میں سب سے افضل منتخب کیا، پس میں سب سے برگزیدہ لوگوں میں سے سب سے برگزیدہ لوگوں

کی طرف پھر سب سے برگزیدہ لوگوں میں سے سب سے برگزیدہ لوگوں کی طرف (نسل در نسل) منتخب ہوتا ہوا آیا ہوں۔''

جن خاندانوں اور قبیلوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے نور مبارک کا امین اور آباؤ اجداد ہونے کا شرف حاصل ہوا آپ کے نور مبین کے صدقے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے دور میں ایسی انفرادیت وعظمت عطا کر دی تھی کہ وہ انہیں دیکھتا ان کی خاندانی وجاہت وعظمت اور ان کی شرافت و نجابت کا قائل ہو جاتا۔

حضرت ابو طالب کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے قصیدے میں حضور نبی اکرم ﷺ، بنی ہاشم، قریش اور عبد مناف کی نسبی برتری اور ان کے شرف وکمال کو برملا بیان کیا اور تمام قبائل کو بتایا کہ ان کے مقابلے کا کوئی نہیں، یہ برتر، فائق اور باکمال نسب کے مالک ہیں اس قصیدے کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

اذا اجتمعت یوما قریش لمفخر　　فعبد مناف سرها و صمیمها

فان حصلت اشراف عبد منافها　　ففی هاشم اشرافها وقدیمها

وان فخرت یوما فان محمدا

هو المصطفی من سرها وکریمها(۴۰)

''اگر کسی دن قبائل کے سامنے فخر ومباہات کے لئے قریش جمع ہو جائیں تو عبد مناف سر بر آوردہ ثابت ہوتے ہیں اور فوقیت لے جاتے ہیں۔ اور اگر بنو عبد مناف کے تمام بزرگ اور معزز لوگ بنو ہاشم کے سامنے آ جائیں تو سب اسلاف و اشراف یہیں براجمان نظر آتے ہیں۔ اور اگر بنو ہاشم اپنے کمالات پر فخر کریں تو بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ سب سے افضل قوم کا عطر اور سب سے بزرگ تر ہیں۔''

اسی طرح امام شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی رحمہ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:۔

وینقل احد نورا عظیما　　تلألا فی وجوه الساجدینا

تقلب فیهم قرنا فقرنا　　الی ان جاء خیر المرسلینا

ان حقائق وشواہد اور پہلے بیان کی گئی آیات واحادیث سے مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ تک جن سعادت مند اور خوش بخت خواتین وحضرات کو اپنے محبوب کریم نبی آخرالزمان ﷺ کے نور مبارک کا امین بنایا وہ سب اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق اور مضبوط کردار کے مالک تھے ان تمام جاہلی حرکات سے پاک تھے جو دور جاہلیت کا لازمہ اور طرہ امتیاز تھیں وہ سب معاشرے میں تہذیب وشائستگی کی علامت تصور کیے جاتے تھے۔ نبوی نسب میں کوئی ایک نام بھی ایسا نہیں جس پر حرف گیری کی جاسکتی ہو اور اخلاقی گراوٹ کا دھبہ لگایا جاسکتا ہو وہ فسق و فجور اور کفر وشرک کی آلودگی سے ہمیشہ دامن کشاں رہے۔

آپ کے نسب نامہ میں اسی مثالی پاکیزگی اور بلند پایہ طہارت کی ضرورت بھی تھی تاکہ کوئی زبان طعن دراز نہ کر سکے۔ چنانچہ شرافت ونجابت کے مثالی پیکر اور مجسمہ نور کو دیکھ کر سعادت مند روحیں لپکیں، دامن کرم سے وابستہ ہوگئیں اور بے قرار ہو کر ایمان لے آئیں۔ یہ بھی طہارت نسب نبوی کا ایک اعجاز اور نورانی کرشمہ تھا جس نے دلوں کے دریچے کھول دیئے اور نیک بختوں کو کھینچ لیا۔

الذی یرک حین تقوم . و تقلبک فی السٰجدین. (۴۱)

''جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے۔ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو۔''

اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور نبی ﷺ جب انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا تھا اور اس تفسیر میں اس پر دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے اس تفسیر کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے نبی پاک ﷺ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے تمام آباء کرام انبیاء کرام تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباء کرام میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے)۔ (۴۲)

اس حدیث کو امام ابونعیم اصبہانی متوفی 430ھ اور امام محمد بن سعد متوفی 230ھ میں بھی

روایت کیا ہے۔(۴۳)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی **360**ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ **و تقلبك فی الساجدین**۔کی تفسیر میں فرماتے ہیں آپ نے فرمایا میں ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہوتا رہاحتیٰ کہ میں نبی ہو گیا۔ (یعنی آپ کے آباءکرام میں انبیاءعلیہم السلام بھی تھے)(۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنوآدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہاحتیٰ کہ جس قرن میں، میں ہوں۔(۴۵)

قرن کا معنی ہے کسی ایک زمانے کے تمام لوگوں کا ایک طبقہ بعض علماء نے اس زمانے کی تحدید سوسال کے ساتھ کی ہے، بعض نے ستر سال کے ساتھ کی ہے اور صحیح یہ ہے جب کسی ایک زمانے کے تمام لوگ ہلاک ہوجائیں اوران میں سے کوئی باقی نہ رہے تو وہ زمانہ ایک قرن ہے۔(۴۶)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے دو حصے کیے اور مجھے ان میں سے سب سے اچھے حصے میں رکھا۔ پھر اس نصف کے تین حصے کیے اور مجھے اس تیسرے حصے میں رکھا جو سب سے خیر، اچھا اور سب سے افضل تھا، پھر لوگوں میں سے عرب کو چن لیا، پھر عرب میں سے قریش کو چن لیا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا پھر بنو ہاشم میں سے حضرت عبدالمطلب کو چن لیا، پھر حجرت عبدالمطلب کی اولاد میں سے مجھ کو چن لیا، (اس حدیث میں خیر کا لفظ ہے اور مومن اور کافر میں مومن خیر ہے سو آپ کے تمام آباء مومن ہیں)۔(۴۷)

یہ حدیث آپ کے تمام آباء کے ایمان پر عمومی اور حضرت عبدالمطلب کے ایمان پر خصوصی دلیل ہے۔(۴۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ پر میرے باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا: میں حضرت آدم کی پشت میں تھا، اور جب مجھے کشتی میں سوار کرایا گیا تو میں اپنے باپ حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں تھا۔اور جب مجھے (آگ میں) پھینکا گیا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں

تھا، میرے والدین کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے، اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ معزز پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا، میری صفت مہدی ہے، اور جب بھی دو شاخیں ملیں میں سب سے خیر (اچھی) شاخوں میں تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق اور اسلام کا عہد لیا، اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر پھیلایا اور ہر نبی نے میری صفت بیان کی اور زمین میرے نور سے چمک اٹھی اور بادل میرے چہرے سے برستا ہے اور مجھے اپنی کتاب کا علم دیا اور آسمانوں میں میرے شرف کو زیادہ کیا اور اپنے ناموں میں سے میرا نام بنایا پس عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں۔ (۴۹)

حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ عزوجل کے سامنے ایک نور تھے، یہ نور تسبیح کرتا تھا اور فرشتے اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھ دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس اللہ نے حضرت آدم کی پشت میں اس نور کو زمین کی طرف اتارا، پھر کشتی میں یہ نور حضرت نوح کی پشت میں رکھ دیا گیا اور حضرت ابراہیم کی پشت میں یہ نور آگ میں ڈالا گیا، اور اللہ مجھے ہمیشہ مکرم پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا، حتیٰ کہ مجھے میرے ان والدین سے نکالا جو کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایاہ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں اور بدکاری سے نہیں پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم سے لے کر حتیٰ کہ میں اپنی والدہ سے پیدا ہوا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کسی چیز نے نہیں چھوا۔ (۵۰)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث کا ذکر کیا ہے امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کہ یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے تو اس وقت آپ کہاں تھے؟ آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ نے فرمایا میں ان کی پشت میں تھا، جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا، میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا، اور اپنے باپ حضرت ابراہیم کی پشت میں مجھے آگ میں ڈالا گیا، اور میرے ماں باپ کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری میں جمع نہیں ہوئے

اور اللہ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا، جبکہ وہ صاف اور مہذب تھے، جب بھی دو شاخیں باہم ملیں تو میں ان سے بہتر شاخوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق لیا اور مجھ کو اسلام کی ہدایت دی، اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر بیان کیا اور میری تمام صفات کو مشرق اور مغرب میں بیان کر دیا، اور مجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا، اور اپنے اسماء میں میرا ذکر بلند کیا، اور اپنے اسماء میں سے میرا اسم بنایا سو عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں، اور مجھے حوض کے نزدیک کیا اور مجھے کوثر عطا کیا، اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اپنی امت کے سب سے بہتر قرن میں نکالا، اور میری امت بہت حمد کرنے والی ہے اور نیکی کا حکم دینے والی ہے اور برائی سے روکنے والی ہے۔(۵۱)

حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاھین المتوفی 385ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں افسردگی کے عالم میں ٹھہرے رہے، پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے، میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے، پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے، آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔(۵۲)

علامہ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی المتوفی 581ھ لکھتے ہیں:۔

قاضی ابو عمران احمد بن ابی الحسن نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں چند مجہول راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کر دے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی ﷺ اس کے اہل ہیں کہ وہ آپ کو جس وصف سے چاہے اپنے فضل سے خاص کرے اور اپنے کرم سے

آپ کو جس نعمت سے چاہے نواز دے۔ صلوات اللہ علیہ والہ وسلم۔(۵۳)

چوتھی فصل

حضرت عبداللہ ﷺ کے ایمان کے بارے اسلاف کا نقطہ نظر

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام مخلوق میں صرف انسان ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ طبع و مزاج کے حوالے سے بڑا انوکھا اور غیور واقع ہوا ہے۔ تنقید اور تنقیح کی نظر رکھتا ہے۔ عام حالات میں جلدی سے کسی کی عظمت اور بڑائی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، ہر چیز کو ٹھوک بجا کر غور سے دیکھتا ہے۔ ظاہر و باطن کو پرکھتا ہے۔ گفتار و کردار کا بنظر غائر جائزہ لیتا ہے۔ جب اسے صداقت وطہارت، علو و کمال اور خلوص وایثار کا یقین آ جاتا ہے اور دوسرے شخص میں ایسے خصائل واوصاف دیکھ لیتا ہے جو اس میں نہیں تب کہیں جا کر اس کی فضیلت و برتری تسلیم کر کے پھر اسے اپنا قائد و رہنما ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے رسول اور نبی بھیجے وہ ہر لحاظ سے کامل وافضل اور مقام و مرتبے کے حوالے سے بے نظیر و یکتا تھے۔ کسی دنیا دار کو ان کی شخصیت اور سیرت پر انگلی اٹھانے اور عیب جوئی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دیکھ لیتے تھے کہ جس نے دعوائے نبوت ورسالت کیا ہے۔ وہ حسب و نسب کے لحاظ سے معزز اور معاشرتی منصب کے حوالے سے قابل تکریم ہے۔ اس میں کوئی ایسی خامی اور کمی نہیں جس پر گرفت کی جا سکے۔ یہ یکتا و بے مثل، عالی پایہ، بلند اخلاق، با کردار اور خوبصورت وخوب سیرت ہے جس کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے والد محترم جناب سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کے بارے میں شرک ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے جد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے، جس طرح کہ قس بن ساعدہ ایادی اور عہد جاہلیت کے دیگر لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ اس مسلک کو امام فخر الدین رازی نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے: آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک توحید پر تھے۔ علمائے کرام نے ایمان آباء النبی ﷺ کے بارے میں کئی دلائل ذکر کئے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اسلاف نے نبی اکرم ﷺ، آپ کے والد محترم اور جملہ آباء اجداد کے بارے جولکھا ان میں سے چند دلائل:

والدین کریمین کے ایمان پر امام فخر الدین رازی کے دلائل:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہ تھے، اس کے متعدد دلائل ہیں:۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

الذی یرک حین تقلبک تقوم۔ وتقلبک فی السٰجدین۔ (۱)

کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی سو اسی تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے، اور اس وقت یہ قطعی طور پر ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ **وتقلبک فی الساجدین**۔ کی اور بھی تفسیریں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے اصحاب کے گھروں میں تفتیش کرتے تھے کہ وہ اپنے گھروں میں کیا کر رہے ہیں کیونکہ آپ کو اس پر شدید حرص تھی کہ وہ اس کے بعد بھی رات کو عبادت کرتے رہیں آپ نے دیکھا کہ ان کے گھروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ اس اعتبار سے **وتقلبک فی السٰجدین**۔ کا معنی ہے کہ اللہ آپ کے قیام کو دیکھتا ہے اور ساجدین میں آپ کے طواف کرنے اور گھومنے کو دیکھتا ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے، اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آپ کا حال مخفی نہیں ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور ساجدین کے دینی مسائل اور معاملات میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کا چوتھا معنی یہ ہے جب آپ نظر کو حرکت دے کر اپنے پیچھے سے نمازیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے اپنا اپنا رکوع وسجود پورا پورا کیا کرو کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

پس ہر چند کہ اس آیت کا میں ان چاروں تفسیروں کا بھی احتمال ہے، مگر ہم نے جس تفسیر کا ذکر کیا ہے اس کا بھی اس تفسیر میں احتمال ہے اور ہر تفسیر کے متعلق احادیث وارد ہیں اور ان میں کوئی تضاد اور

منافقات نہیں ہے، پس اس آیت کو ان تمام تفسیروں پر محمول کرنا واجب ہے، اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کے والد بت پرتوں میں سے نہ تھے۔

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے آباء مشرک نہ تھے اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

انما المشرکون نجس۔ ''مشرکین نجس کے سوا اور کچھ نہیں۔'' (۲)

یعنی پاک بالکل نہیں پس اس سے واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ کے آباء و اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔ (۳)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل

حضرت ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاهین المتوفی 386ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں افسردگی کے عالم میں ٹھہرے رہے، پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے، میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے، پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے، آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (۴)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر احمد بن علی الخطیب نے کتاب ''السابق واللاحق'' میں اور ابوحفص عمر بن شاہین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا حج ہمارے ساتھ کیا۔ آپ میرے ساتھ الحجون گھاٹی میں گزرے، اس وقت آپ رو رہے تھے اور غمگین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی، آپ وہاں اترے اور فرمایا: اے حمیرا! ٹھہر جا میں اونٹ کی ایک جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، آپ کافی دیر وہاں ٹھہرے رہے پھر خوشی خوشی مسکراتے ہوئے واپس آئے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں!

آپ یہاں پرغم اورافسردگی کی کیفیت میں اترے تھے،حتیٰ کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی پھر آپ اس حال میں میرے پاس واپس آئے کہ آپ خوشی خوشی مسکرا رہے تھے۔ یارسول اللہ ﷺ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں اپنی ماں آمنہ کی قبر کے پاس سے گزرا میں نے اپنے رب اللہ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ کردے، سواللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کردیا، تو وہ مجھ پرایمان لے آئیں۔ پھراللہ تعالیٰ نے ان کی موت کو پھرلوٹا دیا ہے۔ یہ خطیب کی عبارت ہے، اور علامہ سہیلی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والداور والدہ دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے۔ اس حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفرا کرنے سے منع رمایا، علامہ قرطبی فرماتے ہیں الحمدللہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے لئے استغفار کرنے سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ والدہ کو زندہ کرنے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے، اس طرح امام ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں اس کو ناسخ قرار دیا ہے(۵)

اور استغفار کی اجازت نہ دینے کو منسوخ قرار دیا ہے، (۶)

قرآن مجید میں ہے:

ولیست التوبة للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الئن ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما۔ (۷)

''اوران لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کرلی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ (مقبول) ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔

اور کتب تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ نے کیا کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:۔

ولا تسئل عن اصحب الجحیم۔ (۸)

''اور آپ سے دوزخیوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔''

یہ روایت محمد بن کعب قرظی اور ابوعاصم سے منقول ہے۔ (۹)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے کہا ہے کہ یہ استدلال مخدوش ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے فضائل اور خصائص آپ کے وصال تک متواتر اور مسلسل ثابت ہوتے رہے ہیں لہذا آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا بھی آپ کے ان خصائص میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف کیا ہے۔

نیز آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا عقلا اور شرعا ممتنع نہیں ہے، کیونکہ قرآن مید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے، اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا اور جب یہ امور ثابت ہیں تو آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے اور پھر ان کے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟ جبکہ اس میں آپ کی زیادہ کرامت اور فضیلت ہے اور جبکہ اس مسئلہ میں حدیث بھی وارد ہے۔ (۱۰)

اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ جو شخص کفر پر مر جائے اس کی توبہ مفید نہیں ہوتی تو اس کا یہ اعتراض اس حدیث سے مردود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا تھا، امام طحاوی نے کہا یہ حدیث ثابت ہے پس اگر سورج کا لوٹایا جانا مفید نہ ہوتا تو اس کو نہ لوٹایا جاتا، پس اسی طرح نبی ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان کے ایمان لانے اور نبی ﷺ کی تصدیق کرنے کے لئے مفید تھا اور بے شک ظاہر قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اور ان کے اسلام کو قبول کر لیا تھا حالانکہ وہ عذاب کی علامات نمودار ہونے کے بعد ایمان لائے تھے اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی تھی، اور سورۃ بقرۃ: 119 کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے والدین کے زندہ کئے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیب کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (۱۱)

علامہ قرطبی کے دلائل بہت قوی ہیں البتہ انہوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے

نبی کے ہاتھ پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا سو یہ ثابت نہیں ہے۔

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ سہیلی کے دلائل

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی التوفی 581ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا دوزخ میں! جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے۔(۱۲)

ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ کو ایذاء پہنچائیں کیونکہ آپ نے فرمایا ہے مردوں کو برا کہہ کر زندہ کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ وہ حدیث یہ ہے: امام ابوقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:۔

عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر کہنے لگے: یہ ابوجہل کا بیٹا ہے، یہ ابوجہل کا بیٹا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔(۱۳)

ان الـذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والاخرة واعدلهم عذابا مهينا.(۱۴)

''بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان پر اللہ دنیا اور آخرت مین لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے والد کو کافر کہنا حضرت عکرمہ کے لئے باعث اذیت ہے تو نبی ﷺ کے والدین کو کافر کہنا آپ کے لئے کس قدر باعث ایذاء ہوگا! اس کے بعد علامہ سہیلی نے نبی پاک ﷺ کے والدین کے زندہ کیے جانے کے متعلق دو حدیثیں لکھی ہیں جن کو پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور نبی ﷺ اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالی اپنے فضل سے آپ کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کرے۔(۱۵)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ ابی مالکی کے دلائل

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ

کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا دوزخ میں۔ جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی دلجوئی کی وجہ سے فرمایا تھا تا کہ اس شخص کو تسلی ہو، (اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں باپ کا اطلاق چچا پر ہو اور اس سے مراد ابو طالب ہوں) اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ سہیلی کا پورا کلام ذکر کیا ہے، جس کو نقل کیا جا چکا ہے، اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ نووی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے والدین اہل فترت میں سے تھے اور اہل فترت پر عذاب نہیں ہوتا، کیونکہ اہل فترت ان دو رسولوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں جن کی طرف پہلے رسول کو بھیجا نہ گیا ہو اور دوسرے رسول کو انہوں نے پایا نہ ہو، جیسے وہ عرب جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث نہیں کیے گئے اور نہ انہوں نے ہمارے نبی ﷺ کو پایا ہو، اور اس تعریف کے اعتبار سے فترت ہر ان لوگوں کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہوں، جیسے حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کے لوگ، اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ھود علیہ السلام کے درمیان کے لوگ، اور ان کے درمیان آٹھ سو سال ہیں، اور حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور ان کے درمیان چھ سو تیس سال ہیں، لیکن فقہاء جب فترت میں کلام کرتے ہیں تو اس سے مراد ان لوگوں کو لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کے لوگ ہیں۔(۱۶)

علامہ ابی مالکی کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ہمارے نبی علیہ السلام پر ایمان لانا نہ بھی تسلیم کیا جائے، پھر بھی آپ اہل فترت میں سے ہیں اور العیاذ باللہ اہل دوزخ میں سے نہیں ہیں۔

نیز علامہ ابی نے لکھا ہے کہ اہل فترت کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دین میں تبدیلی کی اور اپنی طرف سے چیزوں کو حلال اور حرام کیا ان دونوں قسم کے اہل فترت کو عذاب ہوگا اور تیسری قسم کے اہل فترت وہ ہیں جنہوں نے شرک نہ کیا نہ کسی نبی کی شریعت میں تغیر اور تبدل کیا اور نہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کیا اور نہ کسی دین کو اختراع کیا وہ ساری عمر غفلت اور جاہلیت میں رہے، ان کو بالکل عذاب نہیں ہوگا، اور آپ کے والدین کریمین اہل فترت کی اسی تیسری قسم میں سے تھے۔(۱۷)

والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں امام سیوطیؒ کے رسائل کا تعارف

متقدمین کی کتب حدیث میں ، احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ امام احمد بن حنبل متوفی 243ھ کی مسند احمد بن حنبل ہے اس میں 28199 کل مرفوعہ وموقوفہ احادیث ہیں۔(۱۸)

اور متاخرین کی کتب حدیث میں احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ کی جمع الجوامع ہے اس میں 29025 احادیث مرفوعہ ہیں ، 15303 آثار صحابہ ہیں ، 1257 احادیث موضوعہ وضعیفہ ہیں اور اس میں درج شدہ کل احادیث کی تعداد 45585 ہے۔(۱۹)

اور مطبوعہ کتب حدیث میں یہ احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے، اور حدیث کی سب سے زیادہ خدمت بھی حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کا رنگ بھی سب سے زیادہ ان کی تصانیف میں جھلکتا ہے، اور سرکار دوعالم ﷺ کا ان پر انعام بھی بہت زیادہ ہے، علامہ عبدالوھاب الشعرانی المتوفی 973ھ نے لکھا ہے کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو بیداری میں پچھتر بار رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی ہے۔(۲۰)

رسول اللہ ﷺ کے والدین کے زندہ کیے جانے ، ان کے ایمان لانے اور ان کے غیر معذب اور جنتی ہونے کے متعلق حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حسب ذیل رسائل ہیں :۔

(1) المقامة السندسیه فی النسبة المصطفویه ،

(2) تنزیه الانبیاء عن تشبیه الاغبیاء،

(3) السبیل الجلیة فی الآباء العلیة،

(4) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی ،

(5) نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین،

(6) الدرج المنیفة فی الآباء الشریفة

(7) التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول الله فی الجنة ،

(رسالہ نمبرا)المقامة السندسيه فى النسبة المصطفويه کا خلاصہ

آپ کے والدین کوزندہ کرنا اوران کا ایمان لانا

یہ اس موضوع پر حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا رسالہ ہے اوراس کے بیس صفحات ہیں امام سیوطی نے اس رسالہ میں بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے خصائص میں سے ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لئے آپ کے نسب کو طاہر رکھا ہے،اورآپ کے آباء کو ہر قسم کے میل کی آلودگی سے محفوظ رکھا ہے اورآپ کے آباء واجداد میں سے ہر اب اور جد کو ان کے زمانہ کا سب سے بہتر فرد بنایا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: میں ہر زمانہ میں بنوآدم کے سب سے افضل لوگوں سے بھیجا گیا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ میں، میں ہوں،اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بہ اعتبار نسب کے تم سب سے افضل ہوں اور باعتبار سسرال اور خاندانی شرافت اور محاسن کے بھی تم سب سے افضل ہوں،اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا، جب بھی دو شاخیں آپس میں ملیں تو میں سب سے بہتر شاخ میں ہوتا تھا تو میں خود بھی تم سے افضل ہوں اور میرے باپ بھی تم سے افضل ہیں۔

تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس نبی کو بھی جو معجزہ دیا گیا یا جو خصوصیت دی گئی اس کی مثل ہمارے نبی ﷺ کو ضروری دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ قبر کے مردوں کو زندہ کرتے تھے، پس ضروری ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کے لئے بھی اس کی مثل ہو، ہر چند کہ بکری کے گوشت نے آپ سے کلام کر کے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے،اور کھجور کے تنے نے بھی آپ سے کلام کیا اور یہ بھی مردوں کو زندہ کرنے کی مثالیں ہیں،لیکن اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے والدین کو زندہ کیا،اوروہ آپ پر ایمان لائے۔

آپ کے والدین کا اہل فترت سے ہونا اور غیر معذب ہونا

اورآپ کے والدین اہل فترت میں سے ہیں اوراہل فترت کے متعلق صحیح اور حسن احادیث وارد ہیں اوران کے غیر معذب ہونے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا ۔(۲۱)

''ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں ۔''

ولو انا اهلكنهم بعذاب من قبله لقالوا ربنا لو لا ارسلت الينا رسولا فنتبع ايتك من قبل ان نذل و نخزىٰ ۔(۲۲)

''اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یقیناً یہ کہہ دیتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے ۔'' **ذلك ان لم يكن ربك مهلك القرى بظلم واهلها غفلون ۔(۲۳)**

''یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس بستی والے غافل ہوں ۔''

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی بہت آیات نقل فرمائی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل فترت کو عذاب نہیں دیتا اور آپ کے والدین اہل فترت سے تھے۔سو آپ کے والدین کو عذاب نہیں ہوگا۔

آپ کے والدین کا مومن ہونا اور آپ کے نسب کی طہارت پر حضرت عباس کے اشعار

اس مسئلہ میں امام رازی نے ایک مسلک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ کے والدین مشرک نہیں تھے، بلکہ وہ دونوں توحید پر تھے اور ملت ابراہیم پر تھے، اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کے تمام آباء واجداد اسی طرح موحد اور مومن تھے، اور انہوں نے **الذی یراك حين تقلبك ۔وتقلبك فى الساجدين ۔**(۲۴) سے استدلال کیا ہے۔اور ارجح یہ ہے آزر آپ کے چچا تھے۔

حافظ العصر ابوالفضل ابن حجر نے آپ کی شان میں یہ اشعار لکھے ہیں:

نبی الهدىٰ المختار من آل هاشم　　　فمن فخرهم فليقصر المتطاول

''ہدایت دینے والے نبی جو آل ہاشم میں سے پسندیدہ ہیں، آل ہاشم کے فضائل کے مقابلہ میں

اپنے مفاخر پر تکبر کو کم کریں۔''

تنقل فی اصلاب قوم تشرفوا　　　به مثل ما للبدر تلک المنازل

''اس قوم کے لئے شرف ہے جس کی پشتوں میں آپ منتقل ہوتے رہے، ان ہی کے ساتھ بدر کامل کی منازل کو تشبیہ دی جاتی ہے۔''

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی کے سامنے حضرت آدم کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے قریش ایک نور تھے، اور یہ نور فرشتوں کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتا تھا، پھر یہ نور حضرت آدم کی پشت میں ڈال دیا گیا پھر اللہ تعالیٰ اس نور کو پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا، آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار بھی اس حدیث کی تائید کرتے ہیں:۔

من قبلها طبت فی الظلال و　　　فی مستودع حیث یخصف الورق

اس سے پہلے آپ سایوں میں پاکیزگی کے ساتھ تھے۔حضرت آدم جنت میں جس جگہ تھے جہاں درختوں کے پتے چمٹے ہوئے تھے۔

ثم هبطت البلاد لا بشر　　　انت ولا مضغة ولا علق

پھر آپ شہروں میں اتر آئے اس وقت آپ نہ مکمل بشر تھے نہ گوشت کی بوٹی اور نہ جما ہوا خون تھے۔

بل نطفة ترکب السفین وقد　　　الجم نسرا واهله الغرق

بلکہ آپ سام بن نوح کی پشت میں نطفہ تھے جب آپ کشتی میں سوار ہوئے۔نسر نامی بت کے منہ میں لگام دال دی گئی اور اس کے ماننے والے غرق ہو گئے۔

تنقل من صالب الی رحم　　　اذا مضی عالم بدا طبق

آپ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہو رہے تھے۔جب ایک عالم کے بعد دوسرا عالم گزرتا رہا (اور آپ اصل سے فرع کی طرف منتقل ہو رہے تھے)

وردت نارا لخلیل مستترا　　　فی صلبه انت کیف یحترق

آپ ابراہیم خلیل اللہ کی پشت میں پوشیدہ طور پر موجود تھے جب ان کو آگ میں ڈالا گیا۔جس کی پشت میں آپ موجود ہوں اس کو آگ کیسے جلا سکتی ہے!

حتیٰ احتوی بیتک المھین من خندف علیاء تحتھا النطق

آپ کے شرف کی بلند میں نسب کی بلندیوں کو جمع کرلیا۔

وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق

اور جب آپ کی ولادت ہوئے تو تمام زمین روشن ہوگئی۔اور آپ کے نور سے آسمانوں کے کنارے چمکنے لگے۔

فنحن فی ذلک الضیاء و فی النور و سبل الرشاد نحترق

سوہم اس ضیاء اور نور میں ہدایت کے راستے تلاش کر رہے ہیں۔(۲۵)

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان شعار کو حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے ان کے علاوہ وہ دیگر حفاظ نے بھی ان اشعار کو خریم بن اوس سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ اپنی سند کے ساتھ خریم بن اوس بن حارثہ بن لام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے واپس لوٹے تو میں اسلام لایا، اس وقت میں نے سنا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یہ کہہ رہے تھے یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کی مدح کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو ملمع کاری اور بناوٹ سے محفوظ رکھے۔پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا اشعار پڑھے۔(۲۶)

حافظ بیہقی کے علاوہ، حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ، حافظ ابن قیم متوفی 751ھ، امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ، امام عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ، علامہ ذہبی متوفی 848ھ، حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ، علامہ ابوعبد اللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ، علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ، علامہ محمد بن عبد الباقی متوفی 1124ھ، علامہ محمد بن یوسف الشامی متوفی 942ھ، حافظ نور الدین الہیثمی متوفی 807ھ، نے بھی ان اشعار کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔(۲۷)

(رسالہ نمبر۲) تنزیه الانبیاء عن تشبیه الاغبیاء کا خلاصہ

آپ کی تعظیم آپ کے والدین کے ایمان کو مستلزم ہے

یہ دوسرا رسالہ ہے اور اس کے 19 صفحات ہیں اس میں حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل سے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کا ذکر اس طرح نہ کیا جائے جس سے آپ کا کوئی عیب و نقص معلوم ہو، ایک شخص نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے بکریاں چرائی ہیں تو کیا ہوا ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، اس پر قاضی نے اس پر تعزیر لگانے کا حکم دیا، بعض علماء نے قاضی کے اس فیصلہ کو غلط کہا، اس پر حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ لکھا اور یہ ثابت کیا کہ آپ کا ذکر تعظیم اور تکریم سے کرنا چاہیے اور ایسا کوئی کلام نہ بولا جائے جس سے آپ کی تنقیص ہو پھر یہ نقل کیا کہ صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہے پھر اس کی شرح میں علامہ سہیلی کی عبارت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کو دوزخی کہنا آپ کے لئے باعث ایذا ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا کفر ہے۔

(رسالہ نمبر۳) السبیل الجلیة فی الاباء العلیه کا خلاصہ

﴿۱﴾ آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی سو وہ غیر معذب ہیں

یہ اس موضوع پر تیسرا رسالہ ہے، رسالہ 17 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے والدین کے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کے سلسلے میں دلائل کے چار طریقے بیان کیے ہیں:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کو زمانہ جاہلیت میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور امام غزالی نے مستصفیٰ میں، اور امام رازی نے محصول میں اور قاضی ابوبکر الباقلانی نے تقریب میں اور متعدد ائمہ اصول نے اپنی کتابوں میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ مکلّف نہیں ہے اور یہ اصول اس آیت سے مستنبط ہے:۔

ذلك ان لم یكن ربك مهلك القریٰ بظلم واهلها غفلون۔ (۲۸)

''یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس بستی والے غافل ہوں۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص نجات یافتہ ہے، اور چونکہ آپ کے والدین بھی اسلام کی دعوت سے غافل تھے سو وہ نجات یافتہ ہیں۔

﴿۲﴾ آپ کے والدین اصحاب فترت سے ہیں اس لئے وہ نجات یافتہ ہیں

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین اصحاب فترت میں سے ہیں اور اصحاب فترت کے متعلق متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور جو امتحان میں کامیاب ہوگا اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے تین مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل فترت کو اور کم عقل کو اور بہرے اور گونگے اور بوڑھوں کو جمع فرمائے گا، جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے کیوں؟ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی، پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا، پھر جس کے متعلق اللہ چاہے گا وہ اس رسول کی اطاعت کرے گا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:۔

وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا۔(۲۹)

''ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں، جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے یہ سمجھا تھا کہ اس آیت میں رسول سے مراد عام ہے، خواہ وہ رسول دنیا میں بھیجا جائے یا قیامت کے دن، جب اہل فترت سے کہے گا دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

حافظ ابن حجر نے کہا کہ آپ کے والدین کے متعلق گمان یہ ہے کہ وہ سب زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے اور قیامت کے دن جب ان سے بطور امتحان کہا جائے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ تو وہ اس امتحان میں کامیاب ہوں گے اور قیامت کے دن رسول کی اطاعت کر کے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو یہ توفیق دے گا کہ وہ قیامت کے دن رسول کی اطاعت کریں گے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابوسعد نے ''شرف نبوت'' میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا

کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا، اور امام ابن جریر نے **ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ** کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی رضا میں سے یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کیا جائے۔(۳۰)

اوران میں سے بعض احادیث بعض کو مضبوط کرتی ہیں کیونکہ حدیث ضعیف جب متعدد اسانید سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء یہ ہے کہ ان احادیث کی بناء پر والدین کریمین بغیر امتحان کے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ بھی آپ کے اہل بیت سے ہیں اور اصحاب فترت کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دوزخ سے نجات ہوگی۔

﴿۳﴾ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا اور اس کے مخالف احادیث کی تاویل

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور اس طریقہ کی طرف اکثر ائمہ دین اور حفاظ حدیث نے میلان کیا ہے۔اس حدیث کا علامہ السہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے، ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں ضعیف ہے، اور بہت ائمہ اور حفاظ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف کی وہ قسم ہے جس کا فضائل اور مناقب مین ذکر کرنا جائز ہے، ان حفاظ میں سے حافظ ابو بکر بغدادی ہیں، ابوالقاسم بن عساکر، حافظ ابن شاہین، حافظ سہیلی، امام قرطبی، محبّ الدین طبری، علامہ ناصر الدین اور فتح الدین وغیرہ ہیں۔

اور جب ان طریقوں سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے والدین نجات یافتہ اور جنتی ہیں تو جو احادیث ان کے خلاف ہیں وہ ان سے پہلے کی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں ہیں پھر یہ آیت نازل ہوگئی:۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔(۳۱)

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

تو اب اس آیت پر عقیدہ ہوگا نہ کہ پہلی احادیث پر تو جن حادیث سے والدین کریمین کا جنتی ہونا ثابت ہے ان پر عقیدہ ہوگا نہ کہ ان کی مخالف احادیث پر۔

﴿۴﴾ آپ کے والدین ملت ابراہیم پر تھے

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین ملت ابراہیم پر تھے، جیسا کہ زید بن نفیل زمانہ جاہلیت میں تھے اوران کی مثل دوسرے، ابن الجوزی نے ''التلقیح'' میں اس عنوان کا ایک باب قائم کیا ہے''وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے کنارہ کش رہے تھے'' ان میں ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں زید مذکور بھی ہیں اور قس بن ساعدہ ہیں اور ورقہ بن نوفل ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرھم ہیں، سو آپ کے والدین بھی اسی جماعت میں سے ہیں، اس طریقہ کی طرف امام فخر الدین رازی نے میلان کیا ہے اوراس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء توحید پر قائم ہیں، اوراپنی تفسیر صغیر اسرار التنزیل میں **الذی یرك حین تقوم ۔ وتقلبك فی السجدین** ۔ (۳۵) میں انہوں نے اس کو بیان کیا ہے۔

امام رازی کے موقف پر مجھے عام دلائل بھی حاصل ہوئے اور خاص دلائل بھی، عام دلائل دو مقدموں سے مرکب ہیں اول مقدمہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کے اجداد میں سے ہر جد اپنے زمانہ میں سب سے خیر اور افضل تھے، کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ میں قرنا فقرنا بنو آدم کے خیر قرون (ہر زمانہ میں سب سے بہترین لوگوں) سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ کے لوگوں میں، میں ہوں۔ (۳۶)

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ روئے زمین کبھی سات یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں رہی۔ ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔ (۳۷)

اور مومن اور مشرک میں مومن خیر ہے اور رسول اللہ ﷺ ہر زمانہ کے بہترین لوگوں سے ہیں اور اس زمانہ میں مومن بھی ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کے والدین مومن ہوں۔

اور دلیل خاص یہ ہے کہ امام محمد بن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء مومن تھے۔

(رسالہ نمبر۴) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی

مسالک اول آپ کے والدین کا اصحاب فترت سے ہونا

اس موضوع پر یہ چوتھا رسالہ ہے اور یہ سب سے ضخیم رسالہ ہے، اس کے چھپن صفحات ہیں۔

مسلک اول یہ ہے کہ آپ کے والدین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور جو لوگ بعثت سے پہلے فوت ہو گئے ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ نجات یافتہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے **اما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا**۔ اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس مسلک کے اعتبار سے آپ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **15** صفحات تک اس مسلک پر دلائل پیش کیے ہیں۔

(رسالہ نمبر۵) نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین کا خلاصہ

والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی تقویت اور ترجیح کی وجوہ

یہ اس موضوع پر پانچواں رسالہ ہے، یہ رسالہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن شاہین اور حافظ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے والدین کریمین کو ان کی قبروں میں زندہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی جو احادیث روایت کی ہیں ان کی سندوں پر جو موضوع اور مجہول ہونے کے اعتراضات ہوتے ہیں اس رسالہ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں اور اس حدیث کی ترجیح اور تقویت کی وجوہ بیان کی ہیں، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کی نجات کے متعلق متعدد رسائل تحریر کیے ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کے کیا مسالک ہیں اور ان مسالک پر ان کے کیا دلائل ہیں اور جو احادیث بظاہر اس کے خلاف ہیں ان کے کیا جوابات ہیں اور آپ کے والدین کے ایمان کو اختیار کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:۔

(1) اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین معاذ اللہ کافر کیا مشرک تھے تو اس سے رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوگا اور آپ کو ایذاء پہنچانا حرام ہے، قرآن مجید میں ہے:۔

ان الـذيـن يـؤذون الـلـه ورسوله لعنهم الله
فی الدنیا والاخرة واعدلهم عذابا مهينا۔ (٦٠)

''بے شک جولوگ اللہ کواوراس کے رسول کوایذاء پہنچاتے ہیں،
ان پراللہ دنیااورآخرت میں لعنت کرتا ہےاوراس نے ان کے لئے درد
ناک عذاب تیارکررکھا ہے۔''

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی سے کسی نے پوچھا جوشخص یہ کہے کہ آپ کے آباء دوزخ میں ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا وہ شخص ملعون ہے اور مذکور الصدر آیت سے استدلال کیا، اور قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے کاتب نے آپ کے والدین کو کافر کہا تو انہوں نے اس کومعزول کردیا۔

(2) جب یہ بیان کیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین مومن اور جنتی ہیں تو اس سے مومنین خوش ہوں گے، اور جس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہواس میں مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے قول کوترک کر کے دوسرے امام کے قول پرعمل کریں، جیسے فقہاء احناف مفقود الخبر کے مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، حالانکہ وہ صرف اپنی سہولت کے لئے ایسا کرتے ہیں تو وہ شخص ان علماء کومعتقد ہو جو والدین کریمین کے ایمان کے قائل نہیں ہیں تو ان کے لئے زیادہ لائق ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ان علماء کی پیروی کریں جو والدین کریمین کے ایمان کے قائل ہیں کیونکہ اول الذکر صورت میں وہ اپنے نفس کی سہولت کے لئے دوسرے آئمہ کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے اور ثانی الذکر صورت میں وہ نبی ﷺ کے والدین کی تعظیم اور آپ کی فرحت اور سرور کے لئے دوسرے علماء کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے، اوراس میں آپ کے شرف اورآپ کے معجزہ اور آپ کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے۔اورآپ کے والدین کے ایمان کو ماننے میں کوئی نقصان نہیں ہے، اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے اور نہ کسی کے ذمہ کوئی چیز واجب ہوتی ہے، اس کے برخلاف جب وہ آپ کے والدین کے کفر کا قائل ہوگا تو اس میں آپ کے والدین کے اہانت ہےاورآپ کوایذاء پہنچانا ہے۔

(3) رسول اللہ ﷺ کے والدین کے ایمان کو ماننا آپ کے تقرب کا ذریعہ ہے، آپ کی رضا اور آپ کی شفاعت کے حصول کا ذریعہ ہے، اوراس کے ثبوت کے دلائل کوتلاش کرنے کی مشقت اجر عظیم

کے حصول کا سبب ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی سند کی تحقیق

حافظ ابن شاہین نے آپ کی والدہ کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث اس سند کے ساتھ روایت کی ہے:۔

محمد بن الحسن بن زیاد، ابوعروہ محمد بن یحییٰ الزھری، عبدالوھاب بن موسیٰ الزھری، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، ہشام بن عروہ از عروہ از عائشہ۔(٦١)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ النقاش غیر ثقہ ہے اور محمد بن یحییٰ مجہول ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے محمد بن یحییٰ کا میزان اور المغنی کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ کے متعلق امام دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے اور الازدی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے، پس وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا موضوع کے تحت درج کرنا صحیح نہیں ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں امام ابن جوزی کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا محمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ معروف ہے، تاریخ مصر میں اس کا عمدہ ذکر ہے، اس میں مذکور ہے کہ محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن عوف ابوعبداللہ ہے، اس کا لقب ابوغزیہ ہے وہ مدنی ہے اور مصر میں آ کر رہنے لگا، اور وہ اس کی کنیتیں ہیں، اس سے اسحاق بن ابراہیم الکباسی اور زکریا بن یحییٰ البغوی اور سہل بن سوادۃ الغافقی اور محمد بن عبداللہ بن حکیم اور محمد بن فیروز نے روایت کی ہے اور وہ دس محرم 285ھ میں فوت ہو گیا۔

اور رہا محمد بن یحییٰ اگر یہ نقاش ہے جیسا کہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے تو یہ قرأت کے علماء اور ائمہ تفسیر میں سے ہے امام ذہبی نے کہا وہ اپنے زمانہ میں قراء کا استاذ تھا اور ضعف کے باوجود اس کی تعریف کی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے روایت کی تعدیل میں طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں موضوع نہیں ہیں اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے پھر امام جلال الدین سیوطی نے بہت سی ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کو ابن الجوزی نے موضوع کہا ہے اور وہ واقع میں صحیح، حسن یا ضعیف ہیں۔

(رسالہ نمبر۶) الدرج المنیفه فی الاباء الشریفه کا خلاصہ

اس موضوع پر یہ چھٹا رسالہ ہے اور یہ رسالہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں احادیث اور آثار کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین آخرت میں نجات یافتہ ہیں اور اس کے تین طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور انہوں نے آپ کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور آپ اصحاب فترت سے ہیں پھر قرآن اور حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اصحاب فترت غیر معذب ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ محبّ طبری نے کتاب ذخائر العقبیٰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت ابی لہب نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی یارسول اللہ ﷺ! لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ کی لکڑیوں کے گٹھے والے کی بیٹی ہو، اس سے آپ ناراض ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے قرابت داروں کو اذیت پہنچاتے ہیں، جس نے میرے قرابت داروں کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور اس طرح کے آثار بہت ہیں۔

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین ملت ابراہیم پر ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی کے ان تمام رسائل میں احادیث، آثار اور دلائل کا تکرار بہت زیادہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے بت پرستی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھنا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اس دعا میں کیوں داخل نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ مکہ میں پیدا ہونے والی اولاد کے لئے یہ دعا کی تھی، (اس روایت کا یہ جملہ محل اشکال ہے) اور حضرت عبدالمطلب میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے متعلق احسن قول یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، شھرستانی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں نبی ﷺ کے کچھ

نور کا ظہور ہوا تھا، اور اس نور کی برکت سے ان کو اپنے بیٹے کی نذر الہام کی گئی تھی اور اسی نور کی برکت سے انہوں نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس بیت کا رب ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو برے کاموں سے منع کرتے تھے اور نیک کاموں کا حکم دیتے تھے، وہ اپنی وصیت میں یہ کہتے تھے کہ دنیا سے کوئی ظالم اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ اس سے اس کے ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے، ان سے کہا گیا کہ کئی ظالم ظلم کا بدلہ لیے جانے سے پہلے دنیا سے چلے جاتے ہیں تو انہوں نے سوچ کر کہا اللہ کی قسم! اس جہان کے بعد ایک اور جہان ہے جہاں نیک شخص کو اس کی نیکیوں کی جزا دی جائے گی اور برے شخص کو اس کی برائیوں پر سزا دی جائے گی، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ان کو اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچا تھا، کیونکہ اگر ان تک صحیح دین پہنچا ہوتا تو وہ بغیر غور و فکر کیے ہوئے جنت اور دوزخ کی خبر اور رسولوں کا پیغام پہنچا دیتے، حضرت عبدالمطلب کے متعلق ایک قول ابن سید الناس کا ہے ان کی سیرت میں ہے کہ ان کو بھی زندہ کیا گیا اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے لیکن اس قول کو صرف شیعہ نے اختیار کیا ہے۔ امام رازی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب ملت ابراہیم پر تھے۔ (۶۲)

(رسالہ نمبر ۷) التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول الله فی الجنة کا خلاصہ

والدین کریمین کو قبر میں زندہ کرنے کے متعلق پہلی حدیث

اس موضوع پر یہ امام جلال الدین سیوطی کا ساتواں رسالہ ہے اور اس کے **49** صفحات ہیں۔ اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین جنت میں ہیں، اس رسالہ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر بحث اس حدیث سے کی ہے جس کو امام ابن شاہین نے ان دو حدیثوں کے لئے ناسخ قرار دیا ہے جو بظاہر رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان لانے کے خلاف ہیں۔ پہلے امام ابن شاہین کی ذکر کردہ منسوخ اور ناسخ احادیث کو بیان کریں گے پھر اس کے بعد باقی ابحاث کا ذکر کریں گے۔

امام ابن شاہین اپنی پوری سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو آپ ایک قبر کے پاس آ کر بیٹھ گئے لوگ بھی آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے پھر آپ روتے ہوئے کھڑے ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں میں سب سے زیادہ جرأت

والے تھے انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ کو کس چیز نے رلایا، آپ نے فرمایا یہ میری والدہ کی قبر ہے، میں نے رب عزوجل سے اس کی زیارت کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت دی گئی، پھر میں نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی پس اپنی والدہ کو یاد کر کے رو رہا ہوں اور اس دن سے زیادہ آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔(۶۳)

نیز امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ملیکہ کے دو بیٹے آئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ! ہماری والدہ مہمانوں کی ضیافت کرتی تھیں اور وہ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئی تھیں سو ہماری والدہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری والدہ دوزخ میں ہے، وہ کھڑے ہو گئے اور ان کو اس خبر سے بہت رنج ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو بلایا پھر فرمایا سنو! میری ماں بھی تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے، ایک منافق نے کہا جس طرح ملیکہ کے دونوں بیٹے اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے یہ بھی اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے، پھر انصار کے ایک جوان نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آپ کے والدین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تا کہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا۔ ابن شاہین نے کہا یہ حدیث، حدیث سابق کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں والدہ کے لئے استغفار کی اجازت کے سوال کا ذکر ہے اور اس میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوال نہیں کیا۔(۶۴)

پھر امام ابن شاہین نے ان دونوں حدیثوں کی ناسخ حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:۔

حدثنا محمد بن الحسن بن زیاد نا احمد بن یحیٰی نا ابو عروہ محمد بن یحیٰی الزہری نا عبدالوھاب بن موسیٰ الزہری از عبدالرحمان بن ابی الزناد از ھشام بن عروہ از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ مقام حجون پر افسردہ اور غمزدہ اترے، جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے، میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آپ مقام حجون پر غمزدہ اترے تھے پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔(۶۵)

اس حدیث کے متن پر علامہ ابن الجوزی کے اعتراضات اوران کے جوابات

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

بے شک یہ حدیث موضوع ہے اور جس شخص نے اس حدیث کو وضع کیا ہے وہ بہت کم فہم اور بے علم ہے، کیونکہ اگر اس کو علم ہوتا تو وہ جان لیتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں مرگیا اس کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا بلکہ اگر وہ موت کے وقت عذاب کو دیکھ لے پھر بھی اس کو ایمان نفع نہیں دیتا، اور اس حدیث کو رد کرنے کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے۔

ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاوليك حبطت اعمالهم في الدنيا والاخرة والئك اصحب النار هم فيها خلدون۔ (٦٦)

''تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ کفر کی حالت میں مر جائے تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں اور وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔''

(علامہ ابن جوزی کا اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ والدین کریمین مرتد تھے نہ کافر، ان سے کفر اور شرک بالکل ثابت نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے وہ ملت ابراہیم پر تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اصحاب فترت تھے اور اصحاب فترت غیر معذب ہیں، اس کے بعد علامہ ابن الجوزی اس حدیث کے رد پر دوسری دلیل لکھتے ہیں: یہ حدیث، اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لئے استغفار کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی، علامہ قرطبی نے اس کے جواب میں فرمایا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ استغفار سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے، اور رہا یہ کہ موت کے بعد ایمان لانا غیر مفید ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی:۔

ان الذين كفروا وماتوا وهم كفار اوليك عليهم لعنة الله والملئكة والناس

اجمعین۔ خلدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون۔ (٦٧)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔''

اس کے باوجود صحیح حدیث میں ہے کہ موت کے بعد ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی گئی۔ (٦٨)

اسی طرح ابو طالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی۔ (٦٩)

سو جس طرح آپ کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی اسی طرح آپ کے والدین کریمین کو موت کے بعد زندہ کر کے انہیں آپ کے اوپر ایمان لانے کے ساتھ مشرف کیا گیا، جب کہ ابولہب اور ابو طالب کی بنسبت آپ کے والدین کریمین کی آپ کے ساتھ قرابت بہت زیادہ ہے۔

<u>اس کے بعد علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیے ہیں</u>

محمد بن حسن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے، اور احمد بن یحییٰ اور محمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں اور ہمارے شیخ ابو الفضل بن ناصر نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ ﷺ کی والدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام الابواء میں فوت ہوئیں تھیں اور وہیں پر دفن ہوئی ہیں اور ان کی قبر مقام حجون میں نہیں ہے۔ (٧٠)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

میں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب موحدہ تھیں اور وہ ملت ابراہیم خلیل اللہ پر تھیں، اور انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی طرح دوسرے لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی تھی، اور ان کو زندہ کرنے کے متعلق جو حدیث ہے وہ موضوع نہیں ہے جیسا کہ بعض حفاظ کا ادعا ہے۔

<u>محمد بن حسن بن زیاد نقاش پر ابن جوزی کی جرح کا جواب حافظ ذہبی سے</u>

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی لکھتے ہیں:

محمد بن حسن بن محمد بن زیاد، ابوبکر نقاش، استاذ القراء اور مفسر ہیں، وہ ضعیف راوی ہیں، ابوعمر الدانی نے ان کی تحسین کی ہے برقانی نے کہا ان کی حدیث منکر ہے۔(۷۱)

علامہ ذہبی نے محمد بن حسن بن محمد بن زیاد کو ضعیف راوی کہا ہے، وضاع نہیں کہا اور نہ ہی اس کی روایت کو موضوع کہا ہے انہوں نے کہا ان کی روایت منکر ہے۔ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جو حدیث صحیح کے خلاف ہو۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر مقام ابواء میں ہے اور اس حدیث میں ہے کہ ان کی قبر مقام حجون میں ہے۔ سو یہ روایت حدیث صحیح کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر قرار پائی اور حدیث منکر ضعیف کی اقسام میں سے ہے، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں ہے اور حدیث ضعیف فضائل اور مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔

محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ پر جرح کا جواب حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی سے

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی لکھتے ہیں:

محمد بن یحییٰ ابوغزیہ المدنی موسیٰ بن وردان سے روایت کرتے ہیں، الدارقطنی نے کہا یہ متروک ہیں اور الازدی نے کہا ضعیف ہیں۔(۷۲)

علامہ ذہبی نے یہی لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ ضعیف راوی ہیں، اور ہم نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کے متعلق یہی کچھ لکھا ہے۔(۷۳)

علامہ ابن جوزی نے لکھا یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہے محمد بن یحییٰ تو وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ وہ معروف ہیں، ابوسعید بن یونس نے تاریخ مصر میں ان کا عمدہ تذکرہ لکھا ہے، امام دارقطنی نے ان پر وضع کی تہمت لگائی ہے اور وہ ابوغزیہ محمد بن یحییٰ الزہری ہیں، اور رہے احمد بن یحییٰ تو اس سند کے سب سے قریب احمد بن یحییٰ بن زکیر ہیں اور وہ مصری ہیں۔ اور ابن جوزی نے اپنے شیخ محمد بن ناصر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کیونکہ حضرت آمنہ کی قبر ابواء میں ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے اور اس ابوغزیہ نے یہ کہا کہ وہ الحجون میں ہے، اور مجھے ابوغزیہ کی اس

حدیث کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک اور شاہد ملا ہے۔(۷۴)

حافظ عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا علامہ ابن جوزی کا محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے وہ معروف ہیں اور ابن جوزی اور ان کے استاذ محمد بن ناصر کا اس حدیث کو موضوع کہنا غلط ہے یہ حدیث ضعیف ہے اور فضائل میں معتبر ہے، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

الحسین بن علی بن محمد بن اسحاق المجلسی ، حدثنا ابو طالب ، عمر بن الربیع الخشاب حدثنا علی بن ایوب الکعبی حدثنا محمد بن یحییٰ الزھری ابو غزیہ حدثنی مالک عن ابی الزناد عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ. امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔(۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث امام ابن شاہین کی سند سے مروی نہیں ہے، امام ابن عساکر کی سند سے بھی مروی ہے اور امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور منکر ضعیف کی اقسام سے ہے اور اس کی سند کا ضعیف ہونا ہمیں مضر نہیں ہے، اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث میں حفاظ حدیث کا اختلاف

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کے متعلق جو حدیث ہے بعض ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور بعض ائمہ نے اس کو فقط ضعیف کہا ہے جن ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے ان میں امام دارقطنی، امام جوزقانی، امام ابن ناصر، علامہ ابن جوزی اور علامہ ابن دحیہ ہیں، اور جن حفاظ حدیث نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث فقط ضعیف ہے اور موضوع نہیں ہے ان میں حافظ ابن شاہین، خطیب بغدادی، حافظ ابن عساکر، علامہ سہیلی، علامہ عبداللہ قرطبی، ان کے استاذ علامہ ابو العباس قرطبی، محبّ طبری، ابن سید الناس، علامہ ابی مالکی، علامہ سنوسی مالکی وغیرہم ہیں، امام ابن شاہین نے اس حدیث کو اس حدیث کے لئے ناسخ قرار دیا ہے جس میں حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی اجازت

دی ہے اوران کے لئے استغفار سے منع کیا ہے، اگران کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہوتی تو وہ اس سے منسوخ ہونے پر استدلال نہ کرتے اور جن وجوہات کی بنا پر بعض حفاظ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے جب ہم نے ان پر غور کیا تو وہ تمام وجوہ غیرموثر ثابت ہوئیں۔اس مسئلہ میں متاخرین میں سے حافظ شمس الدین بن ناصرالدین محدث دمشق نے بھی میری موافقت کی ہے انہوں نے اپنی کتاب **مورد الصادی فی مولد الھادی** میں یہ اشعار لکھے ہیں۔(ان اشعار کا اردو میں خلاصہ یہ ہے:) اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر فضل بلائے فضل کی بنا پر آپ کو حیات عطا کی ،اورآپ کی والدہ اورآپ کے والد کو ایمان لانے کے لئے زندہ کیا، پس وہ زندہ کیے جانے کے بعد آپ پر ایمان لائے اوراللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے ہر چند کہ اس مسئلہ کے اثبات میں حدیث ضعیف ہے۔(۷۶)

اصحاب کہف کو زندہ کیے جانے سے والدین کریمین کو زندہ کیے جانے پر استدلال

امام ابن شاہین کی روایت ہے کہ آپ نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے۔اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث والدین کریمین کو زندہ کیے جانے اوران کے ایمان لانے کے خلاف ہے۔حافظ سیوطی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آپ کے والدین کے زندہ کیے جانے اوران کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے، نیز اس حدیث میں ہے کہ جب آپ سے ایک انصاری نے پوچھا کہ آپ کے والدین کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تاکہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا،اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ جب آپ اپنے رب سے اپنے والدین کی مغفرت کے متعلق سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ جواب عطا فرمائے گا،اوراس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اصحاب کے نزدیک آپ کے والدین کی مغفرت ممکن تھی اورآپ کی خصوصیات میں سے تھے جبھی تو انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آپ ابوطالب کے متعلق کیا امید رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اپنے رب سے ہر خیر کی توقع رکھتا ہوں۔(۷۷)

جب آپ کی ابو طالب کے متعلق یہ توقع تھی حالانکہ اس نے آپ کی نبوت کا زمانہ پایا اور آپ نے اس پر اسلام کو پیش کیا اور اس نے انکار کر دیا تو آپ کے والدین جنہوں نے آپ کے زمانہ نبوت کو نہیں پایا ان کے متعلق آپ کا ان کی مغفرت کی دعا کرنا زیادہ متوقع ہے۔(۷۸)

والدین کریمین کو زندہ کیے جانے اور اس کے خلاف احادیث میں تطبیق

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والدین کریمین کے ایمان لانے پر مجھے واضح دلیل یہ ملی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحاب الکہف امام مہدی کے مددگار رہوں گے، امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اصحاب کہف اپنی موت کے بعد پھر زندہ کیے جائیں گے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لئے ایک عمر لکھ دی ہو پھر ان کی عمر پوری ہونے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا ہو پھر ان کو وفات کے بعد زندہ کر کے بقیہ زندگی عطا فرمائی ہے اور وہ اس زندگی میں آپ پر ایمان لے آئے ہوں پھر ان کی زندگی پوری ہونے کے بعد پھر ان پر وفات طاری کر دی ہو جیسا کہ اصحاب کہف کے ساتھ ہوا اور دو موتوں کے درمیان جوان کو حیات عطا فرمائی یہ نبی ﷺ کی خصوصیت کی وجہ سے ہو۔

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب، اور حضرت آمنہ بنت وہب، نبی ﷺ کے والدین کریمین اسلام لائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے، اور آپ کے جد کریم حضرت عبدالمطلب کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے، اور یہ امام احمد کی اس روایت کے خلاف ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے، پھر جب اس نے پوچھا آپ کے گزرے ہوئے گھر والے کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہو، ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تدریجاً کمالات اور فضائل عطا کیے جاتے تھے، ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ کے والدین کو یہ مقام حاصل نہ ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کر کے یہ مقام عطا فرمایا ہو۔ (تاہم صحیح یہ ہے کہ آپ کے والدین غیر معذب تھے کیونکہ وہ اہل فترت میں سے تھے۔)(۷۹)

حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے پر دلیل

حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ام سلمہ بنت رہم کی ماں سے روایت کیا ہے کہ جس بیماری

میں رسول اللہ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ فوت ہوئیں اوراس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر پانچ سال تھی ،تو حضرت آمنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھ کر چند اشعار کہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

فانت مبعوث الی الانام   من عند ذی الجلال والاکرام

آپ لوگوں کی طرف مبعوث ہونے والے ہیں۔رب ذوالجلال والاکرام کی جانب سے۔

دین ابیك ابراهام   فالله انهاك عن الاصنام

اپنے نیک باپ ابراہیم کے دین پر ہیں۔پس اللہ نے آپ کو بت پرستی سے منع کیا ہے۔ (۸۰)

جب حضرت آمنہ مومنہ تھیں تو آپ کو ان کے لئے استغفار کی اجازت کیوں نہیں ملی اور آپ نے ان کو دوزخی کیوں فرمایا:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے لئے استغفار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد پہلے کا واقعہ ہے جب آپ کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ آپ کے والدین اہل جنت سے ہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ آپ نے پہلے تبع کے متعلق فرمایا تھا میں نہیں جانتا وہ مومن تھا یا نہیں۔(۸۱)

پھر اس کے متعلق فرمایا تبع کو برا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔(۸۲)

آپ نے ان کے متعلق پہلے سوال نہیں کیا تھا اور جاہلیت کے لوگوں کے متعلق عام قاعدہ ہے کہ وہ دوزخی ہیں اس اعتبار سے آپ نے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے اور بعد میں آپ کو بذریعہ وحی ان کے جنتی ہونے کے متعلق بتایا گیا، اور آپ کو آپ کی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس سے ان کا کفر لازم آتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے جو مسلمان مقروض مر جاتے تھے آپ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے کیونکہ آپ کے استغفار کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فی الفور مغفرت ہو جائے اور مقروض کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے اس طرح آپ کی والدہ کو بھی برزخ میں جنت سے روک لیا گیا تھا، اس کی وجہ کفر کے علاوہ دوسرے امور تھے اس وجہ سے آپ کو پہلے ان کے لئے استغفار کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ بعد میں آپ کو ان کے لئے استغفار کی

اجازت دے دی، اوران دونوں حدیثوں کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت آمنہ موحدہ تھیں، لیکن ابھی تک ان کو قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا علم نہیں تھا اور نہ اس پر ایمان تھا، یہ اسلام کا بہت بڑا اصول ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا حتیٰ کہ وہ قیامت اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے تمام اصول اور مبادی پر ایمان لائیں، اس لئے ان کے زندہ کرنے کے معاملہ کو حجۃ الوداع تک مؤخر کیا گیا حتیٰ کہ شریعت مکمل ہوگئی اور یہ آیت نازل ہوگئی: **الیوم اکملت لکم دینکم**، پھر حضرت آمنہ کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ کی مکمل شریعت پر ایمان لائے۔(۸۳)

تمام انبیاء کی امہات کے ایمان سے حضرت آمنہ کے ایمان پر استدلال

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امہات پر غور کیا تو وہ سب مومنات ہیں تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کی والدہ بھی مومنہ ہوں اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور وہ نص قرآن سے صدیقہ ہے۔

وامه صدیقة۔(۸۴) ''اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں صدیقہ ہیں۔''

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ ان کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے فرشتوں نے ان سے کہا:۔

اتعجبین من امر اللـه رحـمت الله وبرکته علیکم اهل بیت۔(۸۵)

''کیا آپ اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہے ہیں اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔''

اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی ماں کا بھی قرآن مجید میں ذکر آیا ہے:۔

واوحینا الی ام موسیٰ۔(۸۶)

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔''

حضرت شیث علیہ السلام کی ماں حضرت حواء ام البشر ہیں اور احادیث اور آثار میں وارد ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ مومنہ تھیں۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی

اولاد کی ماں مومنہ تھیں، اور حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت شمویل، حضرت شمعون، حضرت ذوالکفل علیہم السلام کی والدہ مومنہ تھیں اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی والدہ مومنہ تھیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے دعا کی۔

رب اغفرلی ولوالدی ۔(۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک ان کے آباء واجداد میں سے کسی نے کفر نہیں کیا۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دس کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل سے تھے، حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، اور حضرت محمد علیہم السلام، ان سب کے آباء واجداد مومن تھے ان میں سے کوئی کافر نہیں تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا پس جس نے ان کے ساتھ کفر کیا اس نے کفر کیا۔(۸۸)

پس بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کی مائیں مومنات ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد امتوں میں سے کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا، اور رہے دس انبیاء تو حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی ماں کا ایمان ثابت ہے، اور حضرت نوح اور حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی ماؤں کا ذکر رہ گیا اور ان کے ایمان کا ثبوت کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی مومنات ہیں، اور جب سب انبیاء علیہم السلام کی مائیں مومن ہیں تو سید الانبیاء افضل الانبیاء علیہ السلام کی ماں مومنہ کیوں نہیں ہوں گی۔(۸۹)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف سے حضرت آمنہ کے غیر معذب ہونے پر استدلال

علامہ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ مرنے کے بعد ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا تو اس نے کہا میں نے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں دیکھی سوائے اس کے، کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔(۹۰)

اور ثوبیہ ابولہب کی باندی تھی، ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا اور اس نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور اس وجہ سے ابولہب کو دوزخ کے عذاب سے تخفیف ملی اور اس کی انگلی سے اس کو پلایا گیا، حالانکہ وہ نبی ﷺ سے شدید عداوت رکھتا تھا، اور آپ کو اس سے سخت تکلیفیں پہنچیں ہیں اور اس کے عذاب سے صرف اسی وجہ سے تخفیف کی گئی کہ اس نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا تو تمہارا اس خاتون کے متعلق کیا گمان ہے جنہوں نے نو مہینے آپ کو پیٹ میں رکھا، کئی دنوں تک اپنا دودھ پلایا اور کئی سال آپ کی پرورش کی اور وہ آپ کی ماں تھیں۔(۹۱)

ابوین کریمین کے غیر معذب ہونے کا اطفال مشرکین کے ایمان سے استدلال

امام ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء واجداد کے ساتھ ہوں گے، پھر میں نے آپ سے اس کے بعد سوال کیا آپ نے فرمایا اللہ ہی کو علم ہے وہ کیسے اعمال کرنے والے تھے، پھر میں نے اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

ولا تزر وازرة وزر اخریٰ۔(۹۲)

''کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

آپ نے فرمایا وہ فطرت (اسلام) پر ہیں اور وہ جنت میں ہیں۔(۹۳)

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے بچوں کے متعلق پہلے آپ نے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں اس کے بعد جب فرمایا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور وہ جنتی ہیں۔تو اس سے وہ پہلی احادیث منسوخ ہو گئیں، اس طرح والدین کریمین کے متعلق جو پہلے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں وہ حجۃ الوداع کے موقع پر انہیں زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث سے منسوخ ہو گئیں۔(۹۴)

اطفال مشرکین کے متعلق مزید احادیث یہ ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو دوزخ میں ان کی چیخ و پکار سناؤں۔(۹۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے

متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ وہ کیا کرنے والے تھے۔(۹۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مومنین کی اولاد کہاں ہوگی؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء واجداد کے ساتھ ہوں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بلا عمل؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے، وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اور مشرکین کی اولاد! فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کیا کرنے والے تھے۔(۹۷)

الاسود بن سریع بیان کرتے ہیں آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! جنت میں کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نبی جنت میں ہوں گے اور شہید جنت میں ہوں گے اور بچے جنت میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے اور جس کو زندہ درگور کیا گیا وہ جنت میں ہوگا۔(۹۸)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے خواب اور اس کی تعبیر کی سلسلہ میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے وہ طویل شخص جو باغ میں تھا وہ حضرت ابراہیم تھے، اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرت پر پیدا ہوئے تھے آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی۔(۹۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین کے بچے جنت میں ہوں گے، اور وہ احادیث جو اس کے خلاف ہیں وہ اس سے پہلے کی ہیں اور وہ اس حدیث سے منسوخ ہو گئیں۔

زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر قائم رہنے والے دوسرے لوگ

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام بزار نے اور امام حاکم نے سند کی صحت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ورقہ بن نوفل کو برا نہ کہو، کیونکہ میں نے اس کے لئے ایک جنت یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔(۱۰۰)

امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق سوال کیا، آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ زمانہ جاہلیت میں قبلہ کی طرف منہ کرتا تھا، اور کہتا تھا میرا دین ابراہیم کا دین ہے اور میرا خدا ابراہیم کا خدا ہے اور سجدہ کرتا تھا تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا اس ایک امت میں حشر کیا جائے گا جو میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان ہے۔(۱۰۱)

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قس بن ساعدہ عکاظ کے بازار میں اپنی قوم کو خطبہ دے رہے تھے انہوں نے اپنے خطبہ میں مکہ کی طرف اشارہ کر کے کہا اس طرف سے تمہارے پاس حق آئے گا، اور لوی بن غالب کے نسب سے ایک شخص ہوگا جو تمہیں کلمہ اخلاص اور ابدی نجات اور نعمتوں کی دعوت دے گا، تم اس کی دعوت کو قبول کرنا اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے پر سبقت کرتا۔

امام ابونعیم نے عمرو بن عبسہ سلمہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ میری قوم باطل پر ہے اور وہ پتھروں کی عبادت کرتے ہیں۔

امام خرائطی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ اوس بن حارثہ دعوت حق اور نبی ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہیں، اور انہوں نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی۔

حضرت غالب ابن ایجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا اللہ قس پر رحم فرمائے۔(۱۰۲)

نیز آپ نے فرمایا وہ ہمارے باپ اسماعیل بن ابراہیم کے دین پر تھے۔ یہ سب لوگ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر تھے اور موحد تھے اور یہ سب غیر معذب اور جنتی ہیں اور نبی ﷺ کے والدین کریمین بھی اس طرح ہیں۔(۱۰۳)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات میں جو سات رسائل لکھے ہیں ان کی تلخیص بیان کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے رسول اور نبی بھیجے وہ ہر لحاظ سے کامل و افضل اور مقام و مرتبے کے حوالے سے بے نظیر و یکتا تھے۔ کسی دنیادار کو ان کی شخصیت اور سیرت پر انگلی اٹھانے اور عیب جوئی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دیکھ لیتے تھے کہ جس نے دعوائے نبوت و رسالت کیا ہے۔ وہ حسب و نسب کے لحاظ سے معزز اور معاشرتی منصب کے حوالے سے قابل تکریم ہے۔ اس میں کوئی ایسی خامی اور کمی نہیں جس پر گرفت کی جا سکے۔ یہ یکتا و بے مثل، عالی پایہ، بلند اخلاق، باکردار اور خوبصورت و خوب سیرت ہے جس کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد میں تمام امین نورِ نبوت مسلمان تھے اور موحد تھے۔

دور حاضر کے مجدد الشاہ احمد رضا خاں کے دلائل

قرآن وحدیث میں متعدد نصوص موجود ہیں جن میں اشارۃ النص کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ نبوت کے سلسلہ نسب میں تمام ہستیاں ساجد و عابد رہی ہیں ان کے کردار و عمل میں کوئی کجی اور ان کی ذات میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں تھی۔ نور نبوت کی امین یہ پاکباز ہستیاں جائز و حلال طریقہ سے اور شریعت خداوندی کے مطابق نور محمدی کی امانت ایک دوسرے کو منتقل کرتی رہی ہیں۔ اور یہ ہستیاں روئے زمین کے تمام لوگوں سے افضل اور اعلی و برتر تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ولعبد مؤمن خیر من مشرک . (۱۱۳) ''بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

بعثت من خیر قرون بنیٰ آدم قرنا فقرنا حتی کنت فی القرن الذی کنت فیه . (۱۱۴)

میں بنی نوع انسان میں قرنا بعد قرن بہترین زمانوں میں مبعوث ہوتا رہا یہاں تک کہ اس زمانے میں میری بعثت ہوئی۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اس حدیث صحیح میں ہے۔

لم یزل علی وجه الدهر (الارض) سبعة مسلمین فصاعدا فلو لا ذالک هلکت الارض ومن علیها. (۱۱۵)

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں ایسا نہ ہوتا تو زمین واہل زمین سب ہلاک ہوجاتے۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث صحیح میں ہے۔

ما خلت الارض من سبعة یدفع الله بهم عن اهل الارض . (۱۱۶)

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کے سبب

اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب رفع فرماتا رہا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ ہر قرن وطبقہ میں روئے زمین پر کم سے کم سات مسلمان بندگان مقبول ضرورر ہے ہیں اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانہ ہر قرن میں اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے اور آیت قرآنیہ سے واضح ہے کہ کوئی کافر اگر چہ کیسا ہی شریف النسب ہو کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ ﷺ کے آباء وامہات ہر قرن وطبقہ میں انہیں بندگان صالح ومقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ کے مخالف ہوگا۔

یہ دلیل خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ نے بیان فرمائی۔

والمعنى ان الكافر لا يستائل شرعا ان يطلق عليه انه من خيار القرن لا سيما وهناک مسلمون صالحون وان لم ير الخريته الا بحسب النسب فافهم .(۱۱۷)

کافر کے ساتھ شرعاً تخفیف نہیں ہوگی اگر چہ اسے خیر قرن میں مطلق رکھا گیا ہے اور یہاں صالح مسلمان ہیں۔اور بہتر ہونا نسب کے اعتبار سے ہی سمجھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما المشركون نجس .(۱۱۸) ''کافر تو ناپاک ہی ہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے۔حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں۔

لم يزل الله ينقلنى من الاصلاب الطيبه الطاهرة مصطفى مهذبا لا ينشعب شعبتان الا كنت فى خيرهما

ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے منتخب مہذب پاکیزہ پشتوں میں نقل فرماتا رہا۔(صاف ستھرا آراستہ) ہر دور میں جب دو شاخیں پیدا ہوئیں میں ان میں بہتر قبیلہ (شاخ) میں تھا۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات . (۱۱۹)

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔

دوسری حدیث میں آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔

لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ والارحام الطاھرۃ حتی اخرجنی من بین ابوی .(۱۲۰)

ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے مبارک پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔

سوضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے آبائے کرام طاہرین وامہات کرائم طاہرات سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ قرآن کی رو سے کسی کافرو کافرہ کے لئے کرم وطہارت سے حصہ نہیں ۔ یہ دلیل امام فخر الدین رازی نے بیان فرمائی اور امام جلال الدین سیوطی، امام ابن حجر مکی وعلامہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرھم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی ہے۔

مزید ایک مقام پر ارشاد باری تعالٰی ہے۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ۔(۱۲۲)

البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہوجائے گا۔

اللہ اکبر بارگاہ عزت میں مصطفٰے ﷺ کی عزت ووجاہت ومحبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا۔

سنرضیک فی امتک ولا نسؤک بہ .(۱۲۳)

قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کردیں گے اور تیرا دل برا نہ کریں گے۔

اس عطاء رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا ہے کہ صحیح حدیث میں حضور سید دوعالم ﷺ نے ابو طالب کی نسبت فرمایا۔

وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح .(۱۲۴)

میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کردیا۔

دوسری روایت صحیح میں فرمایا۔

ولو لا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار .(۱۲۵)

اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

اسی طرح ایک اور حدیث صحیح میں فرماتے ہیں۔

اھون اھل النار عذابا ۔(۱۲۶)

دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابوطالب کو وہ نسبت حاصل نہیں پھر ان کا عذر بھی واضح کہ انہیں دعوت پہنچی نہ انہوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضروری تھا کہ ان پر ابوطالب سے بھی کم عذاب ہوتا لہذا ثابت ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت میں سے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔اب ہم پوچھتے ہیں ابوطالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے آیا حضور اقدس ﷺ کی یاری وغمخواری اور پاسداری و خدمت گزاری کے باعث یا اس لئے کہ سید المحبوبین ﷺ کو ان سے محبت طبعی تھی اور حضور کو ان کی رعایت منظور تھی۔حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔

عم الرجل صنو ابیه.(۱۲۷) آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا .(۱۲۸)

اور ہم ان کے (کافروں کے) ان اعمال کی جانب جو انہوں نے کئے تھے متوجہ ہوں گے اور ان اعمال کو ایسا کر دیں گے جیسے اڑتا ہوا غبار۔

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں۔چنانچہ ثابت ہوا کہ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف فقط اس وجہ سے ہے کہ حضور ﷺ طبعا ان کے ساتھ محبت کرتے تھے اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد ہے۔ابوطالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے سراپا آگ میں غرق پایا۔عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا پھر خود حضور ﷺ کا ارشاد کہ میں نے اسے

ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقہ زیریں میں ہوتا۔ بے شک یہ تخفیف صرف محبوب ﷺ کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر و باہر ہے اور یہ بات واضح ہے کہ محبوب ﷺ کے قلب اطہر پر ابو طالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہوسکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا معاملہ چنانچہ اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے اور ایک دوسری وجہ فرض کیجئے کہ یہ ابو طالب کے حق پرورش وخدمت ہی کا معاوضہ ہے پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہوسکتی ہے؟ کون سی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق حقِ والدین کے برابر ہوسکتا ہے جسے رب العزت نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا۔

ان اشکر لی و لوالدیک . (۱۲۹) حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

پھر ابو طالب نے جہاں برسوں خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں ہر چند حضور اقدس ﷺ نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھر معجزات دیکھنا احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا سبب بنا۔ بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انہیں دعوت دی گئی۔ نہ انکار کیا تو ہر وجہ ہر لحاظ ہر حیثیت سے یقیناً انہیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے تو ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور ہے کہ ابوین کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة اصحاب الجنة هم الفائزون . (۱۳۰)

''برابر نہیں دوزخ والے اور جنت والے، جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔''

حدیث میں ہے حضور پرنور سید المرسلین ﷺ نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ایک پاک طیبہ خاتون رضی اللہ عنہا کو آتے دیکھا جب پاس آئیں فرمایا۔

ما اخرجک من بیتک۔ ''اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں۔''

عرض کی۔ **اتیت اهل حذا المیت فترحمت علیهم وعزیتهم بمیتهم .**

''یہ جو ایک موت ہوگئی تھی میں ان کے ہاں تعزیت ودعائے رحمت کرنے گئی تھی۔''

فرمایا۔ **لعلک بلغت معهم الکدی .** ''شاید تو ان کے ساتھ قبرستان تک گئی۔''

عرض کی۔ **معاذ اللہ ان اکون بلغتھا و قد سمعتک تذکر فی ذالک ما تذکر .**

''خدا کی پناہ کہ میں وہاں تک جاتی حالانکہ حضور سے سن چکی جو کچھ اس باب میں ارشاد ہوا تھا۔''

سید دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ **بلغتھا ما رایت الجنۃ حتی یراھا جد ابیک .**

''اگر ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبد المطلب جنت کو نہ دیکھ لیتے۔''(۱۳۱)

یہ تو حدیث کا ارشاد ہے اب ذرا عقائد اہل سنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہ انصاف درکار ہے۔عورتوں کا قبرستان جانے کا اگر غایت درجہ ہے تو معصیت ہے اور ہرگز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کر سکتی اہل سنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگر چہ معاذ اللہ مواخذے کے بعد ہی ہو اور کافر کا جنت میں جانا محال شرعی کہ ابدالا باد تک کبھی ممکن ہی نہیں۔اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے اور بے ضرورت تاویل ناجائز ہے اور گناہ سے معصوم ہونا صرف خاصہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہے ان کے غیر سے اگر چہ کیسا ہی عظیم الدرجات ہو وقوع گناہ ممکن و متصور ہے۔یہ چاروں باتیں عقائد اہل سنت میں ثابت ہیں اب فرض کیا کہ اگر وہ عورت قبرستان چلی جاتی تو حدیث پاک کے مطابق اس وقت تک جنت کو نہ دیکھ سکتی جب تک حضرت عبد المطلب جنت کو نہ دیکھ لیتے لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عبد المطلب مسلمان اور اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ کافر کبھی جنتی نہیں ہو سکتا۔اب معنی حدیث بلا تکلف و بلا ضرورت تاویل و تصرف عقائد اہل سنت سے مطابق ہیں۔یعنی اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا۔بلکہ اس وقت جاتیں جبکہ عبد المطلب داخل بہشت ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وللہ العزۃ ولرسولہ و للمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون .(۱۳۲)

''عزت تو اللہ اور اسکے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔''

اور ارشاد فرمایا۔

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ و جعلنکم

شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقاکم ان الله علیم خبیر .(۱۳۳)

اے لوگو! ہم نے بنایا تمہیں ایک مرد اور عورت سے اور کیا تمہیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان آیات کریمہ میں رب العزت جل وعلا نے عزت وکرم کو مسلمانوں میں منحصر فرما دیا اور کافر کو خواہ وہ کتنا ہی قوم دار ہو لئیم و ذلیل ٹھہرا دیا اور کسی لئیم و ذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لئے باعث مدح نہیں لہذا کافر باپ دادوں کے نسب پر فخر کرنا حرام ہوا صحیح حدیث میں ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

من انتسب الی تسعة اباء کفار یرید بھم عزا و کرامة کان عاشرھم فی النار .(۱۳۴)

جو شخص عزت وکرامت چاہنے کو اپنی نو کافر پشتوں کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں (یعنی یہ شخص) ہوگا۔

اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے آبائے کرام و امہات کریمات کا ذکر فرمایا۔

روز حنین حسب ارادہ الٰہیہ تھوڑی دیر کے لئے کفار نے غلبہ پایا چند لوگ رکاب رسالت میں باقی رہے اللہ کے رسول ﷺ پر شان جلال طاری تھی۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب و حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما آپ کی سواری کی لگام مضبوطی سے کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے اور حضور ﷺ فرما رہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب .(۱۳۵)

میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔

اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا۔

انا ابن العواتک من بنی سلیم . (۱۳۶)

میں بنی سلیم سے ان بیبیوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔

ایک اور حدیث میں ہے بعض غزوات میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب انا ابن العواتک . (۱۳۷)

میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور ان بیبیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا۔

علامہ مناوی صاحب تیسیر و امام مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس و جوہری صاحب صحاح وصنعانی وغیرھم نے کہا نبی ﷺ کی جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ ابن بری نے کہا وہ بارہ بیبیاں عاتکہ نام کی تھیں۔ تین سلمیات یعنی قبیلہ بنی سلیم سے اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک ایک کنانیہ، اسدیہ، ہذلیہ، قضاعیہ اور ازدیہ۔ ابو عبداللہ عدوسی نے کہا وہ بیبیاں چودہ تھیں۔ تین قرشیات، چار سلمیات، دو عدوانیات اور ایک ایک ہذلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ، ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے۔ (۱۳۸)

حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مقام مدح و بیان فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کر کے فرمایا میں سب سے نسب میں افضل اور باپ میں افضل ہوں۔ تو بحکم نصوص مذکورہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے آباؤ امہات مسلمین و مسلمات ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انه لیس من اهلک انه عمل غیر صالح . (۱۳۹)

(اے نوح) یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو ناراستی کے کام آنے والا ہے۔

آیت کریمہ نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرما دیا لہٰذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

نحن بنو النضر بن کنانه لا منتفیٰ من ابینا . (۱۴۰)

ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔

تو حضور ﷺ کا اپنے آباؤ اجداد سے نسب قطع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے

آباؤ اجداد مسلمان مومن تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا اولئک ھم شر البریة . ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریة. (۱۴۱)

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ سارے جہاں سے بدتر ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہاں سے بہتر ہیں۔

ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

غفر اللہ عزوجل لزید بن عمر و رحمه فانه مات علی دین ابراھیم . (۱۴۲)

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم پر فوت ہوئے۔

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کی نسبت فرمایا۔

رایته فی الجنة یسحب ذیولا . (۱۴۳)

میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ وہ لوگ جو دین ابراہیمی پر ہیں وہ بھی جنتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فھر بن مالک بن النضر بن کنانه بن خزیمه بن مدرکه بن الیاس بن نزار بن سعد بن عدنان ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرھما فاخرت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عھد الجاھلیة و خرجت من نکاح و لم اخرج من لدن ادم حتی انتھیت الی ابی و امی

فانا خیرکم نفسا و خیرکم ابا و فی لفظ فانا خیرکم نسبا و خیرکم ابا ۔(۱۴۴)

میں ہوں محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ۔ اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا کبھی لوگ دوگروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں رکھا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاحِ صحیح سے پیدا ہوا۔آدم سے لے کر اپنے والدین تک میرا نفس کریم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں۔

اس حدیث میں اولانفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی یہ خود دلیل کافی ہے۔دوسرا نفی زنا صراحتا اس کے متصل مذکور ہے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں خالص نکاح سے پیدا ہوا اور پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں۔یہ تمام باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا نسب ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الله اعلم حیث یجعل رسالته . (۱۴۵)

''خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔''

آیت کریمہ شاہد ہے کہ رب العزت سب سے زیادہ معزز و محترم جگہ رسالت کے لئے منتخب فرماتا ہے لہذا کبھی کم قوموں،رذیلوں میں رسالت نہ رکھی پھر کفر و شرک سے زیادہ رذیل شے کیا ہوگی۔وہ کیونکر اس قابل ہو کہ اللہ عزوجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے۔کفار محل غضب ولعنت ہیں اور نور رسالت کے رکھنے کے لئے رضا و رحمت کی جگہ درکار ہے۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک بار خوف وخشیت کا غلبہ تھا گریہ وزاری فرما رہی تھیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی۔یا ام المؤمنین ! کیا آپ یہ گمان رکھتی

ہیں کہ رب العزت جل وعلانے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفےٰ کا جوڑا بنایا ام المؤمنین نے فرمایا۔

فرجت عنی فرج الله عنک .

''تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔''

خود حدیث میں ہے حضور سید یوم النشور ﷺ فرماتے ہیں۔

ان الله ابی لی ان اتزوج الا من اهل الجنة .(۱۴۶)

''بے شک اللہ عزوجل نے میرے لئے نہ پسند فرمایا کہ میرے نکاح میں اہل جنت کے علاوہ کوئی خاتون آئے۔''

جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کے لئے اس قدر پسند نہ فرمایا کہ آپ ﷺ کی کوئی زوجہ جہنمی ہو تو خود حبیب ﷺ کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں رکھنے یا حبیب ﷺ کا جسم (العیاذ باللہ) خون کفار سے بنانے کو پسند فرمانا کیونکر متوقع ہو۔

اہل توحید کی شفاعت

حدیث صحیح میں ہے جب حضور سید الشافعین ﷺ بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے جنت میں داخل فرماتے جائیں گے اخیر میں صرف وہ لوگ رہیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی نیکی نہیں ہوگی حضور ﷺ پھر سجدے میں گریں گے حکم ہوگا۔

یا محمد ارفع راسک وقل تسمع و سل تعطع واشفع تشفع .

اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ سید الشافعین ﷺ عرض کریں گے

یا رب ائذن لی فیمن قال لا اله الا الله .

اے رب! میرے مجھے ان کی بھی اجازت دے دے جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں گے۔

لیس ذالک لک ولکن و عزتی و جلالی و کبریائی و عظمتی لا خرجن منها من قال لا اله الا الله .

یہ تمہارے لئے نہیں مگر مجھے اپنی عزت وجلال و کبریا وعظمت کی قسم میں ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔(۱۴۷)

ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت تک وہ صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے بعد ازاں رب العزت جل جلالہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لئے اصحاب کہف رضی اللہ عنھم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ پر ایمان لاکر شرف صحابیت پاکر آرام فرمایالہذا الحکمت الٰہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجتہ الوداع میں واقع ہوا جبکہ قرآن عظیم پورا اتر چکا تھا اور **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا** نے نزول فرما کر دین الٰہی کو تام وکامل کر دیا تا کہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔حدیث احیاء کی غایت ضعیف ہے۔

حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے یعنی وہ حدیث ضعیف جس سے فضائل ثابت ہوں اسے قبول کرنا جائز ہے۔

ان اباء النبی ﷺ غیر الانبیاء و امهاته الی ادم و حواه لیس فیهم کافر لا یقال فی حقه انه مختار ولا کریم ولا طاهر بل نجس و قد صرحت الاحادیث بانهم مختارون وان الاباء کرام والامهات طاهرات. (۱۴۸)

نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں ان کے سوا حضور ﷺ کے جس قدر آباؤ امہات آدم وحواء علیہم السلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا سکتا اور حضور اقدس ﷺ کے آباء امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ تھے اور باپ سب کریم ہیں اور مائیں سب پاکیزہ ہیں۔

اللہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے

والذین یؤذون رسول الله لهم عذاب الیم . (۱۴۹)

''جولوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

عاقل کو چاہئے ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

احسن قول المتوقفين في هذه المسألة الحذر الحذر من ذكرهما . ينقص فان ذالک قد يؤذيه ﷺ بخبر الطبرانی لا تؤذوا الاحياء بسبب الاموات . (۱۵۰)

کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلہ میں توقف تھا کہ دیکھ بچ! والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم ﷺ کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔

یعنی حضور ﷺ تو زندہ ابدی ہیں۔ ہمارے تمام افعال واقوال پر مطلع ہیں۔ یہ مانا کہ یہ مسئلہ قطعی اور اجماعی نہیں لیکن پھر بھی آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو وہ لاکھ درجہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے جس طرح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

ان الامام لان يخطی فی العفو خير من ان يخطی فی العقوبة . (۱۵۱)

بے شک امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت (سزا) میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو۔ کیا تمہارا وجدان ایمان گوارا کرتا ہے۔ کہ مصطفیٰ ﷺ کے ادنیٰ سے ادنیٰ غلام جنات النعیم میں **سرر مرفوعه** پر تکیے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدق میں جنت بنایا گیا۔ ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب وعذاب کی مصیبتیں بھریں ہاں یہ سچ ہے کہ ہم اللہ رب العزت پر حکم نہیں کر سکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی ادھر کون سی دلیل قاطع پائی۔ حاش للہ ایک حدیث بھی صریح نہیں جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیئے تو کم سے کم درجہ وہی سکوت (حفظ ادب رہا) دیکھئے اب دودھ پلانے والیوں کو سب سے پہلے حضور ﷺ کو حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا۔ ثویبہ ثواب سے ہے۔ (۱۵۲)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی دائی حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں تو حضور ﷺ نے ان کے لئے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا۔ حضرت حلیمہ

سعدیہ رضی اللہ عنہ کے شوہر حارث سعدی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے حضور اقدس ﷺ کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے۔ راستے میں قریش نے کہا اے حارث! تم اپنے بیٹے کی تو سنو وہ کہتے ہیں کہ مردے جئیں گے اور اللہ نے دو گھر جنت و نار بنا رکھے ہیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی اے میرے بیٹے! آپ کی قوم آپ کی شا کی ہے۔ فرمایا ہاں میں ایسا فرماتا ہوں اور اے میرے باپ! جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بعد از اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا کرتے تھے کہ اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو ان شاء اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرما دیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اصدقها حارث و همام . (۱۵۲) ''سب ناموں میں زیادہ سچے نام حارث وہمام ہیں۔''

پانچویں فصل

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بارے اعتراضات اور ان کے جواب

والدین کریمین سیدنا مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے شرک یا کفر میں ملوث ہونے کا تو ادنی سا اشارہ بھی کہیں نہیں آیا بلکہ اس کے برعکس ایسی مستند تاریخی نصوص ہیں جن سے ان کے موحد ہونے اور ہر قسم کی آلائشوں سے بری ہونے کے ثبوت ملتے ہیں۔

رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں آدم وحوا سے لے کر نیچے تک اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا، اس ارشاد نبوی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کریمین مؤمن اور ناجی ہیں کیونکہ مشرک وکافر طاہر نہیں ہوتے بلکہ از روئے قرآن نجس وناپاک ہوتے ہیں، اس سلسلے میں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے:

ان الاحاديث مصرحة فی اکثره معنی فی کله ، أن آباء النبی ﷺ غير الانبياء وامهاته الی آدم و حواء ليس فيهم كافر لأن الكافر لا يقال فی حقه أنه مختار ولا كريم ولا طاهر بل نجس . (١)

''یعنی اس سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث میں سے اکثر لفظی طور پر تصریح کرتی ہیں اور معنوی طور پر تو سب کی سب واضح ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ایسے آباء جو نبی نہیں تھے اور تمام امہات آدم و حواء تک میں سے کوئی بھی کافر نہ تھا کیونکہ کافر کے حق میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مختار کریم یا طاہر ہے بلکہ کافر تو نجس اور ناپاک ہوتا ہے۔''

سورۃ الشعراء کی آیت کریمہ **وتقلبك فی السٰجدين** (٢) بھی اس باب میں اشارۃ

النص کی حیثیت رکھتی ہے کہ نور نبوی ساجدین وساجدات سے ساجدین وساجدات کو منتقل ہوتا رہا، یہ آیت اگرچہ اشارۃ النص کی حیثیت رکھتی ہے تاہم اس سلسلے میں وارد ہونے والی اخبار آحاد سے زیادہ معتبر، زیادہ محکم اوران سب سے افضل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اس بات پر فخر کرنا کہ انا ابن الذبیحین ''میں تو اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں حضرت اسماعیل وحضرت عبداللہ علیہما السلام کا فرزند ہوں'' (۳)۔حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا فدیہ ایک دنبہ تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا فدیہ سو اونٹ تھے، حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیل کے برابر مذکور ہونا اور دونوں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یکساں فخر کرنا حضرت عبداللہ کی عظمت، طہارت اور تقدس پر دلالت کرتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد بھی اس باب میں ایک نص کی حیثیت رکھتا ہے کہ ''میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا ہوں، سیدنا مسیح ابن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ ماجدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میرے متعلق دیکھا تھا۔(۴) اور انبیائے کرام کی مائیں تو اسی طرح کے نیک خواب دیکھا کرتی ہیں، یہاں پر سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا پاکیزہ خواب بھی حضرت ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت کے برابر ذکر ہوا ہے، حضرت آمنہ مؤمنہ کا خواب وہی تھا جس کا ایک منظر ان دعاؤں، نیک تمناؤں اور پیشین گوئیوں کی شکل میں ابواء کے مقام پر سامنے آیا جب سیدہ آمنہ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہی تھیں اور جس کا اعادہ عمرۃ الحدیبیۃ کے موقع پر اس آہ وبکا کی شکل میں ہوا جس میں آپ ﷺ کے ساتھ تمام صحابہ کرام بھی شریک تھے۔

حضور ﷺ کے والدین کو کافر وجہنمی ثابت کرنے پر مخالفین کے اعتراضات اوران کا رد

اعتراض نمبر 1

حضور ﷺ کے والدین کریمین کے مسلمان ہونے کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔اوراس کے خلاف بھی کچھ لوگوں نے کافی ورق سیاہ کیے ہیں۔یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے اہل سنت کے امام جناب ابوحنیفہ کا نام اعتراض پیش کیا ہے اور امام اعظم کی طرف سے والدین رسول کریم ﷺ کے عدم ایمان کی نسبت ''فقہ اکبر نامی کتاب'' کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔شیعہ مولوی غلام حسین نجفی

نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ''فقہ حنفیہ'' پر اعتراضات کرتے ہوئے ایک اعتراض کیا ہے:

ووالد رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر (۵)

نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین معاذ اللہ کفر کی حالت میں مرے ہیں۔

جواب:

حضور ﷺ کے والدین کریمین کے کفر پر مرنے کے متعلق امام اعظم کے قول کی تحقیق

''فقہ اکبر'' نامی کتاب کیا سیدنا امام اعظم کی تالیف وتصنیف ہے؟ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے اس اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر ہم اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ''فقہ اکبر'' واقعی امام اعظم کی تصنیف ہے تو پھر مذکورہ بالا عبارت (ماتا على الكفر) کا اس میں پایا جانا ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کسی نے فقہ اکبر میں درج کر دی ہے۔

امام اعظم نے ایسا لکھا اور نہ ہی کبھی اس کا اظہار فرمایا۔ مذکورہ کتاب کا ایک نسخہ ۱۳۴۲ھ کا چھپا ہوا ہے جو مکتبہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے طبع ہوا اور دوسرا نسخہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی کا ہے جو ابھی تازہ ہی چھپ کر بازار میں آیا ہے ان دونوں نسخہ جات میں مذکورہ عبارت کا کہیں نام ونشان تک نہیں ہے۔

اگر ''ماتا على الكفر'' واقعی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا کلام ہوتا تو پھر فقہ اکبر کا کوئی نسخہ اس سے خالی نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے فقہاء کرام نے اس کی پرزور تردید کی ہے اور فقہ اکبر کی اصل مصنف کی عبارت نے اسے تسلیم نہیں کیا جیسا کہ امام طحاوی لکھتے ہیں

وما في الفقة من ان والديه صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر فمدسوس على الامام وعلى النسخ المتعمد ليس بها شيء من ذالک. (٦)

''فقہ اکبر'' میں جو یہ الفاظ کہیں ملتے ہیں کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین امام اعظم کے بقول کفر پر مرے تو یہ الفاظ امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بطور افتراء منسوب کر دیئے گئے ہیں کیونکہ قابل اعتماد نسخہ جات میں ان الفاظ کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ نیز:

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے آپ کے والدین کریمین کے ثبوت اسلام اور موحد

ہونے پر چھ عدد رسالہ جات تصنیف فرمائے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے والدین ماجدین کریمین کے ثبوت اسلام اور موحد و جنتی ہونے پر سات رسالے تصنیف فرمائے۔ان میں علامہ موصوف نے ان عبارات کا جواب بھی تحریر فرمایا جو اس عقیدہ کے خلاف تھیں یعنی جن میں آپ ﷺ کے والدین کریمین کے عدم اسلام کی بات تھی۔ان میں کہیں بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس عبارت کا تذکرہ نہیں ملتا۔اور پھر جب علامہ السیوطی نے ایک رسالہ فضائل و مناقب امام اعظم پر تصنیف فرمایا جس کا نام **تبییض الصحیفه فی مناقب ابی حنیفه** ہے اس میں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ امام اعظم کا حضور ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں ''ماتا علی الکفر'' والا عقیدہ تھا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''فقہ اکبر'' میں کسی نے اپنی طرف سے مذکورہ عبارت درج کر دی حقیقت میں امام صاحب کی یہ عبارت نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۲:

دوسرا اعتراض کہ ملا علی قاری نے بھی اپنے رسالہ میں والدین کریمین کے عدم ایمان کے با رے میں لکھا ہے۔

جواب:

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع مقام ابواء پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی زیارت فرمائی تو آپ رو پڑے۔آپ کا یہ رونا یا تو والدہ ماجدہ کی جدائی کی وجہ سے تھا، یا انہیں عذاب میں دیکھ کر رو دیئے، یا ان کی موت سے اپنی موت یاد آنے پر روئے۔ابن الملک کہتے ہیں کہ اس حدیث کے واقعے سے اس کا جواز نکلتا ہے کہ قبرستان میں جاتے وقت وہاں رونا درست ہے،آپ اس قدر روئے کہ جو لوگ آپ کے اردگرد تھے انہیں بھی آپ نے رلا دیا۔کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا باوجود اس کے کہ وہ کافرہ تھیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ امت کے ہر فرد کو اپنے والدین اور اقارب کے حقوق کا بہر حال خیال رکھنا چاہیے۔کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی والدہ کے کافرہ ہونے کے باوجود ان کے حقوق پورے کیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے مغفرت کرنے کی

اجازت طلب کی تو مجھے نہ دی گئی۔ابن الملک نے کہا کہ اجازت نہ ملنا اس وجہ سے تھا کہ وہ کافرہ تھیں اور کفار کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کبھی بھی مغفرت نہیں مل سکتی۔اور فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے والدہ کی قبر کی زیارت کا سوال کیا کہ اس کی اجازت دی جائے تو اس کی اجازت دے دی گئی۔

اور میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت بھی طلب کی تو یہ اجازت نہ ملی اور یہ آیت نازل ہوئی:**ما کا ن للنبی الخ**

''نہ نبی کریم ﷺ اور نہ ہی ایمان والوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ مشرکین کے لیے معافی طلب کریں اگر چہ مشرکین ان کے قرابت دار کیوں نہ ہوں۔''(۷)

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو ملا علی قاری کے استاد ہیں اس عبارت کا جواب لکھتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ کو استغفار کی اجازت اس لیے نہ دی گئی تا کہ اس کے اثر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا تھا اور وہ طریقہ جو استغفار کے بدلہ میں آپ کو دیا جانا تھا اس میں والدین کریمین کی بہت بھلائی تھی۔اور خود سرکار دوعالم ﷺ کی انتہائی خوشی بھی تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ایک مرتبہ نہایت مغموم دیکھا کچھ دیر گزری تو دیکھا کہ آپ ﷺ بہت زیادہ خوش نظر آرہے ہیں عرض کی :یارسول اللہ ﷺ !اس قدر خوشی کی کیا وجہ ہے؟فرمایا میں حجون گیا تھا وہاں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری والدہ کو زندہ کیا اور زندہ ہو کر انہوں نے مجھ پر ایمان لایا اس پر آج میں بہت خوش ہوں۔(۸)

استغفار کی اجازت نہ ملنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کیا اور وہ مشرف بااسلام ہوئیں۔اس طرح ان کو اعلیٰ مرتبہ سے نوازا تو اجازت استغفار نہ ملنا ایک اعلیٰ مرتبہ دیئے جانے کی وجہ سے تھا۔لیکن ملا علی قاری اس اعلی مرتبہ دیئے جانے کے متعلق اپنے استاد ابن حجر مکی پر اظہار تعجب کر رہے ہیں جبکہ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہو رہی ہے۔چونکہ ملا علی قاری کے ذہن میں آپ ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں کفر کا تصور بھرا ہوا ہے اس لیے ان کا رجحان بھی انہی دلائل اور اقوال کی طرف ہوگا جو اس کے مؤید ہوں ورنہ وہ احتمالات جو ان کے اسلام پر دال ہیں ان کو اولیت دی جائے ۔استغفار سے روکنا اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ وہ استغفار کے محل ہی نہ تھے وہ اس طرح کہ پہلے انہیں

دعوت اسلام پہنچے اسے وہ قبول کریں اور پھر کچھ گناہ سرزد ہو جائیں۔ جب آپ ﷺ کے والدین کے گناہ کا صدور ہی نظر نہیں آتا تو پھر ان کے لیے استغفار کرنے کا کیا فائدہ؟

نماز جنازہ کی مثال سے وضاحت

استغفار کی اجازت نہ ملنا کسی کے کافر ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ نماز جنازہ میت کے لیے استغفار کا ایک طریقہ ہے۔ (میت بالغہ مرد وعورت) کے لیے تمام موجود نمازی اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ذریعہ طلب مغفرت کرتے ہیں **اللّٰھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا و غائبنا و صغیرنا و کبیرنا و ذکرنا و انثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام و من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان .**

لیکن میت اگر نابالغ ہو تو اس کے لیے طلب مغفرت کی اجازت نہیں یعنی حضور ﷺ نے نابالغ کی نماز جنازہ میں **اللّٰھم اغفر الخ** پڑھنے کی بجائے دوسری دعا پڑھنے کو کہا۔ اب ملا علی قاری والی دلیل یہاں چلائی جائے تو پھر لازم آئے گا کہ ہر مسلمان بچہ بچی مشرک اور کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار کی اجازت نہیں اور جس کے لیے استغفار کی اجازت نہ ہو وہ اس کے کافر ہونے کی دلیل ہے اس کی بجائے اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے نابالغ کے لیے دعائے مغفرت کی بجائے **اللّٰھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا اجرا وذخرا وجعلہ لنا شافعا و مشفعۃ** پڑھنے کو اس لیے فرمایا کہ اسے مغفرت کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس نے دور تکلیف ہی نہ پایا، گناہ ونافرمانی کی عمر پانے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملا۔ اسلام کی دعوت اس تک پہنچی لیکن وہ گنہ گار نہیں اس لیے گناہوں کے بخشنے کی دعا نہیں۔ بلکہ اسے اپنے لیے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعۃ ہونے کی دعاء دی جا رہی ہے۔ اس طرح سرکار دوعالم ﷺ کے والدین کریمین کو تو دعوت اسلام کے ملنے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کیونکہ دعوت حضور ﷺ نے آکر دینا تھی اور آپ کے والد تو آپ کے پیدا ہونے سے قبل اور آپ کی والدہ آپ کی چھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے تھے۔ اس لیے ان کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنا اس بنا پر تھا کہ وہ اس کا محل نہ تھے۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ.(۹)

اے محبوب ﷺ! آپ ان کفار ومشرکین مین سے کسی کے مرنے پر نہ تو جنازہ پڑھیں اور نہ

ہی اس کی قبر پر قیام فرمائیں۔

آیت مذکورہ میں کفار ومشرکین کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ سے منع کیا گیا جسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے لیے استغفار کی اجازت نہ دی گئی اور دوسری بات جس سے منع کیا گیا ہے وہ قیام یعنی اس کی قبر کی زیارت کرنا ہے۔ اب ان دونوں باتوں سے روکنا جب مرنے والے کے کفر وشرک کی وجہ ہوا۔ تو صاف ظاہر کہ کسی کافر کی قبر کی زیارت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو دونوں میں ایک کام کی اجازت دی۔ اور ادھر خود ہی دونوں سے تمام مسلمانوں کو بالتبع منع کیا جا رہا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کافر کے مرنے کے بعد ان دو باتوں سے منع کر دیا تھا تو پھر منع کے باوجود ان دونوں باتوں کے کرنے کی حضور علیہ السلام کا اجازت طلب کرنا احکام خداوندی میں دخل دینا ہے۔ اگر آپ ﷺ نے بھول کر یا فرط جذبات میں اجازت طلب کر ہی لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ ﷺ کی توجہ ''**ولا تصل علی احد من مات**'' کی طرف فرما دیتا۔ اور یوں نہ استغفار کی اجازت سے انکار ہوتا بلکہ زیارت قبر سے بھی روک دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان خرابیوں اور اعتراضات کی بجائے اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی والدہ مسلمان تھیں، موحدہ تھیں۔ توحید پر انتقال ہوا اس لیے حضور ﷺ کا ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنا ان کے مراتب میں مزید اضافے کے لیے تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں انہیں زندہ کر کے طلب سے بھی زیادہ اعزاز عطا فرمایا۔ اور ان کا توحید پر رخصت ہونا مستحق تھا اس لیے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی مل گئی۔ یوں دونوں احادیث باہم متعارض نہ تھیں لیکن بادی النظر میں انہیں متعارض کر دیا گیا تھا۔

اعتراض نمبر 3

حضور ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا، میرا اور تمہارا باپ دونوں کے باپ جہنم میں ہیں

عن انس أن رجلاً قال قال یارسول اللہ أین أبی قال فی النار فلما قفا دعاہ فقال أبی و أباک فی النار

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا میرا باپ مرنے کے بعد کس جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا (دوزخ کی) آگ میں ہے۔ جب وہ شخص اٹھ کر جانے

لگا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ بے شک میرا باپ اور تمہارا باپ آگ میں ہیں۔(۱۰)

مذکورہ حدیث کے آخری الفاظ وہ الفاظ ہیں جنہیں کچھ لوگ اپنے نظریے کی تائید میں بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے خود اقرار کیا اعلان فرمایا کہ میرا باپ دوزخ میں ہے تو پھر یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ کے والد جہنمی ہیں۔(معاذ اللہ) لہذا ان حضرات کو اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو اس کے خلاف آپ کے والد کا جنتی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔حدیث مذکورہ کے بارے میں تحقیق کیا ہے اور کیا اس میں حجت بننے کی صلاحیت ہے؟ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ الفاظ ''متفق علیہ'' نہیں ہیں اور بوجہ ضعف کے عیب ونقص میں ثابت کرنے میں معتبر نہیں۔

ضعیف احادیث کے بارے میں محدثین وفقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ فضائل وکمالات میں ان کا اعتبار ہوسکتا ہے۔لیکن ایسی حدیث سے عیب اور نقص کا ثبوت نہیں کیا جا سکتا۔اس مسلّم قاعدہ کے بعد ہم علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث بالا کے الفاظ کے متعلق توضیح وتشریح پیش کرتے ہیں۔

امام سیوطی فرماتے ہیں:

''ان ابی و اباک فی النار'' ان الفاظ پر تمام راوی متفق نہیں ہیں۔انہیں صرف حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور یہ اس سند کے اندر ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔اس روایت کے ایک اور راوی جناب معمر نے حضرت ثابت سے اسی مضمون والی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی ہے۔اورانہوں نے ''ان ابی و اباک فی النار'' کے الفاظ میں ذکر نہیں کیے۔لیکن اس کی بجائے یوں کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ جب تو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے دوزخ کی آگ کی خوشخبری دینا۔ان الفاظ میں سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں کسی بات کا قطعاً ذکر نہیں ہے اور یہ روایت پہلی روایت سے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ راوی معمر اپنے ہم عصر راوی حماد سے زیادہ مضبوط ہیں وجہ یہ ہے کہ حماد راوی کے بارے میں علماء نے ان کے حفظ پر اعتراض کیا ہے۔اور یہ بھی کہ ان کی مرویات میں بہت سی منکر احادیث بھی ہیں۔بیان کرتے ہیں کہ ان کی ایک لے پالک نے بہت سی باتیں ان کی کتابوں میں شامل کر دی تھیں۔اور حماد چونکہ ان اپنی

روایات کے حافظ نہ تھے اس لیے وہ حدیث بیان کرتے وقت ان زائد باتوں کو بھی حدیث کے رنگ میں بیان کر دیا کرتے تھے۔ لہٰذا انہیں ان میں وہم پڑ گیا۔ اسی وجہ کی بناہ پر امام بخاری نے ان سے کسی حدیث کی تخریج نہیں فرمائی اور نہ ہی امام مسلم نے اصول میں ان کی مرویات لیں۔ جو جناب ثابت سے یہ بیان کرتے ہیں۔ الحاکم نے مدخل میں کہا کہ امام مسلم نے اصول میں ان کی صرف وہ روایات لیں جو انہوں نے ثابت سے بیان کیں اور شواہد میں اس کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی ان کی مرویات ذکر کیں۔ ان کے مقابلے میں معمر راوی پر نہ تو کسی نے از روئے حفظ کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی اس کی کسی روایت سے استنکار کیا۔ بخاری اور مسلم دونوں ان سے تخریج احادیث پر متفق ہیں لہٰذا ان کے ذکر کردہ الفاظ زیادہ مضبوط ہوئے۔ (۱۱)

پھر ہم نے جناب معمر راوی کی حدیث کی مثل ایک حدیث حضرت سعد ابن وقاص سے منقول دیکھی۔ امام بزار، طبرانی اور بیہقی نے بواسطہ **ابراھیم بن سعد عن الزھری عن عامر بن سعد عن ابیہ** ذکر کیا۔ کہ ایک اعرابی نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا جب کبھی تو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے آگ کی خوشخبری دینا۔ یہ اسناد امام بخاری اور مسلم کی شرائط پر ہیں لہٰذا اس کے لفظ پر اعتماد متعین ہوا۔ اور اس روایت کے آخر میں امام بیہقی اور طبرانی نے یہ بھی زیادہ ذکر کیا کہ وہ اعرابی اس کے بعد اسلام لے آیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک مشقت میں ڈال دیا ہے میرا جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزر ہوتا ہے تو مجھے اس کو آگ کی خوشخبری دینا پڑتی ہے۔ ابن ماجہ نے بطریقہ **ابراھیم بن سعد عن الزھری عن سالم عن ابیہ** ذکر کیا۔ کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کے حضور آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ بے شک میرا باپ صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور فلاں فلاں خوبی کا مالک تھا اب مرنے کے بعد وہ کہاں ہے؟ فرمایا آگ میں راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ جواب سن کر کچھ اس کے دل میں غم محسوس ہوا۔ پھر بولا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا باپ کہاں ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا جب کسی مشرک کی قبر کے پاس سے تیرا گزر ہو تو اسے دوزخ کی آگ کی خوشخبری دینا۔ اس کے بعد وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک بھاری کام میں ڈال دیا ہے میرا جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزر ہوتا ہے تو مجھے بموجب ارشاد اس کو آگ کی خوشخبری دینا پڑتی ہے۔ (۱۲)

روایت میں اس زیادتی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لفظ اس میں عام انداز میں ذکر فرمائے۔ اوران کے عام ہونے کی وجہ سے مذکورہ اعرابی نے مسلمان ہونے کے بعد ان پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔ اسے اسی وجہ سے یہ گراں معلوم ہوا کہ آپ کا ارشاد ہر کافر و مشرک کے لیے تھا۔ اور اگر آپ کا جواب پہلے الفاظ کے ساتھ ہوتا یعنی یہ کہ میرا باپ بھی آگ میں ہے یا میرا اور تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں۔ تو اس جواب میں اعرابی کے لیے کوئی حکم نہیں جسے پورا کرنے کے لیے وہ مشقت میں پڑتا حالانکہ وہ اپنی مشقت کا ذکر کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ (جو پہلی روایت میں مذکور ہیں) راوی کی دخل اندازی کا نتیجہ ہیں۔ اس نے روایت کو اس کے معنی کے پیش نظر اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اور جو اس نے سمجھا اسے بیان کر دیا۔ (اس لیے مذکورہ الفاظ رسول کریم ﷺ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ (۱۳)

حاصل کلام

"ان ابی و اباک فی النار" کے الفاظ جس روایت میں ہیں اس کے راوی جناب حماد اتنے مضبوط نہیں ہیں جس قدر ان کے ہم عصر اور استاد بھائی جناب معمر ہیں۔ دونوں اپنے شیخ جناب ثابت سے یہ روایت ذکر کرتے ہیں لیکن حماد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اور معمر کی روایت میں نہیں۔ حماد کے غیر مضبوط ہونے کی بڑی دلیل یہ کہ امام بخاری نے ان کی کوئی روایت ذکر نہیں کی۔ لیکن معمر کی روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ پھر اسی مضمون کی ایک اور سلسلہ سے حدیث بھی کتب حدیث میں موجود ہے۔ جسے طبرانی، بیہقی اور ابن ماجہ وغیرہ نے سعد بن ابی وقاص سے بیان کیا اس میں یہ الفاظ موجود نہیں تو ان واقعات و شواہد کے پیش نظر نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ مذکورہ حماد راوی کی طرف سے روایت بالمعنی کی صورت میں ذکر ہو گئے۔ لہذا ان الفاظ کو بطور استدلال پیش کرنا حقیقت حال سے بے خبری کے مترادف ہے۔

اعتراض نمبر 4

حضور ﷺ نے اپنے والدین کا مقام اخروی معلوم کرنا چاہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع کر دیا۔

ابن جریر نے کہا کہ مجھے قاسم نے خبر دی اور قاسم کو حسین نے اور حسین کو حجاج نے اور حجاج کو ابن جریج نے خبر دی۔ کہ مجھے داؤد بن ابی عاصم نے بتایا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن کہا میرے

ماں باپ مرنے کے بعد کس جگہ ہیں؟ اس پر یہ آیت اتری ''بے شک ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارے میں تمہیں پوچھنا چاہیے۔'' (۱۴)

جواب اول: امام علامہ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں:

کہ اس بارے میں جس قدر روایات ذکر کی گئی ہیں وہ غالباً ضعیف ہیں۔ اور حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوا اس حدیث کے کوئی صحیح نہیں جس میں ذکر ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اجازت طلب کی۔ لیکن اجازت نہ دی گئی۔ اور صرف مسلم شریف کی حدیث بالخصوص آپ کی والدہ کے بارے میں صحیح ہے۔ ان دونوں کا جواب عنقریب آ رہا ہے۔ رہی یہ حدیث کہ جس میں آپ نے کہا کہ کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (جو اعتراض میں مذکور ہے) تو یہ حدیث کسی قابل اعتماد حدیث کی کتاب میں موجود نہیں بعض تفسیروں میں مذکور ہے لیکن وہاں بھی منقطع سند کے ساتھ ہے لہٰذا نہ قابل احتجاج ہے اور نہ ہی قابل اعتماد۔ اور اگر تم بے سرو پا احادیث سے ہمارے سامنے احتجاج پیش کرنا چاہتے ہو تو پھر ہم بھی اس کے معارضہ میں ایسی ہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ ابن الجوزی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جبرائیل امین میرے پاس تشریف لائے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے میں نے تمہاری ہر اس پشت کو آگ پر حرام کر دیا ہے جس میں تم رہے اور ہر اس پیٹ کو جس نے تمہیں اٹھایا اور ہر اس گود کو جس نے تمہاری تربیت کی یہ سب دوزخ کی آگ پر حرام کر دی ہیں۔ یہ واہی حدیث کے ساتھ واہی حدیث کا معارضہ ہو جائے گا مگر ہم نہ ایسا کرنے کے حق میں ہیں اور نہ ہی اس طریقہ سے حجت پیش کرتے ہیں۔

پھر یہ سب کئی اور وجوہات کی بنا پر مردود ہے جن میں اصول، بلاغت اور اسرار البیان وغیرہ وجوہات ہیں دیکھیئے یہ آیت اور اس کے پہلے مذکور آیات اور اس کے بعد والی آیات بھی تمام کی تمام یہودیوں کے بارے میں ہیں **یبنی اسرائیل اذکروا** سے **ایای فارھبون** تک اور اس کے بعد **اذا بتلی ابراھیم الخ** تک۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قصہ جس انداز سے شروع کیا گیا اسی انداز سے ختم بھی فرمایا تو معلوم ہوا کہ ''**اصحاب الجحیم**'' سے مراد اہل کتاب کے کافر ہیں۔ اسی بات کو صراحت کے ساتھ اس روایت میں ذکر گیا جسے عبداللہ بن حمید، فریابی اور ابن جریر و ابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں لکھا یہ سبھی

حضرات جناب مجاہد سے بیان کرتے ہیں۔اور سورۃ بقرۃ کی ابتدائی چار آیات مومنوں کی تعریف میں ہیں اس کے بعد دو آیات کفار کی تعریف میں تیرہ آیات منافقین کے بارے میں اور چالیس سے ایک سو بیس آیات تک بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں۔اس روایت تفسیری سے اشارہ صحیحہ ادھر ہی ہوتا ہے کہ **اصحاب الجحیم** وہی لوگ ہیں جو اہل کتاب کے کافر ہیں اور اسی بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں اکثر طور پر یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے اور لفظ جحیم کو دیکھا جائے تو لغت اور آثار کے پیش نظر یہ اس آگ کا نام ہے جو بہت بڑی ہے۔ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **اصحاب الجحیم** سے مراد وہ دوزخ ہے جو آگ کے اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ آیت قرآنیہ ''لھا سبعۃ ابواب'' کی تفسیر یوں ہے ان سات دوزخوں پہلی جہنم ،دوسری لظی ،تیسری حطمۃ ،چوتھی سعیر ،پانچویں سقر ،چھٹی جحیم اور ساتویں ہاویہ ہے۔اور کہا کہ جحیم میں ابوجہل ہے۔اور اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہیں ابوجہل اس درجہ دوزخ کے لائق اس لیے ہوا کہ وہ کفر میں عظیم تھا۔اس کا بوجھ بہت وزنی تھا دعوت اسلام کے وقت سخت ترین دشمن تھا اور سب کچھ جاننے کے باوجود اس نے انکار کیا، علیحدگی اختیار کی اور دین تبدیل کیے رکھا۔یہ اس لائق نہ تھا کہ اس سے کچھ تخفیف کی جاتی۔اور جب کہ یہ روایت صحیح ہے کہ ابوطالب آگ کے کم تر عذاب والے حصہ میں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں میں سے تھا اور آپ کے ساتھ احسان و نیکی کرنے والوں میں سے تھا۔حالانکہ اس نے دعوت اسلام کا وقت پایا اور پھر اس دعوت کو قبول بھی نہ کیا اور لمبی عمر اس میں بسر کی تو تمہارا رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں کیا گمان ہے جبکہ وہ دونوں بوجہ قرابت داری کے ابوطالب سے کہیں زیادہ قریب ہیں اور حضور ﷺ کو ان سے اور انہیں آپ سے از حد محبت تھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور صاحب عذر ہونے میں کسی سے کم نہیں۔اور عمر کے اعتبار سے کم والد کو دعوت اسلام کا زمانہ نصیب ہی نہ ہوا۔اور والدہ بھی چھ سات سال بعد ولادت مصطفیٰ میں انتقال فرما گئیں۔لہذا ان دونوں کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ معاذ اللہ جحیم دوزخ میں ہیں اور ان پر سخت ترین عذاب ہو رہا ہے ایسی بات ہے کہ جسے معمولی سا ذوق سلیم ہوگا وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہو گا۔(۱۵)

مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

1 سرکار دوعالم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں جن احادیث میں کفر وشرک کا اثبات ملتا ہے وہ ضعیف ہیں۔

2 ''کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کہاں ہیں؟'' یہ روایت کسی معتمد کتاب میں موجود نہیں ہے۔

3 آیت ۱۱۹ سورۃ بقرۃ من جملہ ان آیات میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے کفار کے بارے میں نازل ہوئیں یہ بات حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

4 ''جحیم'' دوزخ کے چھٹے طبقے کا نام ہے۔جس کا عذاب پہلے پانچ طبقات سے کہیں بڑھ کر شدید ہے لہذا اس میں جانے والے بھی سخت نافرمان ہوں گے جیسا کہ ابوجہل ہے۔اہل فترت نافرمانوں میں اول تو شمار ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت معمولی درجے کے اس لیے ان کا جحیم میں جانا غیر معقول ہے۔

5 ابوطالب نے باوجودیکہ زمانہ دعوت پایا اور پھر بھی ایمان نہ لایا لیکن وہ جحیم میں نہیں بلکہ آپ ﷺ کی قرابت اور آپ کے ساتھ احسان کرنے کی وجہ سے وہ خفیف عذاب میں ہوگا۔لہذا آپ کے والدین کے لیے جحیم کیسے ممکن ہوگا؟

مندرجہ بالا امور کی تائید امام ابن کثیر اور امام طبری نے بھی کی ہے۔

ابن کثیر نے چونکہ ''لا تسئل عن اصحاب الجحیم'' کا رسول اللہ ﷺ کے والدین کی اخروی حالت کے استفسار کے جواب میں نازل ہونا بحوالہ ابن جریر لکھا ہے۔

امام طبری فرماتے ہیں:

''ولا تسئل عن اصحاب الجحیم'' میں لفظ ''تسئل'' کے متعلق ابوجعفر (ابن جریر طبری) کہتے ہیں کہ یہ مضارع مجہول والا مذکر مخاطب کا صیغہ ہے اور یہی قرأۃ عامہ ہے۔اس طرح یہ جملہ خبر نہ بنے گا معنی یہ ہوگا اے میرے نبی! ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔تو آپ وہ تمام باتیں لوگوں کو پہنچا دیں جو آپ کو عطا کی گئیں۔کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور لوگوں کو ڈرانا ہے اور جو شخص آپ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کرتا ہے آپ اس کے جوابدہ نہیں ہیں نہ ہی اس

بات کے کہ وہ **اھل جحیم** میں سے کیوں ہے؟ بعض اہل مدینہ نے اسے نہی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے اس قرأۃ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے تا کہ آپ ان تمام احکام کو لوگوں تک پہنچا دیں جو آپ کو دیئے گئے ہیں۔ اور آپ **اھل جحیم** کے حالات کے متعلق سوال نہ کریں۔ اس قرأۃ والوں نے اپنی قرأۃ کی تاویل ابو کریب کی مروی حدیث سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جناب وکیع نے موسیٰ بن عبدہ اور انہوں نے محمد بن کعب سے بیان کی وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ کہا کہ کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کس مقام میں ہیں؟ اور ان سے کیا سلوک ہوا اس پر **"لا تسئل عن اصحاب الجحیم"** آیت اتری۔ دوسری حدیث جسے حسن بن یحییٰ نے ہم سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں عبدالرزاق اور انہیں جناب ثوری نے اور انہیں جناب موسیٰ بن عبدہ نے محمد بن کعب قرظی سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ وہ کہاں ہیں آپ نے تین مرتبہ کہا اس پر **"لا تسئل عن اصحاب الجحیم"** آیت اتری اس کے بعد آپ نے اپنے والدین کا تا دم وصال نام تک نہیں لیا۔ تیسری حدیث جسے ہم سے قاسم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین نے انہوں نے حجاج عن ابن جریج سے انہوں نے داؤد عن ابی عاصم سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے ایک دن کہا کہ کاش مجھے اپنے والدین کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور وہ کہاں ہیں؟ تو اس کے جواب میں **"انا ارسلناک الایة"** اتری۔ میرے (ابن جریر) کے نزدیک اس لفظ **تسئل** میں ان لوگوں کی قرأۃ صواب ہے جنہوں نے اسے فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر مخاطب کے طور پر پڑھا اور اسے جملہ خبریہ بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاری کی اقوام کے حالات وواقعات بیان فرمائے۔ ان کی گمراہیوں اور کفر کے ساتھ ساتھ حضرات انبیائے کرام کے ساتھ بے باکیوں کا تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا اے محمد! ہم نے آپ کو ہر اس مرد کے لیے خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے جو بھی آپ پر ایمان لائے اور جو واقعات ہم نے آپ کو بتائے ان میں بھی آپ کی پیروی کریں اور جو نہیں بتائے ان میں بھی آپ کی پیروی کرے اور ہم نے آپ کو ان لوگوں کے لیے ڈرانے والا بنا کر بھیجا جو آپ کا انکار کرتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں۔ (۱۶)

حاصل کلام:

ابولہب اور ابوجہل کا جہنمی ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے ان کو برا بھلا کہنے سے جب ان کے ورثاء کو ذہنی کوفت ہوئی تو انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو منع فرما دیا کہ ان کے مرے ہوئے رشتہ داروں کو برا بھلا نہ کہا جائے تا کہ تمہارے ان ساتھیوں کو اذیت نہ پہنچے۔ حالانکہ ان دونوں کے لیے کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث وروایت ہرگز نہ ملے گی کہ یہ قابل مغفرت ہیں اور ابدی دوزخی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کے ورثاء کی اذیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہیں لعنت آئی۔ اور ادھر سرکار دوعالم ﷺ کو تکلیف پہنچانے والے پر نص قرآنی سے لعنت موجود ہے۔ لہذا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کو دوزخی یا کافر ومشرک کہتا ہے وہ دراصل رسول اللہ ﷺ کو اذیت دے رہا ہے اور رسول اکرم ﷺ کو اذیت دینے والے پر اللہ کی پھٹکار روا ہے۔ اس لیے کہ وہ شخص اپنی آخرت برباد کرنے کے درپے ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب امتیوں کے اعمال روزانہ سرکار دوعالم ﷺ کے حضور پیش ہوتے ہیں تو ان میں اگر کسی امتی کا یہ قول بھی آپ کے سامنے آئے کہ اس نے آپ ﷺ کے والدین کریمین کو کافر وجہنمی لکھا یا کہا ہے۔ تو اسے پڑھ کر یا سن کر حضور ختمی مرتبت ﷺ کو کتنا رنج ہوتا ہوگا۔ اور آپ ﷺ ایسے شخص سے کس قدر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوں گے۔

حضور ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں ملا علی قاری نے اپنے نظریہ سے رجوع کیا اور توبہ کی۔ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری نے اس مسئلہ میں خطا کھائی اور راہ راست سے پھسل گیا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور قول مستحسن میں اس نظریئے کی ان کی توبہ کرنا منقول ہے۔

ملا علی قاری علمائے احناف میں سے ایک بہت بڑے عالم، مصنف اور شارح ہوئے ہیں۔ ان کی تصنیفات وشروحات میں سرکار دوعالم ﷺ سے بے پناہ محبت وعقیدت ٹپکتی ہے۔ لیکن چند احادیث واقوال کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔ بلکہ گستاخانہ رویہ اپنایا جس کی سزا انہیں دنیا میں بھی مل گئی اور اس گستاخی پر خود ان کے استاد محترم ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ناراض تھے خود رسول کریم ﷺ بھی ناراض تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید محرومیوں سے بچانا تھا اور آخرت کی بربادی بھی منظور نہ تھی۔ بالآخر انہیں اس عقیدہ

سے توبہ کی توفیق ملی۔ کاش کہ ان کی توبہ بھی اسی طرح سرعام ہوتی جس طرح ان کا رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں نظریہ ان کی تصنیفات میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس غلطی کو معاف فرمائے اور ہمیں اسی نظریے پر قائم ودائم رکھے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے اپنے والدین جنتی ہیں۔(۱۷)

رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کو جہنمی کہنے والوں کی قرآنی آیات سے اشارۃ تردید

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا . (۱۸)

''ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

امام کعبی نے کہا ہے: تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ابتداء نہ تو عذاب دے گا اور نہ ہی ہلاک کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دی گئی نعمت سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ خود اس کی تبدیلی کے اسباب پیدا نہ کرے'' اور اللہ تعالیٰ کا قول ''تمہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کے شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لانے والے بنے رہو'' اور قول باری تعالیٰ ''ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے نہیں ہاں اگر اس کے رہنے والے ظالم ہو جائیں تو پھر ہلاکت ہوسکتی ہے۔'' تو یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابتداء کسی کو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا۔ اور یہ بھی کہ اس آیت کریمہ سے ماقبل آیات بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں وہ جو ہدایت پا گیا اس نے اپنے نفع کے لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی کا وبال اس پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور یہ محال ہے کہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی متناقض ہوں۔ لہذا ثابت ہوا کہ جو آیات ہم نے ذکر کیں وہ محکم ہیں۔ اور اسی طرح وہ آیت جس کی تفسیر ہم کر رہے ہیں۔ (وہ بھی محکم ہے) لہذا اس آیت زیر تفسیر کو ان آیات پر محمول کرنا چاہئے۔ یہ ہے امام کعبی کا قول۔(۱۹)

امام سیوطی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

اور یہ آیت کریمہ ''**وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا .**'' ان آیات میں سے ایک ہے۔ جن کے بارے میں تمام ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ بعثت سے قبل کسی کو عذاب نہیں ہوگا۔

اس عقیدہ پر جن سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اوران آیات میں سے ایک ہے جن کو معتزلہ کے نظریہ کے رد میں پیش کرتے ہیں۔ وہ نظریہ یہ کہ عقل حاکم ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **وما کنا معذبین بین حتیٰ نبعث رسولا** کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی عذاب نہیں دے گا۔ جب تک اس کے پاس کوئی خبر نہیں آجاتی یا اللہ کی طرف سے کوئی نشانی نہیں آجاتی۔ (۲۰)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ کی مذکورہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو شخص اہل فترت کے بارے میں جہنمی ہونے کا قول کرتا ہے۔ وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اسے کوئی نشانی نہیں مل جاتی۔ علاوہ ازیں امام رازی نے امام کعبی کی تفسیر سے بھی یہی ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ابتداء ظلم نہیں فرماتا۔ ہاں اگر وہ ظالم ہوں یا دعوت اسلام کا انکار کریں تو علیحدہ بات ہے۔ ایسی مضمون والی آیات میں چونکہ تناقص ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ اہل فترت کو قرآن کریم، احادیث مقدسہ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک عذاب نہیں ہوگا۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

ذالک ان لم یکن ربک مهلک القریٰ بظلم و اهلها غافلون . (۲۱)

''یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

ہم نے جو ان بستیوں کے ساتھ عذاب نہ دینے کا سلوک کیا۔ یہ اس لیے کہ میرا قاعدہ ہے کہ میں کسی بستی کے رہنے والوں کو ان کے ظلم و شرک کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیج دوں کیونکہ اس طرح عذاب دینے کے بارے میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے اور خوش خبری دینے والا نہیں آیا اور اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی بستی کو میں ان لوگوں کی وجہ سے جو اس میں شرک کرتے ہیں، ہلاک نہیں کرتا۔ (۲۲)

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

ذالک ان لم یکن ربک مهلک القریٰ بظلم و اهلها غافلون .

یعنی ہم نے جن وانس کی طرف اپنے رسول اور کتابیں بھیج کر حجت تمام کر دی یہ اس لیے تا کہ کسی کا مواخذہ از روئے ظلم نہ بن جائے جبکہ اس کے پاس دعوت اسلامی نہ پہنچی ہو۔ اور ہم نے گزشتہ امتوں کے لیے بھی حجت تمام کر دی۔ ہم نے ان میں سے کسی کو بھی بغیر رسول کے بھیجنے کے عذاب نہیں دیا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہر بستی میں کوئی نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا۔ ایک اور قول باری تعالیٰ ہے۔ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا جس نے انہیں کہا اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ ایک اور قول خداوندی ہے۔ ہم رسول کے بھیجے بغیر کسی کو عذاب دینے والے نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جب دوزخ میں کسی جماعت کو ڈالا جائے گا تو دوزخ پر مقرر کیے گئے فرشتے ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے یقیناً ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا تھا۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔ ابن جریر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا بظلم فرمانا دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اس کے ظلم و شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کرتا۔ اور فرماتا ہے کہ میں ان لوگوں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا یہاں تک کہ عذاب سے پہلے ان کے پاس اپنے رسول بھیجتا ہوں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی حجتوں پر مطلع کرتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انہیں بے خبری اور غفلت میں عذاب دیتا ہے تا کہ وہ یہ بہانا پیش کر دیں کہ ہمارے پاس کوئی بشیر نہیں آیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں کسی بستی والوں کو تنبیہ، تذکیر اور عبرت دیئے بغیر ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کرنا دراصل ان پر ظلم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم روا نہیں رکھتا۔ (۲۳)

مذکورہ آیت کی تفسیر وتشریح میں دو مشہور مفسرین کرام کی عبارت ہم نے نقل کی ہے۔ ان میں علامہ قرطبی تو اس نظریہ کے قائل ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے والدین کریمین موحد اور جنتی ہیں۔ دوسرے مفسر جناب اسماعیل ابن کثیر ہیں جو اس سے مختلف نظریہ کے قائل ہیں۔ ابن تیمیہ اس سلسلہ میں ابن کثیر کا پیش رو ہے۔ بہر حال آیت مذکورہ میں علامہ قرطبی کی تفسیر اور ابن کثیر کی تفسیر میں کوئی خاص فرق نہیں۔ دونوں نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں گرفتار نہیں کرتا جب تک اس قوم کے پاس کوئی اس کا پیغام پہنچانے والا نہیں بھیج دیتا یہ اس لیے تا کہ اس قوم کے پاس کفر و شرک کا عذر باقی نہ رہے۔ اسی بات کی تائید اور تصدیق میں ابن کثیر نے چند اور آیات قرآنیہ بھی پیش کی ہیں۔ آیت

کریمہ میں ''ظلم'' کے بارے میں یہ دوتوجیہیں بھی ذکر کی گئی ہیں ایک یہ کہ اس کی نسبت قوم کی طرف اور دوسری یہ کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ۔تو مطلب یہ ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ ظلماً کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے۔اور نہ ہی کسی قوم کے محض ظلم کو دیکھ کراس پر عذاب اترتا ہے۔ہاں اگر انبیاء کرام میں سے کوئی اس قوم کے پاس آ گیا اوراس قوم نے اس پیغمبر کی باتوں پر دھیان نہ دھرا۔تو پھران کا ظلم نا قابل معافی ہے۔اب اسی آیت کریمہ کے مضمون کوسرکار دوعالم ﷺ کے والدین کریمین پر چسپاں کریں تو دونوں احتمال موجود ہیں۔یعنی یہ کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر تشریف نہیں لائے کیونکہ دونوں کا وصال زمانہ فترت میں ہو چکا تھا،اب اگر بعثت پیغمبر کے بغیر انہیں معذب ثابت کیا جائے تو پھران پر اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) ظلم کیا۔اوران کا عذر دور کرنے کے لیے کوئی سامان نہ کیا۔یہ اس وقت جب کہ آپ کے والدین کریمین سے ایسے افعال کا صدور ثابت ہو۔جو وجہ تعذیب بن سکیں اور اگر ایسے افعال کا صدور ثابت کرنا ناممکن ہو۔تو پھر دوہرا ظلم ہوگا۔ایک یہ کہ ان کی طرف کوئی پیغام پہنچانے والا بھی نہ بھیجا اور دوسرا انہوں نے کوئی ایسا کام بھی کیا جو باعث تعذیب ہوسکتا۔اوراگر یہ ثابت ہو سکے کہ ان دونوں سے ''ظلم'' کا صدور ہوا تھا،تو پھر بھی ان کے معذب ہونے کی آیت مذکورہ نفی کرتی ہے۔لہذاابن کثیر وغیرہ ان آیات کے وسیع مفہوم کواگر پیش نظر رکھتے تو سرکار دوعالم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں جہنمی ہونے کا قول نہ کرتے ۔آیت مذکورہ کی نص صریح کی مخالفت کے ساتھ ساتھ درکار دوعالم ﷺ کی ایذاء کا ہی خیال کر لیتے تو بھی ایسا قول نہ کرتے۔اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشادفرماتا ہے:

ولو انا اھلکنا ھم بعذاب من قبله لقالوا ربنا لو لا ارسلت الینا رسولا فنتبع اٰیاتک من قبل ان نذل و نخزیٰ .
(۲۴)

اوراگر ہم انہیں کسی رسول کے آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوئے؟

آیت مذکورہ بھی اسی مضمون کو بیان کر رہی ہے۔ جو گزشتہ اوراق میں مذکور ہو چکا یعنی یہ کہ کسی قوم کو یونہی عذاب میں گرفتار کرنا ایک غیر معقول اور غیر منصفانہ طریقہ ہے۔ کیونکہ اس بارے میں ان کا یہ عذر معقول ہے کہ ہمیں کوئی سمجھانے، بتانے والا ہی نہیں آیا۔ لہذا اس عذر کے پیش نظر کسی کو بعثت پیغمبر کے بغیر اس کے جرموں کی سزا نہیں ہوگی۔

امام صابونی فرماتے ہیں:

ولو انا اھلکنا ھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لو لا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک من قبل ان نذل و نخزیٰ یعنی ہم اگر مکہ کے کافروں کو قرآن کریم کے اتارنے اور رسول کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل ہلاک کر دیتے۔ تو وہ کہتے۔ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس پر ایمان لاتے اور اس کی پیروی کرتے۔ ہم تیری آیات سے تمسک کرتے۔ یہ سب کچھ ہم عذاب چکھنے سے پہلے اور محشر میں سرعام رسوا ہونے سے قبل کر لیتے۔ مفسرین کرام نے کہا ہے کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب کسی کی طرف کوئی رسول بھیج دیا جاتا ہے اور کوئی آسمانی کتاب اتار دی جاتی ہے تو اس کے بعد اس آدمی کے پاس عذاب و رسوائی سے بچنے کا نہ کوئی عذر مسموع ہوگا اور نہ ہی کوئی حجت باقی رہے گی۔ (۲۵)

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کے جس قانون قدرت کی طرف مفسرین کرام نے متوجہ کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب میں اس وقت مبتلا کرتا ہے جب اس کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو۔ اور وہ عذر خود اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں بیان فرمایا۔ ایک یہ کہ وہ کہے میرے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا جو مجھے تیرے احکام بتاتا لہذا میں بےقصور ہوں۔ دوسرا یہ کہ کسی اور طریقہ سے اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچتے۔ اور پھر وہ ان کو نہ مانتا۔ آیت مذکورہ میں (کفار) کے عدم اہلاک کا تذکرہ ہے اور وہ جو ''کافر'' بھی نہ ہو جس کا کفر ثابت نہ ہو سکے۔ تو اس کے لیے یہ عذر قابل قبول نہ ہوں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے والدین کریمین نے پوری زندگی کسی اللہ کے رسول کی تبلیغ کا زمانہ نہ پایا۔ اور نہ ہی کوئی کتاب ان کو احکام الٰہی بیان کرتی تھی۔ اس لیے اول تو ان کا کفر ثابت کرنا ہی دلیل کا طالب ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو پھر بھی انہیں عذاب دیا جانا اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے۔ لہذا یہ آیت بھی من جملہ ان آیات میں سے ایک ہے جو حضور ﷺ کے والدین کریمین کے غیر معذب ہونے کو ثابت کرتی ہے

جب وہ غیر معذب ہیں تو پھر جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہوئے۔

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

ولو لا ان تصیبھم مصیبة بما قدمت ایدیھم فیقولوا ربنا لو لا ارسلت الینا رسولا فنتبع اٰیاتک ونکون من المؤمنین . (۲۶)

''اور اگر نہ ہوتا کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت ان کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے اے میرے رب! تو نے کیوں نہ بھیجا۔ ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔''

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

یعنی ہم نے آپ کو ان کی طرف اس لیے بھیجا تا کہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور ان کا عذر ختم ہو جائے کیونکہ جب ان کے پاس ان کے عذاب کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا تو وہ یہ بہانا پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی رسول آیا اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا۔(۲۷)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنا ایک قانون ذکر کر رہا ہے وہ یہ کہ ہم کسی کو بلا وجہ عذاب نہیں دیا کرتے اور ایسا نہیں ہوگا کہ کسی صاحب عذر کو ظلماً ہم سزا دیں اسی لیے اے محبوب ﷺ! ہم نے آپ کو ان لوگوں کی طرف بھیجا تا کہ کل سزا پاتے وقت ان کا یہ بہانہ نہ ہو سکے کہ ہمارے پاس کوئی رسول ونذیر نہیں آیا۔اس لیے حضور ﷺ کے والدین کریمین کو اگر بقول شخصے اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالتا ہے تو پھر اس کا قانون کہاں ہوگا۔وہ کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر نہیں آیا۔لہذا جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کو جہنمی کہتے ہیں۔وہ دراصل اللہ تعالیٰ کو اس کے اپنے قانون کا مخالف کہتے ہیں۔

﴿۵﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وما کان ربک مھلک القریٰ حتیٰ یبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم اٰیتنا وما کنا مھلکی القریٰ الا واھلھا ظالمون . (۲۸)

''اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے ساکن ستمگار رہوں۔''

امام طبری کہتے ہیں:

اللہ جل شانہ کی یہ عادت کریمہ جاری وساری نہیں کہ کسی بستی کے کفار کو ہلاک کر دے یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیج دے۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے۔ یہ اس لیے تا کہ ان کفار کے تمام عذر اور حیلے بہانے ختم ہو جائیں۔ اور ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو اس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں جب تک وہ کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے ہلاکت کے حق دار نہیں ہو جاتے اور کفر پر اصرار بھی ہماری طرف سے بھیجے گئے رسولوں کی پیغام رسانی کے بعد واقع ہو۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ ان آیات کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ وہ کفار کو صرف اسی صورت میں ہلاک کرتا ہے جب وہ ہلاکت کے مستحق ہو جاتے ہیں اور یہ ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کا ظلم کرنے سے پاک ہونا بیان ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان پر اپنے پیغمبر مبعوث فرما کر اتمام حجت نہیں کر لیتا اس وقت تک ان کو ہلاک نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔(۲۹)

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وما اهلكنا من قرية الا لها منذرون ذكرىٰ وما كنا ظٰلمين . (۳۰)

''اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں، نصیحت کے لیے اور ہم ظلم نہیں کرتے۔''

امام صابونی کہتے ہیں:

یعنی جب تک ہم اپنی طرف سے ان کی طرف رسولان کرام بھیج کر حجت تمام نہیں کر لیتے۔ جو انہیں خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت ان پر ہلاکت کا حکم نہیں دیتے اور جب انہیں ہلاک کر دیتے ہیں تو ہمارا یہ فعل ظالمانہ فعل نہیں کیونکہ ہم نے ان کے لیے کوئی عذر نہ چھوڑا اور نہ ہی کوئی حجت بازی کا موقع رہنے دیا۔(۳۱)

کسی قوم کو ارسال پیغمبر کے بغیر تباہ و برباد کرنا ''ظلم'' ہے اور اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز ظلم نہیں کرتا

۔لہذا بعثت انبیاء کے بعد بھی اگر کوئی کفر وظلم پر ڈٹا رہتا ہے تو اب اسے گرفتار ہلاکت کرنا عدل وانصاف ہے کیونکہ اس صورت میں ان ہلاک ہونے والوں کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور نہ ہی کوئی اپنے کفر کی وجہ جواز۔

﴿۷﴾ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وهم يصطرخون فيها ربنا اخرجنا نعمل صالحا غير الذى كنا نعمل اولم نعمركم ما يتذكر فيه من تذكر وجاء كم النذير فذوقوا فما للظّلمين من نصير . (۳۲)

''اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے۔اے ہمارے رب! ہمیں نکال کہ ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے اور کہا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا۔اور اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے چلاتے دوزخیوں کی ایک تمنا کے جواب میں فرمایا کہ کیا تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں سمجھنے والا سمجھ جاتا س اور کیا تمہارے پاس ڈرانے والا رسول تشریف نہ لایا تھا؟ یعنی جب یہ دونوں اسبابِ ہدایت تمہیں دنیا میں دے دیئے گئے تھے تو پھر تم کفر وشرک پر کیوں ڈٹے رہے ؟ تمہارے اس اصرار کا کوئی بہانہ یا عذر ہو تو پیش کرو۔لہذا ان اسبابِ ہدایت کے بعد تمہارا روگردانی کرنا، یہاں دوزخ میں آنے کا سبب بنا۔جس سے چھٹکارا ناممکن ۔ جہاں تک دوسری بات یعنی کسی ڈرانے والے کے تشریف لانے کا تعلق ہے۔ہم نے مختلف آیات سے اس کی وضاحت پیش کر دی ہے۔رہا ''عمر عطا کرنے کا معاملہ'' تو اس بارے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اس عمر سے مراد سوجھ بوجھ والی عمر ہوگی جس کی ابتدا بلوغ سے ہوتی ہے لیکن اس کے شروع ہوتے ہی آدمی ہر معاملہ کو نہیں جان جاتا۔اسے مزید کچھ عرصہ چاہئے۔اس لیے مفسرین کرام نے اگرچہ ۱۷،۱۸ سال کی عمر بھی بیان کی ہے مگر ترجیح ساٹھ سال کی عمر کو دی گئی۔اس بارے میں ''ابن کثیر'' نے بھی تائیدی مؤقف اختیار کیا ہے چنانچہ اسی آیت کریمہ کے تحت وہ رقمطراز ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب مجاہد بیان کرتے ہیں کہ وہ عمر کہ جس میں اللہ تعالیٰ اولادِ آدم کا عذر قبول نہ کرے گا اور جس کا تذکرہ اللہ نے روایت **وھم یصطرخون فیھا ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل اولم نعمرکم ما یتذکر فیه من تذکر وجاء کم النذیر فذوقوا فما للظلمین من نصیر** میں فرمایا۔ ساٹھ سال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ترین ہے اور نفس الامر میں بھی یہی صحیح ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت مذکورہ میں مذکور عمر سے مراد ساٹھ برس ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن پکارا جائے گا کہاں ہیں ساٹھ برس والے لوگ؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ ساٹھ یا ستر برس کی عمر عطا کردے وہ عذر نہ پیش کر سکے گا۔

امام بخاری نے کتاب الرقاق میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو ستر سال کی عمر عطا ہوئی وہ غیر معذور ہوگا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساٹھ سال کی عمر والے کو اللہ کے حضور غیر معذور فرمایا۔

اسی مضمون کی روایت مختلف اسناد سے مختلف محدثین کرام نے نقل فرمائی ہے۔

حاصل کلام:

سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنمی ہیں۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے حوالہ سے ان کا قول قطعا قابل قبول نہیں کیونکہ نص صریح کے ساتھ اس آیت میں مذکور ہے کہ جب تک کسی کے پاس کوئی نذیر نہیں آتا اور پھر وہ کفر وشرک پر اصرار کرے۔ اس وقت تک وہ عذاب کا مستحق نہیں۔ آپ کے والدین کریمین جس زمانہ میں آئے اور تشریف لے گئے۔ اس میں کوئی بھی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا۔ لہذا آیت ہذا کی اس نص صریح کے مقابلہ میں ان لوگوں کے قول کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی اس سے سرکار دو عالم حضور نبی کریم ﷺ کے

والدین کا دوزخی ہونا ثابت ہوگا۔(۳۳)

نبی اکرم ﷺ کے والد محترم جناب سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کے بارے میں شرک ثابت نہیں بلکہ وہ دونوں اپنے جد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے، جس طرح کہ قس بن ساعدہ ایادی (۳۴) اور عہد جاہلیت کے دیگر لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ اس مسلک کو امام فخر الدین رازی (۳۵) نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے: ''**ورد أن آبائه ﷺ کلهم الی آدم کانوا علی التوحید** ''(۳۶) روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک توحید پر تھے۔ اسی طرح امام رازی نے کہا ہے کہ: '' **ان آزر لم یکن والد ابراهیم بل کان عمه** ''(۳۷) علمائے کرام نے ایمان آباء النبی ﷺ کے بارے میں کئی دلائل ذکر کئے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ کے فرمان **الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین** (۳۸) کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے میں منتقل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ آیت دلیل ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد بتوں کا پجاری نہ تھا۔

ایمان آباء النبی ﷺ پر دوسری دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''**لم أزل انقل من أصلاب الطاهرین الی أرحام الطاهرات .** ''(۳۹) (میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام میں منتقل ہوتا رہا)۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**انما المشرکون نجس**﴾ (۴۰) اس سے ثابت و واجب ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔

امام سیوطی (۴۱) نے ایمان آباء النبی ﷺ کے بارے میں مضبوط دلائل حاصل کیے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے: (۴۲)

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں سے ہر جد اپنے زمانہ قوم میں سب سے بہتر تھا۔ جیسا کہ بخاری کی روایت ہے: ''**بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیه** ''(۴۳) (میں بنو آدم کی بہترین صدی میں مبعوث ہوا ہوں۔ صدیاں گزرتی گئیں یہاں تک کہ اس صدی میں میری بعثت ہوئی۔)

یہ بھی ثابت ہے کہ روئے زمین کبھی بھی سات یا زیادہ مسلمان سے خالی نہیں رہی۔ اوران کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب ٹالتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''**لم یزل علی وجه الدهر في الارض سبعة مسلمين فصاعدا فلو لا ذلک لهلکت لأرض ومن عليها.** ''(۴۴)(ہر زمانہ میں روئے زمین پر سات یا اس سے زائد مسلمان رہے اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اہل زمین برباد ہوجاتے)۔

امام احمد (۴۵) نے بھی صحیحین کی شرط پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

''**ما خلت الأرض من بعد نوح من سبعة يدفع الله تعالى بهم عن اهل الأرض**''

(۴۶) ان دونوں روایات کے درمیان موازنہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تو آپ ﷺ کے اجداد میں سے ہر جد ان سات لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مسلمان تھے تو یہی مدعا ہے ۔اگر کوئی ان کے علاوہ ان سات پر مشتمل تھا تو پھر تین میں سے ایک بات لازم آئے گی:

۱۔ یا تو دوسرے لوگ ان سے بہتر تھے۔ تو یہ باطل نتیجہ ہے، کیونکہ اس سے صحیح حدیث کی مخالفت ہوتی ہے۔

۲۔ یا اجداد ہی ان سے بہتر تھے جبکہ وہ مشرک بھی تھے، تو یہ بالا جماع باطل نتیجہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ﴿**ولعبد مؤمن خير من مشرک**﴾ (۴۷)

۳۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ سب توحید پر تھے اور اپنے زمانے میں تمام اہل ارض سے بہتر تھے۔ (۴۸)

تمام روایات کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

۱۔ ابن سعد نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے: ''**ما بين نوح الى آدم من الآباء كانوا على الاسلام** ''(۴۹)(حضرت نوح سے حضرت آدم تک تمام آباء دین اسلام پر تھے)۔

۲۔ حضرت ابن عباس سے ایک اور قول روایت کیا گیا ہے کہ: ''**كان بين آدم و نوح عشرة قرون ، كلهم على شريعة من الحق ، فاختلفوا فبعث الله النبيين** '' (۵۰)(حضرت آدم و نوح کے درمیان دس صدیاں (قومیں) تھیں جو سب حق کی شریعت پر تھے۔ پھر

انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے)۔

۳۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **کان الناس امة واحدة** (۵۱) (سب لوگ ایک ہی امت تھے) حضرت ابن عباس کی قراءت کے مطابق (**فاختلفوا**) پھر انہوں نے اختلاف کیا۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے دعا کی: **رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا** (۵۲) (اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور جو میرے گھر میں مؤمن داخل ہو، بخش دے)۔ اور سام بن نوح، نص قرآنی اور اجماع کے ساتھ تھے بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ وہ نبی تھے۔ ابن سعد زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے یہی قول نقل کیا ہے۔ سام کے بیٹے ارفخشذ کے مومن ہونے کی وضاحت حضرت ابن عباس نے ایک روایت میں کی ہے اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ارفخشذ نے اپنے دادا نوح علیہ السلام کو پایا، اور انہوں نے اپنے پوتے کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو حکومت و نبوت عطا فرمائے۔ ارفخشذ کی اولاد کی تارح تک مومن ہونے کی تصریح بھی موجود ہے۔ (۵۳)

۵۔ ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے:

''ان الناس ما زالوا ببابل وهم على الاسلام من عهد نوح عليه السلام الى أن ملكهم نمرود فدعاهم الى عبادة الاوثان ففعلوا'' (۵۴)

(بابل میں سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے لے کر نمرود کے بادشاہ بننے تک اسلام پر رہے پس نمرود نے انہیں عبادت اصنام پر بلایا تو وہ ان کی عبادت کرنے لگے)۔

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی مذکورہ روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فعرف من مجموع هذه الأثار أن اجداد النبی ﷺ كانوا مؤمنين بيقين من آدم الى زمن نمرود وفى زمنه كان ابراهيم عليه السلام'' (۵۵)

(ان تمام آثار سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے اجداد یقینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نمرود کے زمانہ تک مومن تھے۔ اور اسی کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔)

اور آزر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا تو وہ شجرہ نسب سے مستثنیٰ ہے اور اگر ان کا چچا

تھا تو پھر استثناء نہیں۔اور یہ قول کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں، سلف صالحین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔اور لغوی لحاظ سے اس طرح توجیہ کی گئی ہے کہ عرب (الاب) کا لفظ چچا کے لیے عام استعمال کرتے تھے، اگر چہ یہ مجازی تھا۔امام جلال الدین سیوطی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔(۵۶)

۶۔ اس ضمن میں علماء کی نصوص کثرت سے موجود ہیں کہ عرب، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے دین ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ان میں سے کسی نے عمرو بن عامر الخزاعی کے عہد تک کفر و شرک نہ کیا۔یہی شخص ہے جسے عمرو بن لحی (۵۷) کہا جاتا ہے، اور یہی پہلا شخص ہے جس نے اصنام کی عبادت کی، اور دین ابراہیم کو بدل ڈالا، اور عربوں کو بتوں کی پوجا پر آمادہ کیا۔عمرو بن لحی تقریباً نبی اکرم ﷺ کے جد کنانہ کے دور میں تھا۔

۷۔ امام جلال الدین سیوطی نے عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ، الیاس اور کعب بن لؤی کے ایمان کی کئی شہادتیں ذکر کی ہیں۔(۵۸)

پھر تمام روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

:"**فتلخص من مجموع ما سقناه:ان أجداده صلى لله عليه وسلم من آدم الى كعب بن لوى ،ومن ولده مره مصرح بايمانهم الا آزر ،فانه مختلف فيه فان كان والد ابراهيم فانه مستثنى ،وان كان عمه كما هو احد القوامين فيه ،فهو خارج عن الا جداد وسلمت سلسلة النسب " (۵۹)**

(ہم نے جو روایات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے کعب بن لؤی تک اور اس کے بیٹے مرہ بن کعب تک سب کے ایمان کی صراحت موجود ہے ،سوائے آزر کے، کیونکہ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔اگر تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا تو مستثنیٰ ہے۔اور اگر چچا تھا جیسا کہ اس کے بارے میں ایک قول موجود ہے تو پھر وہ اجداد کے سلسلہ سے خارج ہے اور شجرہ نسب نبوی محفوظ ہے)(۶۰)

علماء کی ایک جماعت نے امام مسلم کی حدیث (۶۱) کو اپنے پر ظاہر کر رکھا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے کہا ہے:" **لا يجوز لأحد ان يذكر ذلك** " (کسی کے لیے جائز نہیں کہ ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ کو موضوع بحث بنائے۔)

امام سہیلی نے ''الروض الأنف'' میں مسلم کی حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

''**ولیس لنا أن نقول نحن هذا فی أبویه** ﷺ ''(ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم یہ بات والدین مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں کہیں) کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''**لا تؤذوا الأحیاء بسب الأموات** '' (۶۲) (مردوں کو گالیاں دے کر زندوں کو تکلیف نہ دو) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة** (۶۳) (بے شک جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں اللہ نے لعنت کی ہے)۔

قاضی ابو بکر العربی (۶۴) جو ائمہ مالکیہ میں سے ہیں۔ان سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کہا تھا ''**ان ابا النبی** ﷺ **فی النار** ''(نبی کریم ﷺ کے والدگرامی آگ میں ہیں) انہوں نے جواب دیا ''**فهو ملعون** ''(وہ ملعون ہے) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ﴿**ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة** ﴾ اور فرمایا کہ اس سے بڑی تکلیف اور کیا ہوگی کہ آپ کے والد گرامی کے بارے میں مذکورہ قول کہا جائے۔(۶۵)

ابو الولید الباجی المالکی (۶۶) نے اس ضمن میں کہا ہے:

''**انه لا یجوز أن یؤذی النبی** ﷺ **بفعل مباح و لا غیره**'' (بے شک جائز نہیں ہے نبی کریم ﷺ کو کسی مباح فعل میں ایذا دی جائے) اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**انما فاطمة بضعة منی وانی لا احرم ما احل الله ولا لکن لا، والله ، لا تجتمع ابنته رسول الله** ﷺ **وابنته عدو الله عند رجلا ابدا** ''(۶۷) (بلاشبہ فاطمہ میری لخت جگر ہے اور میں اسے حرام نہیں کرتا جسے اللہ نے حلال کیا ہے لیکن بخدا! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔)

والدین مصطفیٰ ﷺ کے ایمان کے بارے میں علماء کے کئی مسالک وآراء ہیں۔جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

ا۔ والدین کریمین کو کسی کی دعوت نہیں پہنچی کیونکہ سابقہ انبیاء اور ان میں بعد زمانی تھا ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے۔ پھر دونوں کی عمریں بہت

کم تھیں۔روایت کے مطابق حضرت عبداللہ اٹھارہ سال کی عمر میں وفات پا گئے اور حضرت آمنہ بیس سال کی عمر میں وفات پا گئیں (٦٨) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے درمیان تین ہزار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔(٦٩) لہذا جس کو دعوت نہیں پہنچی وہ ناجی ہے، اور امتحان سے قبل عذاب نہیں ہوگا۔یہ تمام شافعی علماء اور اشاعرہ کا مذہب ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے (**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**) (٧٠) (اور ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیجیں) علماء نے (ناجی) اور (دین فطرت پر) اور (مسلم) کے الفاظ ایسے ہی لوگوں کے لئے استعمال کئے ہیں۔

٢۔ والدین مصطفیٰ ﷺ سے شرک وکفر ثابت نہیں بلکہ وہ دونوں دین حنیف پر تھے جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔جس طرح کہ قس بن ساعدہ ایادی اور زید بن عمرو بن نفیل (٧١) اور اس طرح کے دیگر لوگ عہد جاہلیت میں بھی دین فطرت پر تھے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے ۔(٧٢) اس مسلک کو ائمہ وحفاظ حدیث کی بڑی تعداد نے اختیار کیا ہے مثلاً ابن عسقلانی امام جلال الدین سیوطی ابن عساکر حافظ ابواحمد بن علی الخطیب البغدادی امام قرطبی حافظ ابوالقاسم السہیلی حافظ محبّ الدین الطبری ابن سید الناس الیعمری صلاح الدین الصفدری احمد بن محمد القسطلانی محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی وغیرھم (٧٣)

حوالہ جات وحواشی

پہلی فصل

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آباء واجداد
حضرت عدنان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بن ہاشم تک

(۱) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۹ ،
نهاية الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ، ص۳۵۲ ،
أسماء القبائل وأنسابها ، القزوینی ، ص۲۰۷

(۲) كتاب نسب قريش ، مصعب الزبيری :ص۵ ،جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۹

(۳) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۱۳

(۴) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۱۳،۱۴

(۵) الروض الأنف ، السهيلی :۱/۳۱۔سبل الهدی والرشاد ، شامی:۱/۲۹۲ ،
نهاية الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی :ص۳۷۸ ،
أسماء القبائل وأنسابها ،القزوینی ، :ص۲۵۰ ،
سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السويدی :ص۶۳

(۶) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۹۳

(۷) كتاب نسب قريش ، مصعب الزبيری :ص۵

(۸) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۹،۱۰

(۹) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۱۵

(۱۰) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۹۴

(۱۱) انساب الأشراف ، البلاذری :۵/۱ ، السویدی ، سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب:ص۶۰

(۱۲) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۹۴/۱ ، مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، الهیثمی ، :۲۲۱/۸

(الھیثمی نے اس روایت کو حضرت ابوامامہ الباہلی سے روایت کیا ہے اور طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ
اس کی سند میں الحسن بن فرقد ہے اور وہ ضعیف راوی ہے)

(۱۳) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۹۲/۱

(۱۴) الروض الأنف ، السهیلی :۳۰/۱

(۱۵) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۹۲/۱

(۱۶) انساب الأشراف ، البلاذری :۲۳/۱ ، کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۶۔

(۱۷) نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ،:ص۳۸۲ ،
جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۰ ،
السویدی ، سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب:ص۶۳

(۱۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۲۳/۱

(۱۹) سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، :ص۶۴

(۲۰) السهیلی ، الروض الأنف:۳۰/۱

(۲۱) افعی الجرهمی ،قدیم عہد جاہلیت میں مشہور دانشور اور فلسفی تھا۔وہ نزار بن معد کا ہمعصر تھا اور نجران میں رہتا تھا۔تمام عرب اپنے مقدمات کے تصفیہ کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ جو فیصلہ کر دیتا اس پر عمل کرتے تھے۔(المیدانی ، مجمع الامثال،دار الفکر ، مصر ۱۹۷۲ء: ۱۰/۱۔ الزرکلی ، الاعلام :۵/۲)

(۲۲)انساب الأشراف ، البلاذری :۲۹/۱

(۲۳) ایضاً:۳۰/۱

(۲۴) ایضاً:۳۰/۱

(۲۵)سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۹۰/۱

(۲۶) ایضاً:۲۹۱/۱

(۲۷) انساب الأشراف ، البلاذری :۳۰/۱ ، أسماء القبائل وأنسابها ، القزوینی :ص۲۵۰ ،

(۲۸) الروض الأنف ، السهیلی :۳۰/۱ ،انساب الأشراف ، البلاذری :۳۱/۱

(۲۹)ابن حجر العسقلانی ، فتح الباری:۱۴۶/۷

(۳۰) المحبر ، ابن حبیب :ص۲۴

(۳۱) صبر فواق: دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان میں وقفہ کو ''صبر فواق'' کہا جاتا ہے۔اونٹنی کو ایک دفعہ دوہنے کے بعد تھوڑی دیر اس کے بچے کو دودھ پینے دیا جاتا ہے تا کہ دودھ دوبارہ کثرت سے آئے اور دوبارہ دودھ دوہا جائے (الصحاح: الجوهری ، ۱۵۴۶/۴، مادہ:ف۔و۔ق)

(۳۲) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۹۱/۱

(۳۳) أسماء القبائل وأنسابها ، القزوینی ،ص۲۵۰ ،

نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی :ص۳۷۷ ،

کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۷، جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۰ ،سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، :ص۶۴

(۳۴) القزوینی ، أسماء القبائل وأنسابها :ص۳۹ ،

سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ص۶۷

(۳۵) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۹/۱

(۳۶) انساب الأشراف ، البلاذری :۳۱/۱

(۳۷) ترجمہ: یہ سل ہے یا جنون کی بیماری مجھے لگ گئی ہے۔ پس تم مجھ سے دور رہو، جو بیماری مجھے ہے وہ تمہیں نہ لگ جائے

(۳۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۲

(۳۹) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۸۹

(۴۰) ایضاً :۱/۲۸۹

(۴۱) السیرۃ النبویة ، ابن هشام : ۱/۱۶۱، انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۲
کتاب نسب قریش ،مصعب الزبیری :ص۷،جمهرۃ انساب العرب ، ابن حزم:ص۱۰

(۴۲) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۳

(۴۳) کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۷ ، ابن حزم جمهرۃ انساب العرب:ص۱۰

(۴۴) ابن حزم جمهرۃ انساب العرب :ص۲۲۲ ، الروض الأنف ، السهیلی :۱/۱۶۴۔ ابن عبد البر ، الاستیعاب فی معرفة الأصحاب:۱/۱۲۰

(۴۵) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۵ ، کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۸

(۴۶) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۳

(۴۷) السیرۃ النبویة ، ابن هشام : ۱/۱۸۶ ، انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۵۔کتاب نسب قریش ،
مصعب الزبیری ص۸

(۴۸) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۸۷

(۴۹) ایضاً

(۵۰) جمهرۃ انساب العرب ،ابن حزم ،ص۱۱

(۵۱) السیرۃ النبویة ، ابن هشام : ۱/۱۸۶

(۵۲) کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۸،۹

(۵۳) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۵

(۵۴) نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ، ص۳٦٦
اسماء القبائل وانسابها ، القزوینی ، :ص۲۴۵

(۵۵) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۸۵

(۵٦) جامع الترمذی ، امام الترمذی ،کتاب المناقب ، باب فی فضل النبی صلی الله علیه وسلم:۵/۵۸۳

(۵۷) السیرة النبویة ، ابن هشام :۱/۱۸٦

(۵۸) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۱

(۵۹) المرجع السابق

(٦۰) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۷، الروض الأنف ، السهیلی : ۱/۱۸٦

(٦۱) جمهرة انساب العرب ،ابن حزم ،ص۱۱

(٦۲) السیرة النبویة ، ابن هشام : ۱/۱۸٦

(٦۳) کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۸،۹

(٦۴) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۵

(٦۵) نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ، ص۳٦٦ ،
اسماء القبائل وانسابها ، القزوینی ، :ص۲۴۵

(٦٦) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۳۹

(٦۷) مصعب الزبیری ، نسب قریش:۱۲

(٦۸) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۸۳

(٦۹)جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص ۱۲

(۷۰) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۳/۱

(۷۱) ایضاً :۲۸۰/۱

(۷۲) سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ۲۲۷

نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ، ص۳۵۳

(۷۳) مصعب الزبیری ، نسب قریش:۱۲

(۷۴) الروض الأنف ، السهیلی ، ۱۸۶/۱

(۷۵) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم:ص۱۲

(۷۶) السیرة النبویة ، ابن هشام :۱۸۶/۱

(۷۷) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۲/۱،۲۸۳ ،الروض الأنف ، السهیلی ، ۱۸۶/۱، فتح الباری ، ابن حجر العسقلانی ،:۴۱۵/۶

(۷۸) وهب بن زمعه بن اسد ، اشراف بنی جمح میں سے تھا۔اس کا شمار اہل مکہ کے چند مشہور عشاق شاعروں میں ہوتا تھا۔حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی مدحت میں کئی قصائد کہے۔حضرت عبداللہ بن زبیر نے اسے یمن کے ایک علاقہ کا حاکم بھی مقرر کیا۔اس نے تہامہ میں ۶۳ھ/۶۸۳ء میں وفات پائی۔الزرکلی ، الأعلام:۱۲۵/۸

(۷۹) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۲/۱

(۸۰) السیرة النبویة ، ابن هشام :۱۸۸/۱

(۸۱)الروض الأنف ، السهیلی :۱۸۹/۱

(۸۲) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم:ص۱۱

(۸۳) الروض الأنف ، السهیلی :۱۹۱/۱

(۸۴) قریش البطاح میں: بنو عبد مناف ، بنو عبد الدار ، بنو عبد العزی ، بنو عبد بن قصی ، بنو زهره ، بنو مخزوم ، بنو تیم بن مره ، بنو جمح ، بنو سهم ، بنو

عـدی اور بنو عتیک شامل تھے۔جبکہ قریش الظواہر میں: بـنـو مـعـیـص بن عامر بن لؤی،بنو تیـم الأدرم بـن غـالـب ، بنو محارب بن فهر ، بنو الحارث بن فهر (ابوعبیدہ بن الجراح کا قبیلہ)اوربنو البیضاء شامل تھے۔ ، انساب الأشراف ، البلاذری :۳۹/۱،۴۰

الروض الأنف ، السهیلی ،۱۹۱/۱

(۸۵) السیرۃ النبویة ، ابن هشام :۱۸۶/۱

(۸۶) مصعب الزبیری ، نسب قریش:۱۲

(۸۷) جمهرۃ انساب العرب ، ابن حزم :ص ۱۲

(۸۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۳۹/۱

(۸۹) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۱/۱

(۹۰)ایضاً

(۹۱) لسان العرب ، ابن منظور الافریقی :۳۸۵/۱۲(مادہ،د۔ر۔م)

(۹۲) انساب الأشراف ، البلاذری :۴۰/۱ ، نسـب قـریـش:مـصـعـب الزبیری ، ۱۳ ،

جمهرۃ انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۲

(۹۳) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۸۰/۱

(۹۴) سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ۲۸۲

(۹۵) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۷۹/۱

(۹۶) قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے سہم اور جمح کو بھی اولادکعب میں تحریر کیا ہے(رحمۃ للعالمین: ۵۸/۲)

(۹۷) مصعب الزبیری ، نسب قریش:۱۳ انسـاب الأشـراف ، البلاذری :۴۷/۱جـمهـرۃ انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۳ سبـائـک الذهب فی معرفة قبـائل العرب ،السویدی ، ۲۸۲نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ،

ص۳۷۴۔اسماء القبائل وانسابها ، القزوینی ،ص۲۳۶

(۹۸) النجم :۶

(۹۹) القمر :۴۶

(۱۰۰) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۷۷/۱ ، الروض الأنف ، السهیلی ، ۲۰۲/۱

(۱۰۱) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۳

(۱۰۲) نسب قریش ، مصعب الزبیری ، ۱۳

(۱۰۳) انساب الأشراف ، البلاذری :۴۷/۱ ،القلقشندی ، نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب:ص۳۷۴

(۱۰۴) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۲۷۶/۱۔

(۱۰۵) انساب الأشراف ، البلاذری :۴۷/۱

(۱۰۶) نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب ، القلقشندی ، ص۳۱

(۱۰۷) سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ۱۹

(۱۰۸) انساب الأشراف ، البلاذری ۴۸/۱

(۱۰۹) مصعب الزبیری ، نسب قریش:۱۴ ،جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴ ، انساب الأشراف ، البلاذری :۴۸/۱

(۱۱۰)الروض الانف ، السهیلی ، ۲۵/۱۔ سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۲۷۱/۱

(۱۱۱) زہرہ کی اولاد بنوزہرہ کہلاتی تھی۔اس کے دو بیٹے عبدمناف اور حارث تھے،ان کی اولاد میں حضرت سعد بن وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف عشرہ مبشرہ میں تھے۔رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی انہی کی اولاد تھیں۔(سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ص۲۹۵۔التبیین فی انساب القرشیین ، ابن قدامه المقدسی ، ص۲۸۷۔۳۰۴)

(۱۱۲) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۴۸

(۱۱۳) مصعب الزبیری ، نسب قریش:ص۱۴

(۱۱۴) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۴۹

(۱۱۵) ایضاً :۱/۵۰

(۱۱۶) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۹۰

(۱۱۷) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۷۴

(۱۱۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۵۰

(۱۱۹) ابن سعد کے مطابق رزاح اپنی برادری کے تین سو افراد لے کر آیا تھا۔(الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۹۲)

(۱۲۰) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۷۴

(۱۲۱) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۹۵

(۱۲۲) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۵۱

(۱۲۳) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۷۵

(۱۲۴) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۹۴

(۱۲۵) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۵۲

(۱۲۶) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۹۴

(۱۲۷) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۵۲

(۱۲۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۱/۵۱

(۱۲۹) الروض الأنف ، السهیلی ، ۱/۲۸

(۱۳۰) یہ آگ ''نار المزدلفة '' کے نام سے مشہور تھی سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب،السویدی ،ص۴۶۳

(۱۳۱) سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱/۲۷۶ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن

سعد :۹۸/۱

(۱۳۲) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۱/۱ ، سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۲۷۶/۱

(۱۳۳) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۹۸/۱ انساب الأشراف ، البلاذری :۵۲/۱ ، سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۲۷۶/۱

(۱۳۴) نسب قریش ، مصعب الزبیری ، ص۱۴ ، جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴

(۱۳۵) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۹۳/۱ ،انساب الأشراف ، البلاذری :۵۳/۱

(۱۳۶) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۹۹/۱

(۱۳۷) القرآن . النساء :۵۸۔

(۱۳۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۳/۱

(۱۳۹) مصعب بن عمیر، جلیل القدر صحابی، سابقین اسلام میں سے ہیں۔ ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کا۔ عقبہ ثانیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اہل مدینہ کا معلم بنا کر بھیجا۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ التبیین فی انساب القرشیین ، ابن قدامه المقدسی ، :ص۲۴۳۔ مصعب الزبیری ، نسب قریش :ص۲۵۴ الاصابة : ابن حجر العسقلانی ، ت۷۹۹۶، اسد الغابة ، ابن الاثیر ، ۳۶۸/۲

(۱۴۰) السیرة النبویة ، ابن هشام:۶۲۶/۱

(۱۴۱) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۵/۱

(۱۴۲) ابوالروم بن عمیر، مصعب کا باپ کی طرف سے بھائی تھا اس کی ماں رومی خاتون تھی، سابقین اسلام میں تھا۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں شامل تھا۔ جنگ یرموک میں شہید ہوا۔ ابن قدامه المقدسی ، التبیین فی انساب القرشیین :ص۲۴۵

مصعب الزبیری ، نسب قریش :ص۲۵۴

(۱۴۳) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۶/۱

(۱۴۴) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۰۵/۱،۱۰۶

(۱۴۵) عربوں کے ہاں قول وقرار کو مضبوط کرنے کے لئے یہ محاورہ مستعمل تھا: ''ما بل بحر صوفة'' مطلب یہ تھا کہ کبھی اس کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے گی۔

(۱۴۶) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۷/۱

(۱۴۷) عام طور پر جب عرب کوئی حلف اٹھاتے تو نمک اور راکھ میں ہاتھ ڈالتے تھے ۔ اسماء القبائل وانسابها ،القزوینی ،ص۲۴۸)

(۱۴۸) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۶/۱

(۱۴۹) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۰۷/۱

(۱۵۰) الاستیعاب ، ابن عبد البر ،: ۳۵۰/۲ . ۳۵۷ .

(۱۵۱) ابو محمد علی بن عبداللہ رمضان المبارک ۴۰ ھ میں اس رات پیدا ہوئے جس کی صبح حضرت علی کو شہید کیا گیا اور انہی کے نام پر ان کا نام رکھا گیا۔ وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی (کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۲۸)

(۱۵۲) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم:ص۲۰۔

(۱۵۳) عبداللہ بن محمد، ابوجعفر المنصور، دوسرا عباسی خلیفہ ہے۔ ۹۵ھ/ ۷۱۴ء میں پیدا ہوا۔ اپنے بھائی ابو العباس السفاح کے بعد خلیفہ بنا۔ اپنے چچا عبداللہ بن علی پر فتح پائی۔ علویوں کی بغاوتوں کو ختم کیا۔ بغداد کو آباد کیا اور اس کا نام دار السلام رکھا۔ ۱۵۸ھ/ ۷۷۸ء میں وفات پائی۔ سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی : ص۳۷۲،۳۷۳

(۱۵۴) انساب الأشراف ، البلاذری :۵۷/۱

(۱۵۵) سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب :السویدی ،۳۰۵

(۱۵۶) مناة: اوس وخزرج اور اہل یثرب کا بت تھا(سبل الهدی والرشاد ، الشامی :۱

۲۷/۱)

(۱۵۷) السھیلی ، الروض الانف :۲۴/۱، ۲۵

(۱۵۸) انساب الاشراف ، البلاذری:۵۲/۱

(۱۵۹) الشعراء :۲۱۴

(۱۶۰) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۰۰/۱

(۱۶۱) تاریخ الرسل والملوک ، الطبری:۱۸۱/۲۔الکامل فی التاریخ ، ابن الأثیر ، ۷/۲

(۱۶۲) انساب الأشراف ، البلاذری :۶۱/۱، ۶۲

(۱۶۳) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۰۳/۱

(۱۶۴) مصعب الزبیری ، نسب قریش :ص۱۴۔ التبیین فی انساب القرشیین ، ابن قدامه المقدسی ، ص۱۷۷

(۱۶۵) الاصابة فی تمییز الصحابة،ابن حجر العسقلانی ، ت۵۳۷۵

(۱۶۶) سبائک الذھب فی معرفة قبائل العرب ، السویدی ، ص۳۰۹

(۱۶۷) نسب نامہ نبوی،مسز مدثر حمید، ص۷۷

(۱۶۸) التبیین فی انساب القرشیین:ابن قدامه المقدسی ، ص۱۷۸۔

(۱۶۹) نسب نامہ نبوی،مسز مدثر حمید، ص۷۹

(۱۷۰) نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۵

(۱۷۱) انساب الأشراف ، البلاذری :۶۲/۱

(۱۷۲) مصعب الزبیری کے مطابق ریطہ کی شادی معیط بن عامر بن عوف بن الحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ساتھ ہوئی اوراس نے ہلال کوجنم دیا(کتاب نسب قریش :ص۱۵)

(۱۷۳)جمھرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴ ، انساب الاشراف ، البلاذری :۵۸/۱۔الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۰۳/۱،سبل الھدی والرشاد ، الشامی :۲۶۹/۱

(۱۷۴) الصحاح ، الجوھری :۲۰۵۸/۵ (مادہ:ھشم)

(۱۷۵) سبل الہدی والرشاد، شامی ۱/ ۳۱۷

(۱۷۶) انساب الاشراف، البلاذری ۱/ ۵۸

(۱۷۷) انساب الاشراف ، البلاذری:۵۸/۱

(۱۷۸) عبداللہ بن الزبعری بن قیس السھمی القرشی ،عہد جاہلیت میں قریش کا شاعر تھا۔مسلمانوں کا سخت مخالف تھا۔فتح مکہ کے دن نجران کی طرف فرار ہو گیا۔لیکن بعد ازاں مکہ واپس آ گیا اور اسلام قبول کیا اور نبی کریم ﷺ کی نعت کہی۔(الأعلام ، الزرکلی :۸۷/۴)

(۱۷۹) ترجمہ: بلند مرتبہ عمرو نے اپنی قوم کے لئے روٹیاں توڑ کر ثرید تیار کی جبکہ مکہ کے لوگ قحط زدہ لاغر ہو رہے تھے۔

(۱۸۰) سبائک الذھب فی معرفة قبائل العرب ،السویدی :ص۳۱۴۔أسماء القبائل وأنسبھا ، القزوینی :ص۲۷۸۔

(۱۸۱) سبل الہدی والرشاد، شامی ۱/ ۳۱۷

(۱۸۲) بلوغ الارب، علامہ محمود شکری آلوسی، ۲/ ۲۸۳

(۱۸۳) تاریخ طبری، ۲/ ۱۸۰

(۱۸۴) ایضاً

(۱۸۵) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۰۷/۱

(۱۸۶) سبل الھدی والرشاد ، الشامی:۲۶۹/۱

(۱۸۷) منافرہ سے مراد: مفاخرت اور اس کا محاکمہ ہے۔عربوں میں دستور تھا کہ جب دو فریق اپنی اپنی عظمت پر زور دیتے تو اکابرین قوم کے مجمع عام میں ثالثوں سے فیصلہ کروایا جاتا تھا اور وہ کسی ایک کے حق میں فیصلہ کرتے تھے۔

(۱۸۸) انساب الاشراف ، البلاذری:۶۱/۱

(۱۸۹) التبیین فی أنساب القرشیین ، ابن قدامة مقدسی: ص۱۷۷ . الروض

الأنف ، السهیلی :۱/۱۵۷ .

البدایة والنهائیة ، ابن کثیر : ۲/۲۵۳ .

(۱۹۰) سقایہ: حجاج کرام کو پانی پلانا اور رفادہ: حجاج کرام کو کھانا کھلانا۔

(۱۹۱) انساب الاشراف ، البلاذری :۱/۶۰ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد : ۱/۱۰۷،سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۶۹

(۱۹۲)انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۶۴ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۰۹

(۱۹۳) انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۵۹

(۱۹۴) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۷۱

(۱۹۵) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۰۹،۱۱۰

(۱۹۶) انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۵۸

(۱۹۷) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴

(۱۹۸) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱/۲۷۰

(۱۹۹) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴، انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۸۷ ، کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۵۔۱۷۔الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۱۰

(۲۰۰) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴ ، کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۷ ، انساب الاشراف ، البلاذری :۱/۶۴،الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۱۳،الروض الأنف ، السهیلی :۱/۲۴

(۲۰۱) ان دونوں کا نام: معبد بن احیحه اورعمرو بن احیحه تھا۔(جمهرة أنساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴) مصعب بن الزبیری نے ان دونوں کی ایک بہن انیسہ کا ذکر کیا ہے۔(کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۶)

(۲۰۲) انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۶۴

معجم قبائل العرب القديمة والحديثة ، عمر رضا كحالة :ص۴۳۷

نهايةالأرب فى فنون الأدب ،النويرى:۳۶۰/۲

(۲۰۳) شاعررسول ﷺ جناب حسان کے والد ثابت بن المنذر بن حرام عمرہ کے لئے مکہ آئے اور یہاں مطلب سے ملے جوان کا دوست تھا،اور باتوں باتوں میں اسے اس کے بھتیجے شیبہ کے حسن وجمال اورشرافت کے بارے میں بتایا(الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۱۳/۱)

(۲۰۴) انساب الاشراف ، البلاذری:۶۴،۱

(۲۰۵) ابن سعد کے مطابق قریش مکہ نے اسے مطلب کا غلام کہا جبکہ مطلب نے وضاحت کی کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔لوگوں نے بنظرغائردیکھا تو شیبہ کو پہچان لیا(الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۱۵/۱)

(۲۰۶) انساب الاشراف ، البلاذری:۶۵/۱

(۲۰۷) ایضاً:۶۵/۱

(۲۰۸) ایضاً:۶۵/۱ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۳۰/۱ ، السيرة النبوية ، ابن هشام :۳۶/۱

(۲۰۹) خارج سے مراد شاعر کا بیٹا خارجہ بن حذافہ ہے۔

(۲۱۰) انساب الاشراف ، البلاذری:۶۶/۱

(۲۱۱) انساب الاشراف ، البلاذری:۶۷/۱

(۲۱۲) انساب الاشراف ، البلاذری:۶۸/۱

(۲۱۳) ایضاً، ۶۹/۱،۷۰

(۲۱۴) كتاب نسب قريش ، مصعب الزبيرى :ص۱۲۔السيرة النبوية ، ابن هشام:۲۰۵/۱۔ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۸۶/۱۔

(۲۱۵) انساب الاشراف ، البلاذری:۴۸/۱

(۲۱۶) انساب الاشراف ، البلاذری:۷/۱

(۲۱۷) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۲۰/۱

(۲۱۸) انساب الاشراف ، البلاذری :۷٦/۱،السیرۃ النبویۃ ، ابن هشام : ۱٦۳/۱،الروض الأنف ، السهیلی :۱٦٦/۱

(۲۱۹) چشمہ زمزم جس سے اب لاکھوں زائرین سیراب ہو رہے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لئے ظاہر فرمایا تھا۔عبدالمطلب کی بھی یادگار ہے۔

(۲۲۰) انساب الاشراف ، البلاذری:۷۸/۱،۷۹

(۲۲۱) انساب الاشراف ، البلاذری:۷۹/۱

(۲۲۲) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱۴۳/۱ انساب الاشراف ، البلاذری:۸۰/۱،۸۱

(۲۲۳) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۷۱/۱ انساب الاشراف ، البلاذری:۸۱/۱

(۲۲۴) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۴۴/۱ ، انساب الاشراف ، البلاذری :۸۲/۱، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ، ابن عبد البر (۲۳۲۹)(ترجمہ:سعید بن حیدہ)

(۲۲۵) مخرمه بن نوفل بن أهیب بن عبد مناف بن زهره بن کلاب القرشی الزهری ،فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔اپنے دور میں قریش کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔علم الانساب کے لئے لوگ ان سے رجوع کرتے تھے۔حضرت معاویہ کے زمانے میں ایک سو پندرہ سال کی عمر میں ۵۴ھ/٦۷۴ء میں مدینہ میں وفات پائی (کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۲٦۴۔ الاستیعاب، ابن عبد البر :(ت۲۳۸۷)

(۲۲٦) انساب الاشراف ، البلاذری:۸۲/۱،۸۳۔

(۲۲۷) جبل حراء جسے جبل نور بھی کہا جاتا ہے۔مکہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہیں پر نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

(۲۲۸) انساب الاشراف ، البلاذری:۸۳/۱

(۲۲۹) قابوس بن المنذر بن امرئ القیس بن النعمان بن الأسود اللخمی ،

حیرہ کا بادشاہ تھا۔ حیرہ دور جاہلیت میں عراق کا دارالحکومت تھا۔ اس نے تقریباً ۴۲ ق ھ/۵۸۲ء میں وفات پائی۔ (الزرکلی، الاعلام: ۱۷۰/۵)

(۲۳۰) انساب الاشراف ، البلاذری: ۸۴/۱

(۲۳۱) انساب الاشراف ، البلاذری: ۸۵/۱، السیرة النبویة ، ابن هشام: ۱۰۹/۱ الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد: ۱۳۸/۱

(۲۳۲) انساب الاشراف ، البلاذری: ۸۷/۱

(۲۳۳) کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری: ص ۱۷-۱۹۔

(۲۳۴) ام حکیم کو ''البیضاء'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔

(۲۳۵) الحارث ،عبدالمطلب کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور اس کے ساتھ ابوالحارث کنیت کرتے تھے۔

(۲۳۶) انساب الاشراف ، البلاذری: ۸۷/۱-۹۱

(۲۳۷) الزبیر، قریش کے حکام میں سے تھا، اور وہ عبداللہ اور ابوطالب سے بڑا تھا۔

(۲۳۸) قثم، بچپن میں کسی حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق قثم بن عبد المطلب، غیداق کا مادرزاد بھائی تھا، وہ الحارث کا بھائی نہیں تھا۔

(۲۳۹) ابولہب کا نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ عبدالمطلب اسے خوبصورت ہونے کی وجہ سے ابولہب کہہ کر پکارتے تھے۔

(۲۴۰) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم: ص ۱۴، ۱۵

(۲۴۱) رحمة للعالمین ، منصور پوری: ۶۹/۲

دوسری فصل

سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب ﷺ کے حالات زندگی

(۱) القاموس المحیط ،فیروز آبادی، ص:۲٦۸ (مادہ:ع۔ب۔د)

(۲) ابو بکر محمد بن القاسم بن محمد بن بشار الانباری :اپنے زمانہ میں ادب و لغت کے امام تھے۔شاعری اور اخبار عرب کے ماہر تھے۔انہیں تین لاکھ قرآنی شواہد یاد تھے، دریائے فرات کے کنارے انبار میں ولادت ہوئی۔خلیفہ الراضی باللہ کی اولاد کے اتالیق تھے۔بغداد میں ۳۲۸ھ میں وفات ہوئی(اعلام ، الزرکلی :٦ /۳۳۴)

(۳) سبل الھدی والرشاد ، شامی :۲۴۴/۱

(۴) الاسراء:۱

(۵) انساب الأشراف ،البلاذری :۹۱/۱

(٦) جمھرۃ انساب العرب ، ص ۱۴،۱۵ ، الطبری ، ۱/۵۰۱،۵۱۹ ، الکامل ، ۲/۲۷۳ ، السیرۃ الحلبیۃ، ۱/٦ ، سیرۃ ابن ھشام ، ۱/۱۱۲ ، ۱۱۳

(۷) زمزم: حرم مکہ میں کعبہ شریف کے پاس مشہور کنواں جو حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا اسلام کے لئے بطور معجزہ جاری ہوا۔مرورایام کے ساتھ بند ہو گیا اور حضرت عبدالمطلب نے دوبارہ کھدائی کر کے جاری کیا(معجم البلدان:الحموی ، ۱۴۷/۳)

(۸) الطبقات الکبری،ابن سعد :۱ /٦۰

(۹) انساب الأشراف، البلاذری :۱ /۷۸

(۱۰) ایضاً

(۱۱) سبل الھدی والرشاد ، الشامی:۲۴٦/۱۔

(۱۲) اس واقعہ سے قبل عرب میں انسانی دیت یعنی خون بہا کے لئے دس اونٹ مقرر تھے۔لیکن اس واقعہ کے بعد دیت کی مقدار عام طور پر سو اونٹ ہوگئی اور اسی طرح یہ واقعہ تمام ملک اور بنی نوع انسان کے

لئے یمن وبرکت کا موجب بن گیا اور سارے ملک میں انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔

(۱۳) سبل الهدی والرشاد ، الشامی:۱،/۲۴۶

(۱۴)سبل الهدی والرشاد ، ۲/۲۸۷

(۱۵)الطبری ، ۱/۱ ۵۰ ، البدایة ، /۳۱۳

(۱٦) السیرة الحلبیة ، ۱/۴٦، ۴۷ ،

(۱۷)ایضاً

(۱۸)ایضاً

(۱۹) الوفا ، ۱/۱ ۴ ، السیرة الحلبیة ، ۱/۵۲ ، سبل الهدی والرشاد ، ۲/۲۸۷

(۲۰) ایضاً

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً

(۲۳) ایضاً

(۲۴) جمهرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۱۴،۱۵

(۲۵) السیرة الحلبیة ، ۱/۴٦، ۴۷

(۲٦) السیرة الحلبیة ، ۱/۴٦، ۴۷ ، الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۸٦۱۔

(۲۷) اایضاً

(۲۸) انساب الاشراف ، البلاذری :۸۱/۱

(۲۹) جمهرة انساب العرب ، ص ۱۴، ۱۵ ، الطبری ، ۱/۱ ۵۰، ۵۱۹ ، الکامل ، ۲/۲۷۳ ، السیرة الحلبیة ، ۱/٦ ، سیرة ابن هشام ، ۱/۱۱۲ ، ۱۱۳

(۳۰) جمهرة انساب العرب ، ص ۱۴، ۱۵ ، الطبری ، ۱/۱ ۵۰، ۵۱۹ ، الکامل ، ۲/۲۷۳ ، السیرة الحلبیة ، ۱/٦ ، سیرة ابن هشام ، ۱/۱۱۲ ، ۱۱۳ ، سبل

الھدی والرشاد ، ۱/۲۸۸

(۳۱)الروض الانف ، ۱/۱۰۳

(۳۲) الطبری ، ۱/۱ ۵۰، الکامل ، ۲/۲۷۳، ابن خلدون ، ۱/۵۰۷ ، البدایة ، ۱/۳۱۳

(۳۳) کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۷ انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۵۳۳

(۳۴) جمھرة انساب العرب ، ابن حزم:ص۱۷

(۳۵) بلاذری نے اہیب بن عبدمناف نقل کیا ہے جبکہ دیگر کتب میں وہیب بن عبدمناف ہے (انساب الأشراف ، البلاذری :۱ /۷۹)

(۳۶) جمھرة انساب العرب ، ابن حزم :ص۶۷

(۳۷) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۴۱

(۳۸) کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۱۷۔ انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۵۳۳،ابن ھشام سیرة النبویة : ۱ /۲۳

(۳۹) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی ، امام سیوطی :ص۳۲

(۴۰)انساب الاشراف ، البلاذری :۱/۹۲ ،جمھرة انساب العرب ، ابن حزم :ص ۶۶،۶۷ ، کتاب نسب قریش ، مصعب الزبیری :ص۲۰،۲۱

(۴۱) الطبقات الکبریٰ ، ابن سعد :۱/۱۴۲ ،انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۹۲

(۴۲) انساب الاشراف ، البلاذری:۱/۹۲

(۴۳) والدہ ماجدہ ، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر:۱۶۵

(۴۴) ایضاً

(۴۵) ایضاً

(۴۶) روزنامہ نوائے وقت،۲۱ جنوری ۱۹۷۸ بمطابق ۱۱ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

تیسری فصل

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایمان

(۱) البیهقی . السنن الکبری ، کتاب النکاح ، باب الانساب کلها منقطعة الا نسبه ﷺ :۷/۶۴ ، الشوکانی ، الفوائدالمجموعة فی الأحادیث الموضوعة ، حیدر آباد الهند ۱۳۴۴ھ : ص ۳۲۱

(۲) حاکم، المستدرک علی الصحیحین:۴/۸۶

(۳) حضرت واثلہ بن الاسقع بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔شام میں مقیم ہوئے اور یک سو پانچ سال کی عمر میں ۸۵ھ میں وفات پائی (ابن حجر عسقلانی، تقریب التھذیب:۲/۳۲۸)

(۴) الترمذی ، جامع الترمذی ، کتاب المناقب ، باب فی فضل النبی ﷺ : ۵/۵۸۳حدیث : ۳۶۰۵ . احمد بن حنبل ، المسند : ۴/۱۰۷ حدیث : ۱۷۰۲۷ . البیهقی ، السنن الکبری : ۷/۱۳۴ حدیث : ۱۳۵۴۲

(۵) ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف مشہور صحابی اور حضرت امیر معاویہ کے والد ہیں۔دور جاہلیت میں قریش کے سردار تھے۔مشرکین مکہ کے قائد کی حیثیت سے اسلام کے خلاف برسرپیکار رہے۔فتح مکہ ۸ھ میں اسلام قبول کیا۔مدینہ منورہ میں ۳۱ھ/۶۵۲ء میں وفات پائی ، الزرکلی، الأعلام:۳/۲۰۱

(۶) الشامی ، سبل الهدی والرشاد ، دار الکتب العلمیة ، بیروت : ۱/۲۳۵

(۷) الأنعام : ۱۲۴

(۸) الشعراء : ۲۱۹

(۹) الشامی ، سبل الهدی والرشاد : ۱/۲۳۵

(۱۰) ابو نعیم ، دلائل النبوة : ص ۲۵

(۱۱) البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب المناقب : حدیث ۳۵۵۷ . مسلم ، صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة : ۱۹۶۱/۴ . الترمذی ، جامع الترمذی کتاب الفتن : باب ما جاء فی القرن الثالث : ۴۳۴/۴ . ابو داؤد ، سنن ابی داؤد ، کتاب السنة ، باب فی فضل اصحاب الرسول ﷺ : ۲۱۴/۴

(۱۲) ابونعیم، دلائل النبوۃ: ص ۲۵

(۱۳) الأحزاب: ۳۳

(۱۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، الهیثمی ، دار الکتاب العربی ، بیروت ۱۹۸۷ء : ۲۱۴/۸

(۱۵) دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشریعة ، البیهقی ، دار الکتب العلمیة ، بیروت : ۶۰/۱

(۱۶) سبل الهدی والرشاد ، الشامی : ۲۳۶/۱ . ابو نعیم ، دلائل النبوة : ص ۲۶

(۱۷) الدر المنثور ، امام سیوطی ،دار المعرفة ، بیروت : ۲۹۵/۳ ، علی المتقی ، کنز العمال : حدیث : ۳۲۰۱۰

(۱۸) التوبۃ: ۱۲۸

(۱۹) زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ نادان لوگ اپنی بیویوں کو سرداران قوم کے پاس بھیجتے تا کہ وہ ان سے حاملہ ہوں اوران جیسا سردار جنم دیں اور کبھی یوں ہوتا کہ کوئی عورت کئی مردوں کے قریب جاتی اور جب اولاد زنا پیدا ہوتی تو ان مردوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کر دیتی اور وہ اسی مرد کی اولاد کہلاتی ۔ یہ سب سفاح کی صورتیں تھیں ۔ السہیلی ، الروض الأنف: ۲۴۵/۱

(۲۰) البیهقی ، السنن الکبری : ۱۹۰/۷ . ابن سعد ، الطبقات الکبری : ۳۲/۱ . السیوطی ، الدر المنثور : ۲۹۴/۳

(۲۱) ابونعیم، دلائل النبوۃ: ص ۲۴

(۲۲) ابن سعد، الطبقات الکبری: ۲۱/۱

(۲۳) السهيلى ، الروض الأنف : ۱/۱ ۲۱ ۱
(۲۴) طبقات،۲۵/۱
(۲۵) التوبہ،۹:۱۲۸
(۲٦) شرح الزرقانی علی المواہب، ۱:٦۷
(۲۷) البدایہ والنہایہ، ۲:۲۵۵،۲۵٦
(۲۸) البدایہ والنہایہ، ۲:۲۵٦ ، دلائل النبوۃ، للبیہقی
(۲۹) الشعراء ،۲٦:۲۱۷،۲۱۹
(۳۰) دلائل النبوۃ۔ابونعیم،۲۵
(۳۱) دلائل النبوۃ۔ابونعیم،۲۴
(۳۲) تفسیر ابن کثیر،۳:۳۵۲
(۳۳) البدایہ والنہایہ،۲:۲۵٦، بحوالہ صحیح البخاری
(۳۴) الحاوی للفتاوی،للسیوطی،۲:۳٦۷
(۳۵) جامع الترمذی، ۲:۲۰۱
(۳٦) ایضاً
(۳۷) طبقات ابن سعد ،۱:۲۰
(۳۸) البدایہ والنہایہ، ۲ :۲۵۷
(۳۹) الحاوی للفتاوی للسیوطی، ۲:۳٦۹ ، بحوالہ طبرانی،بیہقی ،ابونعیم
(۴۰) البدایہ والنہایہ، ۲:۲۵۸ سیرۃ حلبی،۱:۲۸
(۴۱) الشعراء:218.219
(۴۲) تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:16023، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ، 1417ھ
(۴۳) دلائل النبوۃ، ج1، رقم الحدیث :17، الطبقات الکبریٰ ج 1 ص22، مطبوعہ

دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

(۴۴) المعجم الکبیر رقم الحدیث: 12021، مسند البزار رقم الحدیث: 2242 م مجمع الزوائد رقم الحدیث 11247، حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان کی سندوں کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں، سوائے شعیب بن بشر کے اور وہ بھی ثقہ ہے، تاریخ دمشق الکبیر ج 3 ص 226، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1421ھ

(۴۵) صحیح البخاری رقم الحدیث: 3557، مسند احمد رقم الحدیث: 9360، 8843، دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد ج 2 ص 417، طبع قدیم مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: 5739، دلائل النبوۃ للبیہقی ج 1 ص 175، کنز العمال رقم الحدیث: 32205

(۴۶) التوشیح ج 3 ص 387 مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت، 1420ھ

(۴۷) سنن الترمذی رقم الحدیث: 3605، الطبقات الکبریٰ ج 1 ص 18، مسند احمد ج 4 ص 107، البدایه والنهایه ج 2 ص 201، 1318ھ

(۴۸) الطبقات الکبریٰ ج 1 ص 18، جمع الجوامع رقم الحدیث: 15307، کنز العمال رقم الحدیث: 32122

(۴۹) البدایه والنهایه ج 2 ص 21، مطبوعه دار الفکر بیروت، 1418ھ

(۵۰) المطالب العالیه ج 4 ص 177، رقم الحدیث: 4257، 4256، مکه مکرمه

(۵۱) الدر المنثور ج 6 ص 299 . 298، مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت، 1421ھ

(۵۲) الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: 630، ص 283، مطبوعه دار الباز مکه مکرمه، 1412ھ

(۵۳) الروض الانف ج 1 ص 299، مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت، 1418ھ

چوتھی فصل
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بارے میں اسلاف کا نقطہ نظر

(۱) الشعراء:۲۱۸، ۲۱۹

(۲) التوبہ:۲۸

(۳) اسرار التنزیل وانوار التاویل ص268 ,267،مطبوعہ دار الکتب والوثائق بغداد،عراق 1990ء

(۴) الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث:630،ص283،مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ،1412ھ

(۵) رقم الحدیث:630

(۶) رقم الحدیث:626، ص283

(۷) صحیح مسلم رقم الحدیث:203،سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4718

(۸) النساء:18

(۹)

(۱۰) جامع البیان رقم الحدیث:1559 ,1558

(۱۱) تذکرۃ ج1ص37 ,35،موضحا،مطبوعہ دار البخاری،1417ھ

(۱۲) صحیح مسلم رقم الحدیث:203،

(۱۳) تاریخ دمشق الکبیر جز43ص194،19مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1421ھ کنز العمال رقم الحدیث:37417

(۱۴) احزاب:57

(۱۵) الروض الانف ج 1ص 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت،1418ھ

(۱۶) اکمال اکمال المعلم ج1 ص617 ,616، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، 1415ھ

(۱۷) اکمال اکمال المعلم ج 1 ,ص 621 ,620، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1415ھ

(۱۸) مطبوعہ عالم الکتب بیروت، 1419ھ

(۱۹) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، 1421ھ

(۲۰) المیزان الکبریٰ ج1 ص54,55 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 1418ھ

(۲۱) بنی اسرائیل: 15

(۲۲) طہ: 134

(۲۳) الانعام: 131

(۲۴) الشعراء: 218,219

(۲۵) المقامۃ السندسیہ ص3,4، مطبوعہ مجلس دائرہ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن 1316ھ

(۲۶) دلائل النبوۃ: ۵/ ۶۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

(۲۷) البدایہ والنہایہ ۳/ ۶۲۶ ، زاد المعاد: ۳/ ۴۷۰ ، المعجم الکبیر رقم الحدیث: 4167 ، المستدرک ۲/ ۳۲۷ ، تاریخ دمشق الکبیر: ۳/ ۲۳۱، ۲۳۲ ، الجامع لاحکام القرآن: ۱۳/ ۱۳۵ ، المواہب ج 1 ص 352، دار الکتب العلمیہ ، شرح المواہب للزرقانی ج3 ص84,85، سبل الہدی والرشاد ج5 ص469,470، حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے المقامۃ السندسیہ میں علامہ سہیلی اور علامہ ابی کی مفصل عبارات بھی لکھی ہیں ان کی عبارات کا خلاصہ لکھا جاچکا ہے، اس رسالہ کے کل بیس صفحات ہیں۔

(۲۸) الانعام: 131

(۲۹) جامع البیان رقم الحدیث: 16722، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 13213، الجامع لاحکام القرآن جز10 ص209

(۳۰) جامع البیان رقم الحدیث: 29053

(۳۱) بنی اسرائیل:15

(۳۲) الشعراء:219 ,218

(۳۳) صحیح البخاری رقم الحدیث:3557

(۳۴) مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:9162 جدید، ج5 ص96 قدیم

(۳۵) الاحزاب:57

(۳۶) الناسخ والمنسوخ ص284

(۳۷) الدرج المنیفہ ص14

(۳۸) الناسخ والمنسوخ ص283، رقم الحدیث:626، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1412ھ

(۳۹) الناسخ والمنسوخ ص284، رقم الحدیث:630، مسند احمد ج1 ص398,399، رقم الحدیث :3786 عالم الکتب ، مسند البزار ج1 ص251، المعجم الکبیر ج10 ص 80,81، رقم الحدیث:10017، المستدرک ج2 ص364,365، قدیم، رقم الحدیث:3385، جدید، مجمع الزوائد ج10 ص362

(۴۰) الناسخ والمنسوخ ص284,285، رقم الحدیث:630، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1412ھ

(۴۱) البقرۃ:217

(۴۲) البقرۃ:162,163

(۴۳) صحیح البخاری رقم الحدیث:5101، الطبقات الکبریٰ ج1 ص87

(۴۴) صحیح البخاری الحدیث:3883، صحیح مسلم رقم الحدیث:209

(۴۵) کتاب الموضوعات ج1 ص283,284، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ 1388ھ

(۴۶) میزان الاعتدال ج6 ص115 ، رقم الحدیث :7288,7410 ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1416ھ

(۴۷) میزان الاعتدال ج6 ص364، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، 1416ھ
(۴۸) لسان المیزان ج5 ص420، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت، 1390ھ
(۴۹) ایضاً 4/91,92، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت، 1390ھ
(۵۰) لسان المیزان ج4 ص305، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت، 1390ھ
(۵۱) التعظیم والمنۃ ص17، مطبوعہ حیدرآباد دکن، 1317ھ
(۵۲) الطبقات الکبریٰ ج1 ص100، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، کنزالعمال رقم الحدیث 5871:
(۵۳) التعظیم والمنۃ ص6,7
(۵۴) التعظیم المنۃ ص8,9
(۵۵) التعظیم والمنۃ ص18، مطبوعہ حیدرآباد دکن، 1317ھ
(۵۶) الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث:631
(۵۷) الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث:632,633
(۵۸) التعظیم والمنۃ ص 20,21، مطبوعہ دائرہ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن، 1317ھ
(۵۹) المائدہ:75
(۶۰) ھود:73
(۶۱) القصص:7
(۶۲) نوح:28
(۶۳) تاریخ دمشق الکبیر ج67، ص121، ج53 ص237، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، 1421ھ
(۶۴) التعظیم المنۃ ص21,22، دائرہ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن، 1317ھ
(۶۵) صحیح البخاری رقم الحدیث:5101، الطبقات الکبریٰ ج1 ص87

(۶۶) التعظیم والمنۃ ص23،مطبوعہ دائرہ المعارف النظامیہ،دکن،1317ھ

(۶۷) الانعام:164

(۶۸) الاستذکار ج8 ص401،رقم الحدیث :12099،مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ،السنہ لابن ابی عاصم رقم الحدیث:213،مجمع الزوائد ج7 ص212

(۶۹) التعظیم والمنۃ ص24,25، مطبوعہ دائرہ المعارف النظامیہ،مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1317ھ

(۷۰) مسند احمد ج6 ص208، الاستذکار رقم الحدیث :2099، مجمع الزوائد ج7 ص 217

(۷۱) صحیح البخاری رقم الحدیث :1383،صحیح مسلم رقم الحدیث :2660،سنن ابو داؤد رقم الحدیث:4711،سنن النسائی رقم الحدیث:1950

(۷۲) سنن ابی داؤد رقم الحدیث:4712

(۷۳) معجم الکبیر رقم الحدیث : 1838، المعجم الصغیر رقم الحدیث :2168، الاستذکار رقم الحدیث:12098،مجمع الزوائد ج7 ص219

(۷۴) صحیح البخاری رقم الحدیث:7047،صحیح مسلم رقم الحدیث:2275،سنن الترمذی رقم الحدیث:2295،السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:7658

(۷۵) مسند البزار رقم الحدیث:2750,2751،المستدرک ج2 ص609،مجمع الزوائد ج9 ص416، کنز العمال رقم الحدیث:34076

(۷۶) تاریخ دمشق الکبیر ج 21، ص362، دلائل النبوۃ للبیہقی ج2 ص113، رقم الحدیث:4673،داراحیاء التراث العربی بیروت،1421ھ،کنز العمال رقم الحدیث:37860

(۷۷) معجم الکبیر ج18 ص265 رقم الحدیث:663

(۷۸) التعظیم والمنۃ ص 44,45،مطبوعہ دائرہ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن 1317ھ

(۷۹) البقرۃ،۲/۲۲۱

(۸۰) البخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر:۱۲۵۴

(۸۱) اخرجہ عبدالرزاق وابن المنذر

(۸۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری:۲/۵۳۶

(۸۳) ایضاً

(۸۴) التوبہ:۹/۲۸

(۸۵) دلائل النبوۃ، ابونعیم:۱۹۲

(۸۶) ایضاً

(۸۷) الشعراء،۲۶:۲۱۷،۲۱۸

(۸۸) الضحیٰ:۹۳/۵

(۸۹) مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر:۳۴۷

(۹۰) البخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر:۱۲۵۴

(۹۱) ایضاً

(۹۲) الحاوی للفتاویٰ:۲/۳۹۶

(۹۳) الترمذی، حدیث نمبر:۲۴۶۷

(۹۴) الفرقان:۲۵/۲۳

(۹۵) لقمان:۳۱/۱۴

(۹۶) الحشر:۵۹/۲۰

(۹۷) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۱۳۵۶

(۹۸) المنافقون:۲۳/۸

(۹۹) حجرات:۴۹/۱۳

(۱۰۰) البخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر:۲۲۵۴

(۱۰۱) الحاوی للفتاوی، امام سیوطی: ۲۴۵
(۱۰۲) ایضاً
(۱۰۳) الجامع الکبیر، جلال السیوطی: ۵۶۷
(۱۰۴) ایضاً
(۱۰۵) ھود: ۴۶/۱۱
(۱۰۶) سنن ابوداؤد ، حدیث نمبر: ۱۳۵۶
(۱۰۷) البینة: ۶، ۷
(۱۰۸) معجم الکبیر، طبرانی: ۴۵۶/۱
(۱۰۹) طبقات ابن سعد: ۱۴۵/۲
(۱۱۰) ایضاً
(۱۱۱) الانعام: ۱۲۴/۶
(۱۱۲) سیرت ابن ہشام: ۲۶۷/۲
(۱۱۳) البخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۱۳۵۴
(۱۱۴) سیرۃ الرسول ﷺ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری: ۵۴۹/۲
(۱۱۵) ایضاً
(۱۱۶) التوبہ: ۶۱/۹
(۱۱۷) سیرۃ الرسول ﷺ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری: ۵۴۹/۲
(۱۱۸) جامع الترمذی: حدیث نمبر: ۳۴۵۶
(۱۱۹) صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۱۴۵۶
(۱۲۰) ایضاً
(۱۲۲) الضحیٰ: ۵
(۱۲۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان،

(۱۲۴) ایضاً

(۱۲۵) ایضاً

(۱۲۶) الحاوی للفتاوی، امام سیوطی: ۲/۳۹۶

(۱۲۷) جامع ترمذی، حدیث نمبر:

(۱۲۸) الفرقان: ۲۳

(۱۲۹) لقمان: ۱۴

(۱۳۰) الحشر: ۲۰

(۱۳۱) ابوداؤد حدیث نمبر ۴۳۸۸: ،نسائی، حدیث نمبر: ۱۶۵۴

(۱۳۲) المنافقون: ۸

(۱۳۳) الحجرات: ۱۳

(۱۳۴) مسند امام احمد، حدیث نمبر: ۹۳۴۵

(۱۳۵) نسائی حدیث نمبر: ۱۹۸۷

(۱۳۶) ایضاً

(۱۳۷) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۳۸۷

(۱۳۸) الجامع الکبیر، امام سیوطی: ۶۷۸

(۱۳۹) ھود: ۴۶

(۱۴۰) ابوداؤد:

(۱۴۱) البینۃ: ۶، ۷

(۱۴۲) معجم الکبیر، طبرانی: ۲۴۶۵

(۱۴۳) طبقات ابن سعد: ۲/۱۴۵

(۱۴۴) ایضاً

(۱۴۵) الانعام: ۱۲۴

(۱۴۶) معجم الکبیر، طبرانی: ۲۴۷۰
(۱۴۷) بخاری: حدیث نمبر: ۲۶۵۴، مسلم، حدیث نمبر: ۱۳۵۴
(۱۴۸) معجم الکبیر، طبرانی: ۲۴۷۰
(۱۴۹) التوبہ: ۶۱
(۱۵۰) معجم الکبیر، طبرانی: ۲۴۷۳
(۱۵۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۵۴
(۱۵۲) احیاء علوم الدین، امام غزالی: ۱۴۸
(۱۵۳) بخاری، حدیث نمبر: ۱۰۹۴

پانچویں فصل

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بارے میں اعتراضات اور ان کے جواب

(۱) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی: ۳/ ۲۷۶
(۲) الشعراء: ۲۱۹
(۳) جامع ترمذی: حدیث نمبر ۸۶۵
(۴) سبل الہدی والرشاد، ۱/ ۲۸۸
(۵) حقیقت فقہ حنفیہ ص ۱۹
(۶) طحطاوی جلد دوم ص ۸۰ مطبوعہ بیروت طبع جدید
(۷) مرقات شرح مشکوۃ ۴/ ۱۱۳، باب زیارۃ القبور
(۸) یہ روایت علامہ السیوطی نے ''نشر العلمین فی احیاء الابوین الشریفین'' کے ص ۵ پر ذکر کیا ہے

(۹) التوبہ : ۸۳
(۱۰) الدرجۃ المنیفۃ فی آباء الشریفۃ: ۱۷
(۱۱) الفتح الربانی: ۸/ ۱۷۱ مطبوعہ قاہرہ
(۱۲) سیرۃ الرسول بحوالہ حاشیہ نبراس ص ۵۲۶
(۱۳) مسلم شریف تذکرۃ باب من مات علی الکفر فھو فی النار ص ۱۱۴
(۱۴) مسالک الحنفاء، ص ۴۳ تا ۴۵
(۱۵) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۱۶۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید
(۱۶) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفے ص ۳۹ تا ۴۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن
(۱۷) تفسیر ابن جریر طبری، ۱/ ۴۰۹، مطبوعہ بیروت طبع جدید
(۱۹) الاحزاب: ۲۲
(۲۰) اسراء: ۶۶
(۲۱) تفسیر کبیر : ۱۹/ ۱۷۵، ۱۷۶
(۲۲) مسالک الحنفاء، ص ۳۔۴
(۲۳) الانعام پ ۸ آیت ۱۳۱
(۲۴) تفسیر قرطبی: ۷/ ۸۷
(۲۵) تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۷۸
(۲۶) پ ۱۶ طٰہٰ آیت ۳۴
(۲۷) تفسیر صفوۃ التفاسیر، ۲/ ۲۵۲
(۲۸) قصص، پ ۲۰ آیت ۴۷
(۲۹) تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۹۲
(۳۰) پ ۲۰ القصص آیت ۵۹
(۳۱) تفسیر صفوۃ التفاسیر ۲/ ۴۴۰

(۳۲) پ۱۹ الشعراء آیت ۲۰۸-۲۰۹

(۳۳) تفسیر صفوۃ التفاسیر، ۲/۳۹۶

(۳۴) قس بن ساعدہ بن عدی بن مالک الایادی، قبیلہ بنوایاد سے تھا۔ عرب کا عظیم دانشور اور خطیب تھا۔ وہ پہلا خطیب تھا جس نے تلوار اور لاٹھی پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔ اور وہ پہلا شخص ہے جس نے ''اما بعد'' کے الفاظ استعمال کئے۔ وہ قیصر روم کے ہاں بڑا معزز و مکرم تھا۔ دور جاہلیت کی طویل العمر شخصیات میں سے تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے قبل از نبوت عکاظ کے بازار میں دیکھا اور بعد از نبوت جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ روز قیامت اکیلا ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔ الاعلام، الزرکلی: ۵/۱۹۶

(۳۵) **ابو عبد الله ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي البكري المعروف امام فخر الدين رازی** ،معقول و منقول اور علوم اسلاف میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ قریشی النسب تھے۔ رے میں ۵۴۴ھ میں ولادت ہوئی اور ہرات میں ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ آپ فارسی زبان کے بھی عالم تھے اور عربی و فارسی کے شاعر بھی تھے۔ آپ کی نادر تصنیفات میں سے تفسیر کبیر ''مفاتیح الغیب'' ہے۔ الزرکلی، الاعلام: ۶/۳۱۳

(۳۶) سبل الھدی والرشاد، الشامی، ۱/۲۵۴

(۳۷) اکثر علماء کرام کی رائے ہے کہ آزر اور تارح دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ ان میں آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جسے مجازاً باپ کہا گیا۔ جبکہ آپ کے والد کا نام تارح تھا اور وہ بت پرست نہ تھا اور اس کی وفات حضرت ابراہیم کی ولادت سے پہلے ہوگئی تھی۔ اس لیے آپ کی پرورش آزر نے کی۔ **السهيلي ، الروض الانف : ۱/۳۵ . الطبری ، تاريخ الرسل والملوك : ۱/۵۱۸ . الشامي ، سبل الهدى والرشاد : ۱/۲۵۵**) (آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا

(۳۸) الشعراء: ۲۱۹

(۳۹) ابونعیم، دلائل النبوۃ: ص ۲۵

(۴۰) التوبۃ: ۲۸

(۴۱) **جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضیری السیــوطی** ،امام حافظ حدیث،مؤرخ،ادیب اور ماہر لغت تھے تقریباً چھ سو کتابیں تالیف کیں جو اپنے موضوع ومعلومات کے لحاظ سے منفرد ہیں۔**الـدر الـمـنثـور فی التفسیر بالماثور ، المزہر فی اللغة ، تاریخ الخلفاء** اورالاتقان فی علوم القرآن آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء میں قاہر میں وفات پائی۔(الاعلام،الزرکلی:۳/۳۰۱

(۴۲) امام سیوطی نے ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں چھ رسائل تحریر کیے ہیں جو ایک مجموعہ کی شکل میں مجلس دائرۃ المعارف انتظامیہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہو چکے ہیں

(۴۳) **الجامع الصحیح ، امام بخاری ، کتاب المناقب : ۳/۱۳۵۹ حدیث : ۳۵۵۷**

(۴۴) **سبل الهدی والرشاد ، الشامی : ۱/۲۵۶**

(۴۵) امام احمد بن حنبل اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے ایک فقہ حنبلی کے بانی مشہور عالم دین اور محدث تھے۔ان کی ولادت ۱۶۴ھ/۷۸۰ء میں ہوئی۔مسئلہ خلق قرآن کے خلاف جدوجہد کی اور امراء کی طرف سے صعوبتیں برداشت کیں۔آپ کی فقہ کے ائمہ میں امام ابن تیمیہ زیادہ معروف ہیں۔ آپ کا انتقال ۲۴۱ھ/۸۵۵ء میں ہوا(**الـذهبی ،شـمس الدین محمد بن احمد : سیر اعلام النبلاء ، مؤسسة الرسالة ، بیروت ۱۴۱۳ھ : ۱۱/۳۵۸**

(۴۶) سبل الهدی والرشاد،الشامی:۱/۲۵۶

(۴۷) البقرۃ:۲۲۱

(۴۸) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی ،سیوطی ،مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف انتظامیہ،حیدر آباد دکن ۱۳۳۴ھ:ص۵۴

(۴۹) الطبقات الکبری،ابن سعد:۱/۵۹

(۵۰) سبل الهدی والرشاد،الشامی:۱/۲۵۷

(۵۱) البقرۃ:۲۱۳

(۵۲) نوح:۲۸

(۵۳) سبل الھدی والرشاد،الشامی:۱/ ۲۵۷

(۵۴) ابن سعد،طبقات الکبری:۱/ ۵۹

(۵۵) سبل الھدی والرشاد،الشامی،:۱/ ۲۵۷

(۵۶) **السیوطی ، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ** :ص۳۴

(۵۷) عمرو بن لحی ،قبیلہ خزاعہ کا سربراہ تھا۔ اس نے تقریباً ۲۵۰ء میں دین ابراہیمی کی عبادت میں بت پرستی شامل کی اور کعبہ شریف کو بتوں سے بھردیا(**السھیلی ، الروض الانف : ۱/۱۶۴ . الطبری ، تفسیر جامع البیان : ۷/ ۵۶ . احمد بن حنبل ، مسند : ۲/۲۷۵**

(۵۸) بلاذری نے بھی مضراور ربیعہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے:'' **قال رسول الله ﷺ : لا تبسوا مضر و ربیعة ، فانهما قد أسلما** ''(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:مضراور ربیعہ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے)(البلاذری،انساب الاشراف:۱/ ۳۱)

(۵۹) مرہ بن کعب اور حضرت عبدالمطلب کے درمیان چار اجداد ہیں جن کے بارے میں وضاحت کے ساتھ معلومات موجود نہیں ہیں۔(الشامی،سبل الھدی والرشاد،الشامی:۱/ ۲۵۷)

(۶۰) علی المتقی،کنز العمال:حدیث:۳۷۴۱۷)۔السھیلی،الروض الانف:۱/ ۲۹۹۔

(۶۱) الأحزاب:۵۷

(۶۲) ابوبکر محمد بن عبداللہ،ابن العربی،حدیث وفقہ اصول،علوم قرآن،نحو اور تاریخ کے عالم تھے،اشبیلیہ میں ولادت و پرورش ہوئی اور وہاں پر قضا کے عہدے پر فائز رہے'' العواصم من القاسم'' آپ کی مشہور تالیف ہے۔فاس میں ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء میں وفات پائی۔(الاعلام،الزرکلی:۶/ ۲۳۰

(۶۳) سبل الھدی والرشاد،الشامی :۱/ ۲۶۰

(۶۴) ابوالولید الباجی،سلیمان بن خلف بن سعد القرطبی،مالکی فقیہ ومحدث تھے۔اندلس کے شہر باجہ میں ولادت ہوئی۔۴۲۶ھ میں حجاز آئے اور وہاں تین سال تک قیام کیا پھر تین سال بغداد میں رہے اور کچھ دیر موصل،دمشق اور حلب میں قیام کے بعد اندلس لوٹ گئے اور وہاں قاضی کے عہدے پر فائز

رہے۔۴۷۴ھ/ ۱۰۷۹ء میں وفات پائی۔(الاعلام، الزرکلی:۳/ ۱۲۵

(۶۵) سبل الھدی والرشاد، الشامی :۱/ ۲۶۰

(۶۶) انساب الاشرف، البلاذری:۱/ ۹۱

(۶۷) انساب المحبر ، ابن حبیب:ص۴

(۶۸) الاسراء:۱۵

(۶۹) زید بن عمرو نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چچا بھائی تھا۔اس نے عہد جاہلیت میں بتوں کی پوجا کا انکار کر دیا۔وہ غیر اللہ کے ذبیحہ کو حرام سمجھتا تھا۔دین ابراہیم پر کار بند تھا۔دمشق کے شہر بلقاء کے قریب اسے قتل کر دیا گیا(جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم:ص۱۵۰، ۱۵۱)

(۷۰) یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے :'' ان النبی ﷺ نزل الی الحجون کیئبا حزین ، فأقام به ما شاء ربه عز وجل ثم رجع مسرورا فقلت یارسول الله ﷺ نزلت الی الحجون کیئبا حزین فاقمت به ما شاء الله ، ثم رجعت مسرورا؟ قال : سئلت ربی عزوجل فاحیا لی امی فامنت بی ثم ردها '' (نبی کریم ﷺ حجون کی طرف افسردہ اور غمزدہ اترے وہاں کچھ دیر ٹھہرے رہے پھر خوشی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ افسردہ اور غمزدہ حالت میں حجون کی طرف گئے تھے وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور پھر خوش ہو کر واپس لوٹے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے دعا کی تو اس نے میری والدہ محترمہ کو زندہ فرما دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر انہیں قبر میں لوٹا دیا(مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ ﷺ، سیوطی:ص ۵۶۔سہیلی، الروض الانف:۱/ ۱۱۳۔سخاوی، المقاصد الحسنۃ :ص ۵۶۔القسطلانی ، المواھب الدنیۃ ، دار الکتب العلمیۃ ، مصر ۱۳۸۱ ، الزرقانی ، شرح المواھب الدنیۃ ، المطبعہ الزھریہ القاھرۃ ۱۳۲۵ھ:۱/ ۱۷۹)

(۷۱) الروض الانف، سہیلی:۱/ ۲۹۹۔سبل الھدی والرشاد، الشامی:۱/ ۲۵۹

(۷۲) ایضا

(۷۳) ایضا

خاتمہ

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام مخلوق میں صرف انسان ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ طبع و مزاج کے حوالے سے بڑا انوکھا اور غیور واقع ہوا ہے۔ تنقید اور تنقیح کی نظر رکھتا ہے۔ عام حالات میں جلدی سے کسی کی عظمت اور بڑائی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، ہر چیز کو ٹھونک بجا کر غور سے دیکھتا ہے۔ ظاہر و باطن کو پرکھتا ہے۔ گفتار و کردار کا بنظر غائر جائزہ لیتا ہے۔ جب اسے صداقت و طہارت، علو و کمال اور خلوص و ایثار کا یقین آ جاتا ہے اور دوسرے شخص میں ایسے خصائل و اوصاف دیکھ لیتا ہے جو اس میں نہیں تب کہیں جا کر اس کی فضیلت و برتری تسلیم کر کے پھر اسے اپنا قائد و رہنما ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے رسول اور نبی بھیجے وہ ہر لحاظ سے کامل و افضل اور مقام و مرتبے کے حوالے سے بے نظیر و یکتا تھے۔ کسی دنیادار کو ان کی شخصیت اور سیرت پر انگلی اٹھانے اور عیب جوئی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دیکھ لیتے تھے کہ جس نے دعوائے نبوت و رسالت کیا ہے۔ وہ حسب و نسب کے لحاظ سے معزز اور معاشرتی منصب کے حوالے سے قابل تکریم ہے۔ اس میں کوئی ایسی خامی اور کمی نہیں جس پر گرفت کی جا سکے۔ یہ یکتا و بے مثل، عالی پایہ، بلند اخلاق، باکردار اور خوبصورت و خوب سیرت ہے جس کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے آباء بھی انہی یکتا و بے مثل، عالی پایہ، بلند اخلاق اور باکردار لوگوں میں سے تھے جن پر خود آقائے دو عالم ﷺ نے متعدد مرتبہ فخر و انبساط کا اظہار کیا۔

عام طور پر معیار شرافت و فضیلت متعین کرنے کے لئے ہمارے سامنے دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک نسب اور دوسرا حسب۔ نسب وہ شرف و فضیلت ہے جو آباء و اجداد کی طرف سے ہو۔ اور حسب وہ شرف و فضیلت ہے جو اچھے اعمال کی وجہ سے حاصل ہو۔ اول الذکر انسان کے اختیار میں نہیں، البتہ ثانی الذکر اختیاری ہے جو محنت و مجاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جاہلی عربوں کے نزدیک اپنے اپنے قبیلے اور آباء و اجداد کی طرف نسبت دنیا جہاں کی عزت و عظمت سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی کیونکہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر کرنے کے دلدادہ تھے، اس لیے وہ اپنے نسبوں کو محفوظ رکھتے تھے۔ جس نسب پر فخر کیا جاتا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ماضی میں بہت دور تک جائے اور اس پر بدنامی کا کوئی داغ نہ ہو۔ قبیلے کے

جداعلیٰ پر ہلکے سے داغ سے بھی دشمن فائدہ اٹھا لیتے تھے اور اپنی شاعری میں مخالف کے آباء واجداد کی ہجو و تضحیک کرتے تھے، اسلام کی آمد سے نسبی تفاخر کا خاتمہ ہو گیا، مساوات انسانی دین اسلام کا طرہ امتیاز ٹھہری اور نسب شناسی ایک عظیم علم کے طور پر آغاز پذیر ہوا کیونکہ قرآن نے اسے وسیلہ تعارف قرار دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سارا شجرہ نسب محترم اور نامور شخصیات پر مشتمل ہے۔ وہ سب کے سب اپنے دور میں سردار قوم اور رہنما تھے اور معاشرے میں کلیدی حیثیت رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی تمام امہات وجدات پاکباز، نیک اور باوقار خواتین تھیں۔ اس شجرہ مبارکہ کی ہر کڑی شرافت وعظمت کا پیکر تھی، دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا خاندانی سلسلہ اور نسب نامہ اس وضاحت وتحقیق کے ساتھ محفوظ نہیں۔ یہ فضیلت ومرتبہ صرف اسی ذات اقدس ﷺ کو حاصل ہے جسے اللہ کریم نے انتخاب در انتخاب کے ذریعے چنا ہے۔

قرآن وحدیث میں متعدد نصوص موجود ہیں جن میں اشارۃ النص کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ نبوت کے سلسلہ نسب میں تمام ہستیاں ساجد وعابد رہی ہیں ان کے کردار وعمل میں کوئی کجی اور ان کی ذات میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں تھی، نور نبوت کی امین یہ پاکباز ہستیاں جائز وحلال طریقہ سے اور شریعت خداوندی کے مطابق نور محمدی کی امانت ایک دوسرے کو منتقل کرتی رہی ہیں تا آنکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو تفویض ہوئی اور انہوں نے منشائے خداوندی کے مطابق اسے دنیا والوں کو عطا کیا۔

سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں کوئی ایک ضعیف سے ضعیف بات سے بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ کفر وشرک میں مبتلا ہوئے ہوں یا کوئی اور کسی قسم کی آلائش ان کے دامن عصمت کو داغ دار بناتی ہو۔ جبکہ متعدد نصوص موجود ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ نور نبوت کے امین اپنے دور میں عفت وحیاء کے پیکر تھے اور موحد تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے والد محترم جناب سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کے بارے میں شرک ثابت نہیں بلکہ وہ دونوں اپنے جد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے، جس طرح عہد جاہلیت کے دیگر موحد لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ اس مسلک کو متعدد علمائے متقدمین ومتاخرین نے اختیار کیا ہے۔

الکمال للہ

مصادر ومراجع

(۱) الا ستیعا ب فی معر فة الا صحا ب، ابو عمر یوسف بن عبدللہ بن محمد القرطبی ابن عبدا لبر، دار الکتب العلمیة ، بیروت ۱۴۲۲ھ

(۲) أسد الغا بة فی معرفة الصحابة ،عز الدین علی بن محمد بن عبد الکریم ابن الا ثیر ، الجمعیة التعاونیة ، مصر ۱۴۲۲ھ

(۳) اسماء القبا ئل وانسا بها ، معز الدین محمد المهدی الحسینی القزوینی ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، لبنان ۱۴۲۰ھ

(۴) الاصابه فی تمییز الصحابه ، شهاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، المکتبة التجاریة ، مصر ۱۹۳۹ء

(۵) الاعلام ، خیر الدین الزرکلی ، دار العلم للملایین ، بیروت ، لبنان ۱۹۸۶ء

(۶) الاقتصاد فی الاعتقاد للمقدسی ،بتحقیق احمد الغامدی ، دار المعارف ، مصر ۱۹۹۰ء

(۷) اقتضاء العلم والعمل، خطیب بغدادی ، دار العلم للملایین ، بیروت ۱۹۳۹ء

(۸) الانساب ، ابو سعد عبد الکریم محمد بن منصور السمعانی ، دار المعارف ، مصر ۱۹۸۶ء

(۹) انساب الاشراف ، احمد بن یحی البلاذری ، دار المعارف ، مصر ۱۹۹۰ء

(۱۰) انوار التنزيل وأسرار التاويل ،القاضی نصر الدين عبد الله بن عمر البيضاوی ، مطبو عه دارالکتب والثائق بغد اد ، عراق ،۱۹۹۰ء

(۱۱) البداية والنهاية ، الحافظ عماد الدين اسماعيل القرشی الدمشقی ابن كثير ، مطبوعة دار الفكر بيروت۱۴۱۸ھ

(۱۲) بلوغ العرب فی أحوال العرب ، علامه محمود شكری آلوسی، اردو سائنس بورڈ ، لاهور ، ۲۰۰۱ء

(۱۳) البيان والتبيين ، ابو عثمان عمرو بن جاحظ ، دار الصعب ، بيروت ۱۳۹۲ھ

(۱۴) تاج العروس من جواهـر القاموس ، محمد مرتضی الحسينی البلگرامی الزبيدی ، المطبعة الكبيرية

(۱۵) تاريخ دمشق الكبير ، ابو القاسم علی بن حسن ابن عساكر ، مطبوعه دار احياء التراث العربی بيروت ۱۴۲۱ھ

(۱۶) تاريخ الرسل والملوک ، ابو جعفر محمد بن جرير الطبری ، الفيصل ناشران كتب ، لاهور ۲۰۰۴ء

(۱۷) تبيان القرآن ، علامه غلام رسول سعيدی ، فريد بک سٹال ، لاهور۲۰۰۸ء

(۱۸) التبيين فی انساب القرشين ، ابو محمد عبد الله بن احمد بن محمد بن قدامه المقدسی ، دار الكتب العلمية ، بيروت ۱۴۰۸ھ

(۱۹) التذكره، موضحا ،ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی ، مطبوعه دار البخاری ، ۱۴۱۷ھ

(۲۰) التعظيم والمنة، امام جلال الدين السيوطی ، مطبوعة دار المعارف النظامية حيدر آباد دكن ۱۳۱۷ھ

(۲۱) تفسیر ابن کثیر ، علامہ ابن کثیر ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۴۰۸ھ

(۲۲) تفسیر امام ابن ابی حاتم ، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ

(۲۳) تفسیر جلالین ، امام جلال الدین السیوطی ، امام جلال الدین محلی ،دار ابن کثیر ، بیروت ، لبنان،۱۳۱۷ھ

(۲۴) تفسیر صفوۃ التفاسیر، محمد علی سبونی ، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ۱۴۱۷ھ

(۲۵) التفسیر الکبیر او مفاتیح الغیب ، امام فخر الدین رازی ، دار الکتب العلمیۃ بیروت ، ۱۴۲۵ھ

(۲۶) تفسیر الکشاف امام محمد الزمخشری ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۲۵ھ

(۲۷) تھذیب التھذیب ،ابن حجر عسقلانی ، مطبوعہ دارلکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۰ھ

(۲۸) جامع البیان فی تفسیر القرآن ، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری ، دار المعرفۃ ، بیروت ، لبنان ۱۴۰۰ھ

(۲۹) جامع ترمذی ، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی ، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ، مصر ۱۳۵٦ھ

(۳۰) الجامع الصحیح ، امام محمد بن اسماعیل بخاری ، دار القلم ، دمشق ۱۴۰۱ھ

(۳۱) الجامع الصحیح، الأمام المسلم أبو الحسن ابن الحجاج القشیری النیشابوری ، دار احیاء الکتب العربیۃ ، لبنان ۱۴۰۵ھ

(۳۲) الجامع الصغیر، امام جلال الدین السیوطی ، مطبوعة دار الکتب العلمیة ، بیروت ،۱۹۰۵ھ

(۳۳) جامع العلوم والحکم،ابن رجب الحنبلی، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ۱۴۰۱ھ

(۳۴) الجا مع لاحکا م القران، علامه آلوسی ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ۱۴۰۵ھ

(۳۵) جمهرة ا نساب العرب،ابن حزم ابو محمد علی بن احمد الأندلسی ، دار المعارف ، مصر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

(۳۶) الحا وی للفتاوی، امام جلال الدین سیوطی، دار المعارف ، مصر ، ۱۹۶۲ھ

(۳۷) حلیة الاولیاء و طبقات الأصفیاء ، ابونعیم احمد بن عبد الله الأصفهانی ، دار الکتب العربی ، بیروت ، لبنان ۱۳۸۶ھ

(۳۸) الدرج المنیفه فی اباء الشر یفة، امام جلال الدین السیوطی ، دائرة المعارف انتظامیة ، مطبوعه حیدر آباد دکن ،۱۳۳۴ھ

(۳۹) الدر المنثور، امام جلال الد ین السیوطی،مطبوعه داراحیاء التراث،دارالمعر فة،بیروت، ۱۴۲۱ھ

(۴۰) دلا ئل النبوة،احمد بن عبد الله بن احمد بن اسحاق ابو نعیم،مطبو عه دارالکتب العلمیه بیروت، ۱۴۲۱ھ

(۴۱) دلائل النبوة ومعرفة احوال صاحب الشر یعة،امام ابو بکر احمد بن حسین البیهقی ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱۴۲۱ھ

(۴۲) رحمة للعا لمین،قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پو ری ، الفیصل ناشران ، لاهور ۱۹۹۱ء

(۴۳) رسا لة الى اهـل الثغر ،للاشعر ى،بتحقيق عبدالله بن شاكر الجند ى، دار الكتب العلمية ، بيروت

(۴۴) روز نـامـه نـوائے وقـت، ۲۱جنـورى۱۹۷۸ء بمطا بق ۱۱ صفرا لمظفر۱۳۹۸ھـ

(۴۵) الـروض الأنف فـى تـفسيـر السيـرـة الـنبـوية لابن هــشـام ،الامـام السهيـلـى ابـو الـقـاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن احمد بن ابى الحسين الخثعمى ،مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت۱۴۱۸ھـ

(۴۶) سبـا ئک الـذهـــب فـى معرفة قبائل العرب ، أبو الفوز محمد أمين البغدادى السويدى ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ۲۰۰۵ھـ

(۴۷) سبـل الهـــدى والـرشـاد فـى سيـرـة خير العباد ، محمد بن يوسف الصالحى الشامى ، دار الكتب العلمية بيروت ، لبنان

(۴۸) الســنـن ابـن مـاجه ، محمد بن يزيد القزوينى ابن ماجه ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ۱۴۱۹ھـ

(۴۹) الســنـن ابـى داؤد ، ابـو داؤد سـليـمـان بـن الأشعث السجستانى ، مطبعة السعادة ، مصر ۱۳۶۹ھـ

(۵۰) الســنـن دارمـى ، ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمى ، دار الكتاب العربى ، بيروت ، لبنان ۱۴۰۷ھـ

(۵۱) الســنـن الـكبـرىٰ ، الامام ابو بكر احمد بن حسين البيهـقى ، مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة ۱۴۱۴ھـ

(۵۲) الســنـن الـنسـائى ، ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائى ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ۱۴۱۶ھـ

(۵۳) سيـر أعلام النبلاء، شمس الدين محمد بن احمد الذهـبى ، مؤسسة الرسالة ، بيروت ۱۴۱۳ھـ

(۵۴) السیرة الحلبیة ، نور الدین الحلبی الشافعی ، دار الکتب العلمیة بیروت ، ۲۰۰۲ء/۱۴۲۲ھ

(۵۵) سیرة الرسول ﷺ ، ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور

(۵۶) السیرة النبویة ، ابو محمد عبد الملک بن ھشام ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ، لبنان ۱۳۵۱ھ

(۵۷) شذرات الذھب فی أخبار من الذھب ، ابن العماد ، مکتبة القدسی ، مصر ۱۳۵۱ھ

(۵۸) شرح صحیح مسلم ، علامہ غلام رسول سعیدی ، فرید بک سٹال لاہور

(۵۹) شرح المواھب الدنیة ، محمد بن عبد الباقی الزرقانی ، المطبعة الزھریة القاھرة ۱۳۲۵ھ

(۶۰) الصحاح فی اللغة ، ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوھری ، المطبعة المصریة ، القاھرة ۱۲۸۲ھ

(۶۱) صحیح ابن حبان ، امیر علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی ، مؤسسة الرسالة ، بیروت ، لبنان ۱۴۱۴ھ

(۶۲) صریح السنة ، للامام ابن جریر الطبری ، بتحقیق بدر بن یوسف المعتوق، المطبعة المصریة ، القاھرة ۱۲۸۲ھ

(۶۳) ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

(۶۴) ضیاء النبی، پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

(۶۵) طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلی ، المطبعة المصریة ، القاھرة ۱۲۸۲ھ

(٦٦) الطبقات الکبریٰ ، محمد الزھری ابن سعد ، مطبوعه دار الکتب العلمیة ، بیروت ، ١٤١٨ھ

(٦٧) العقد الفرید ، ابن عبد ربه ، دار الکتاب العربی بیروت ، ١٩٨٣ھ

(٦٨) عمدة القاری شرح صحیح بخاری ، علامه بدر الدین محمود بن احمد عینی ، دار الفکر بیروت ١٩٩٥ھ

(٦٩) عهد نامه قدیم و جدید

(٧٠) فتح الباری ، شهاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی ، المطبعة الخیریة ، مصر ١٣١٩ھ

(٧١) الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة ، محمد بن علی الشوکانی ،مطبعة السنة المحمدیة ، حیدر آباد الهند ، ١٣٤٤ھ

(٧٢) القاموس المحیط ، مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی ، دار الفکر ، بیروت ، لبنان ١٤١٥ھ

(٧٣) الکامل فی التاریخ ، ابن الأثیرعز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم ، دار صادر ، بیروت ، ١٤٠٢ھ

(٧٤) کتاب اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنة ، دار احیاء التراث ، بیروت ١٤٢٣ھ

(٧٥) کتاب الایمان لابن مندة ، دار الفکر بیروت ١٤٠٣ھ

(٧٦) کتاب المحبر ، ابو جعفر محمد بن حبیب بن امیة الهاشمی البغدادی ، وزارة المعارف ، المملکة العربیة السعودیة

(٧٧) کتاب نسب قریش ، ابو عبدالله المصعب بن عبد الله مصعب الزبیری ، دار المعارف ، القاهره

(۷۸) کشف الظنون عن الاسامی الکتب والفنون ، مصطفی بن عبد اللہ حاجی خلیفة ، مکتبة المثنی ، بغداد ۱۹۴۱ء

(۷۹) کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال ، علی المتقی علاؤ الدین علی بن حسام الدین الھندی ، دائرۃ المعارف النظامیة ، حیدر آباد ، دکن ۱۳۱۳ھ

(۸۰) لسان العرب ، علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الأفریقی ، دار صادر ، بیروت ، لبنان

(۸۱) لسان المیزان ، شھاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی ، مطبوعہ مؤسسة الاعلمی بیروت ، ۱۳۹۰ھ

(۸۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، نور الدین علی بن أبی بکر الھیثمی ، دار الکتاب العربی ، بیروت ، ۱۹۸۷ء

(۸۳) مجموع الفتاوی ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی ابن تیمیة ، مکتبة ابن تیمیة لاھور پاکستان ، ۱۹۷۸ء

(۸۴) مختار الصحاح ، الامام الرازی ، دار صادر بیروت ، لبنان ، ۱۳۹۰ھ

(۸۵) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ ﷺ ، امام جلال الدین السیوطی ، دائرۃ المعارف انتظامیة ، مطبوعہ حیدر آباد دکن ، ۱۳۳۴ھ

(۸۶) المستدرک علی الصحیحین ، الحاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیشابوری ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، لبنان ۱۴۱۱ھ

(۸۷) المسند ، الأمام ابو عبد اللہ احمدبن حنبل الشیبانی المروزی ، المطبعة المیمنیة ، مصر ۱۳۰۶ھ

(۸۸) المسند ، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار البصری ، بیروت ، لبنان ۱۴۰۹ھ

(۸۹) مشکوٰۃ المصابیح ، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی ، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ، لبنان ۲۰۰۳ء

(۹۰) مصباح اللغات ، عبد الحفیظ بلیادی ، سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی ، ۱۹۹۵ء

(۹۱) المصنف ، امام عبد الرزاق، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ۱۳۹۹ھ

(۹۲) معالم التنزیل ، ابو محمد حسین بن مسعود بغوی ، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ۱۳۹۹ھ

(۹۳) معجم البلدان ، یاقوت الحموی ، دار صادر بیروت ۱۹۷۵ء

(۹۴) المعجم الصغیر،سلیمان بن احمد الطبرانی موصل ، عراق ۱۴۰۴ھ

(۹۵) معجم قبائل العرب القدیمۃ والحدیثۃ ، عمر رضا کحالہ ، دار العلم للملایین ، بیروت ۱۳۸۸

(۹۶) المعجم الکبیر ، سلیمان بن احمد الطبرانی موصل ، عراق ۱۴۰۴ھ

(۹۷) معجم المفھرس لالفاظ القرآن ، محمد فواد عبد الباقی دار العلم للملایین ، بیروت ۱۹۶۸ء

(۹۸) معجم المؤلفین ، عمر رضا کحالہ ، المکتبۃ العربیۃ دمشق ۱۹۸۵ء

(۹۹) المفردات فی غریب القرآن ، ابو القاسم الحسین بن محمد الامام الراغب الاصفھانی ، نور محمد کارخانہ تجارت ، آرام باغ ، کراچی

(۱۰۰) المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الأحادیث المشتھرۃ علی الألسنۃ ، شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمن السخاوی ، دار الکتب

العلمية ، بيروت ۱۳۹۹ھ

(۱۰۱) المقامة السندسية فی النسبة المصطفوية ، الامام جلال الدين السيوطی ، مطبعة عيسى البابی الحلبی ، مصر ۲۰۰۳ء

(۱۰۲) مقدمة ابن خلدون، عبد الرحمن ابن خلدون ، الفيصل ناشران ، لاهور ۱۹۹۳ء

(۱۰۳) المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ، احمد بن محمد بن ابی بكر الخطيب القسطلانی ، دار الكتب العلمية ، مصر ۱۳۸۱ھ

(۱۰۴) ميزان الاعتدال فی نقد الرجال ، الحافظ شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان الذهبی ، مطبوعة دار الكتب العلمية بيروت ، ۱۴۱۶ھ

(۱۰۵) الناسخ والمنسوخ ، احمد بن محمد بن اسماعيل نحاس ، دار الكتب العربی ، بيروت ، لبنان ۱۴۰۷ھ

(۱۰۶) نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب، محمد اشرف شریف، ڈاکٹر اشتیاق احمد، ظہ پبلی کیشنز لاہور

(۱۰۷) نسب نامہ نبوی، مسز مدثر حمید، آزاد بک ڈپو لاہور، ۲۰۰۸ء

(۱۰۸) نشر العلمين المنيفين فی احياء الابوين الشريفين ، الامام جلال الدين السيوطی ، مطبعة عيسى البابی الحلبی ، مصر ۲۰۰۳ء

(۱۰۹) نور العينين فی ايمان آباء سيد الكونين ، علامه محمد علی ، فريد بكسٹال لاهور

(۱۱۰) نهاية الأرب فی فنون الأدب ، شهاب الدين احمد بن عبد الوهاب النويری ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ۱۴۲۴ھ

(۱۱۱) نهاية الأرب فی معرفة انساب العرب ،ابو العباس احمد بن علی بن احمد بن عبد الله القلقشندی ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان

(۱۱۲) النهاية فی غريب الحديث والأثر ، مجدد الدين مبارک بن محمد ابن الأثير ، المطبعة العثمانية ، مصر

(۱۱۳) والدہ ماجدہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ ، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ، ملتان ۲۰۰۴ء

(۱۱۴) والدین رسالت مآب ﷺ ، علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء

(۱۱۵) الوفا باحوال المصطفی ﷺ ، ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی ، دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ۱۴۰۸ھ

(۱۱۶) وفيات الأعيان ، شمس الدين ابن خلكان ، دار الثقافة ، بيروت ، لبنان ۱۹۷۲ء